

اہنِ صفحی

# جاسوسی دنیا

- 12 - موت کی آندھی

- 13 - ہیرے کی کان

- 14 - تجویری کا گیت



تھی جس پر چمکدار تاروں سے کشیدہ کاری کی گئی تھی جب وہ دائرہ بن کر جھومتی ہوئی رقص کرتی تو کئی شنڈی سائیں لے کر کر سیوں کی پشت سے نکل جاتے۔

اس پورے جمع میں صرف ایک نوجوان بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس نے جدید طرز کا ایک نیس اور قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا لیکن اس کے بے اطمینانی اور بے چینی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس فرم کے لباس کا عادی نہیں ہے۔ وہ اپنی نائی کی گردہ کو بار بار اس طرح چھونے لگتا تھا جیسے اس کی گردن میں درد ہو رہا ہو۔ وہ ایک چھوٹی سی میز پر تھا بیٹھا تھا۔ سامنے بیر کی بوٹی اور ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔

رقاصہ ناچتے ناچتے پر دے کے پیچھے چلی گئی اور ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ اس نوجوان نے اپنے ماتھے پر سے پسینے کی بوندیں پوچھیں اور کرسی کی پشت سے نیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ بار بار اپنی کلامی پر بند ہی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے اپنے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی دیکھ لیتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آرکشرا کی دھنسیں پھر گونجنے لگیں اور رقصاصہ اس بار اپنے ہاتھ میں خیز لئے گھو نگھروں کی آواز نضا میں سمجھیرتی ہوئی اسچ پر نمودار ہوئی اس بار اس کے رقص میں غم ہنگی اضلال کی بجائے ایک وحشیانہ پھرتی اور مو سیقی خیز جنگلی پن تھا۔ طبلے کی تھاپ پر اسکے سارے جسم میں عجیب فرم کی جھکلے دار لرزش پیدا ہو جاتی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ناچ ناچ کر اپنے خیالی دشمنوں کے سینوں پر پوری قوت سے وار کر رہی ہو۔ مفترض نوجوان کے چہرے پر ہو ایساں اڑنے لگیں اور وہ میز پر کھدیاں نیک کر آگے کی طرف جھک گیا۔ اس کے ماتھے پر پھر نہیں نہیں بوندیں پھوٹ آئیں تھیں۔ وقت گذرتا جا رہا تھا۔ ہال آہستہ آہستہ خالی ہونے لگا۔ گیارہ بجے تک بہت تھوڑے آدمی رہ گئے۔ وہ نوجوان ابھی تک وہیں بیٹھا تھا۔

پھر رقص ختم ہو گیا۔ آرکشرا کی دھنسی خاموشیوں میں کھو گئی۔ رقصاصہ اور پری منزل میں اپنے کرے میں چلی آئی۔ اس کے وہاں سے آنے کے بعد وہ نوجوان بھی لڑکھڑاتا ہوا زینے طے کر رہا تھا۔ اس کی یہ لڑکھڑاہٹ نثر سے زیادہ گھبرائہٹ اور بے چینی کا نتیجہ تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس پر خوف طاری ہے۔

رقاصہ کا نام حسین تھا اپنے کرے میں آگر قدہ آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ تھوڑی

## عجیب حادثہ

اس وقت دلکشا ہوٹل کے عظیم الشان ہال میں بے شمار آدمی قہقہوں مسکراہٹوں اور سر گوشیوں کے طوفان میں بہے جا رہے تھے۔ سردی اپنے شباب پر تھی۔ حالانکہ ابھی صرف سات بجے تھے لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کافی رات گزر گئی ہو۔ ہال کے اسچ پر ایک مصری رقصاصہ تھرک رہی تھی۔ ناچ کوئی خاص نہ تھا۔ یوں ہی معمولی سا۔ رقصاصہ بھی کچھ زیادہ حسین نہ تھی۔ وہ ابھی حال ہی میں اس شہر میں وارد ہوئی تھی اور اس نے دو ماہ کے لئے دلکشا والوں سے کشنٹر بیکٹ کر لیا تھا۔ وہ دہتی بھی وہیں تھی۔ ذو خوبصورت اور کافی بڑے کمرے اس نے کرائے پر لے رکھے تھے۔ وہ ناچتی رہی آرکشرا کی معمولی معلوم مو سیقی سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کوئی لذت اور رقصی ہے۔ ہر حال وہ اس طرف کے لوگوں کے لئے قطعی ناقابل فہم تھا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ تو بعض اس کے گداز جسم کی نمائش میں دچپی لے رہے تھے۔ رقصاصہ خوبصورت تونہ تھی لیکن جوان ضرور تھی۔ اس کا لکھتا ہوا گندی رنگ چند بیقرار بجلیوں پر چڑھا ہوا ایک غلاف معلوم ہوتا تھا اور دوران رقص میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غلاف بچت جائے گا اور سارے اسٹینچ پر بجلیاں کونڈے لگیں گی۔ اس نے اس وقت سفید سائن کی چمکدار اور ڈھیلی ڈھالی شلوار پہن رکھی تھی جس کے پائیچے ٹخنوں کے قریب پیچ کر بالکل بچک ہو گئے تھے۔ گلے میں ایک منحصری جیکٹ

دیر تک وہ خاموش کھڑی رعنی پھر اس نے میز کی دراز سے ایک شیشی نکالی ایک گلاس میں پانی لیا اور شیشی سے کوئی سیال شے پانی میں انٹیل کر پی گئی۔ چند لمحوں کے بعد ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اس کی آنکھیں نشے سے بو جمل ہوتی جا رہی ہوں۔ وہ پھر آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنا جیکٹ اتار پھینکا۔ بال بکھر دیے وہ نیم عربان حالت میں وحشیانہ قیچے لگا رہی تھی۔ آئینے میں دیکھ دیکھ کر وہ نہ رہے منہ باتی رہی۔ پھر اس نے چند شیشی میں دبا کر ہوا میں اچھائے اور فرش پر دوز انویں دیکھنے لگی۔ ”سب پت“ وہ بڑا ول۔ ”ایک بھی چت نہیں۔ تو ابھی وقت نہیں آیا۔ خیر میں انتظار کروں گی۔“ پھر وہ تھوڑی دیر تک بیٹھی جھومتی رہی۔ پھر اس نے اپنی شلوار کے نیچے میں اڑسا ہوا ایک سفید رومال نکالا اور اسے بوس دے کر کہنے لگی۔ ”اے مقدس امانت میں نے ابھی تک تیری حفاظت کی ہے۔ میں وادیِ نسل کی بیٹی انتقام لے کر رہوں گی۔“ وہ خون جو سمندر کی ریت پر بھیا گیا۔ وہ خون جس کا ایک قطرہ میں بھی ہوں۔“ اس کی آواز رفتہ رفتہ دروناک ہوتی جا رہی تھی۔“ وہ خون مجھے پکار رہا ہے۔“ اس کی آواز رفتہ رفتہ دروناک ہوتی جا رہی تھی۔“ میں نے ذلت کی زندگی اختیار کی۔“ مجھے عصمت فروشی پر مجبور ہونا پڑا۔“ کاش جلد ہی وہ موقع آ جاتا کہ میں آگ کے قریب اس مقدس امانت کو لے جاتی۔“ بھیمات۔“ میری روح بے دین ہے انتقام انتقام۔!“ وہ گھبرایا ہوا نوجوان دبے پاؤں اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چکتا ہوا نجخڑھا۔“ وہ اتنی آہنگی سے رقصہ کے پیچے پیچے گیا کر اُسے خبر نہ ہوئی لیکن نوجوان پر لرزہ طاری تھا اس نے ایک ہاتھ سے تو رقصہ کاروں جیجنما اور دوسرے ہاتھ سے اس پر نجخڑ کاوار کیا۔“ رقصہ چیخ کر پیٹی لیکن وہ دوسرے لمحے میں کمرے سے باہر تھا۔

”میرا رومال۔!“ رقصہ چیخی وہ خوف زدہ نظرؤں سے سامنے پڑے ہوئے نجخڑ کو دیکھ رہی تھی۔ گھبراہٹ میں اجنبی کاوار خالی گیا تھا۔ وہ چند لمحوں تک سکتے کے عالم میں بیٹھی رہی پھر اپاںک چینی ہوئی دروازے کی طرف چھپی۔“ تھوڑی دیر بعد وہ نیم برہنہ حالت میں پورے ہال میں چھپنے پھر رہی تھی۔“ میرا رومال۔!“ میرا رومال۔!“ لوگ کرسیوں سے اٹھ اٹھ کر اس کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔“ شائد کافی چڑھ گئی ہے۔“ ایک آدمی نہ کربولا۔

”معلوم ہی ہوتا ہے۔“ دوسرے نے کہا۔

دفعتا بہر فٹ پا تھو پر پستول چلنے کی آواز سنائی دی۔“ اور پھر ایک چیخ۔۔۔ لوگ رقصہ کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ فٹ پا تھو پر بھیڑ لگ گئی تھی۔ وہی نوجوان جو رقصہ کاروں مال لے کر بھاگا تھا خون میں لھڑا پڑا تھا۔“ رقصہ بھی بھیڑ کو چڑھتی ہوئی اس کے پاس پہنچ گئی۔

”یہی تھا۔۔۔ یہی تھا۔“ وہ چیخ۔“ مگر میرا رومال۔“

”اوہ تم اسی حالت میں یہاں بھی چلی آئیں۔“ ہوش کے فیجر نے کہا اور اس کا ہاتھ بکڑ کر کھینچتا ہوا اندر لے جانے لگا۔“ وہ برا بر چیخ جا رہی تھی۔“ میرا رومال میرا رومال“ فیجر نے اسے اس کے کمرے میں لے جا کر بند کر دیا۔

باہر فٹ پا تھو پر بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔ زخمی نوجوان گھری گھری سانسیں لے رہا تھا۔ گولی سینے پر لگی تھی۔ قبل اس کے کہ اُسے ہپتال لے جانے کا انتظام کیا جاتا زخمی نے دم توڑ دیا۔ سڑک کی ڈیوٹی والے دو تین کا نشیبل بھی وہاں آگئے تھے۔ ان میں سے ایک کو تو ای فون کرنے چلا گیا اور بقیہ کا نشیبل لاش کے قریب سے بھیڑ ہٹانے لگے۔

تھوڑی دیر بعد پولیس آگئی۔ کو تو ای انجارج انپکٹر جکدیش کار سے اتر۔ لوگ لاش کے پاس سے ہٹ گئے۔

راگھروں نے واقعات بتانے شروع کئے اور پھر کسی نے نیم برہنہ رقصہ کا بھی حوالہ دیا۔ جکدیش لاش کو دو سب انپکٹروں کی حفاظت میں چھوڑ کر ہوش کے فیجر کے پاس آیا۔“ میں ہاں۔۔۔ بلکہ کامیاب ہے کہ وہ یہیں سے لکھا تھا۔“ ہوش کے فیجر نے جکدیش سے کہا۔“ اور وہ گورت۔۔۔!“ جکدیش نے پوچھا۔

”وہ شاید زیادہ پی گئی ہے۔“ فیجر نے کہا۔“ میں نے اُس کے کمرے میں بند کر دیا ہے۔“

”کیا اس سے پہلے بھی وہ بکھی اس حالت میں باہر نکل آئی تھی۔“ جکدیش نے پوچھا۔“ بکھی نہیں۔“ فیجر نے جواب دیا۔

”ہوں“ جکدیش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔“ میں اُسے دیکھا چاہتا ہوں۔“

وہ فیجر کے ساتھ مصری رقصہ کے کمرے میں پہنچا۔“ وہ نیم برہنگی کے عالم میں زمین پر چلت پڑی تھی۔ غالباً وہ نیہوش ہو گئی تھی۔ جکدیش نے جسم پر چادر ڈال دی اور پھر اس کی ٹکا ہیں

کرے کا جائزہ لینے لگیں۔ زمین پر کچھ میے پڑے ہوئے تھے قریب میں ایک چکنڈار غیر اور ایک خال شیشی پڑی تھی۔ جگدیش نے شیشی کو رومال سے پکڑ کر اٹھایا اور اسے اپنی ناک کے قریب لے گیا۔ ”برو ما نیڈ...!“ وہ شیشی کا لیلپ پڑھتا ہوا بولا۔ ”تو اس نے برداشتی پیا ہے۔“

پھر وہ غیر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

”کیا آپ جانتے تھے کہ وہ برداشت اسٹھان کرتی تھی۔“

”بھلا میں اس کے متعلق کیا جان سکتا تھا۔“ غیر نے کہا۔

”یہ بہاں کتنے دنوں سے مقیم ہے۔“

”ایک ہفتہ سے۔“

”اس دوران میں اس سے قبل بھی اس کا کوئی رویہ مشکوک نظر آیا تھا۔“ جگدیش نے کہا۔

”اس کے متعلق میں کچھ زیادہ نہیں جانتا۔“ غیر نے کہا۔

”وہ آدمی کبھی اس کے ساتھ دکھائی دیا تھا جس کی لاش آپ ابھی دیکھے چکے ہیں۔“ جگدیش نے پوچھا۔

”مجھے افسوس ہے کہ اس کے متعلق میری معلومات محدود ہیں۔“ غیر نے کہا۔ ”لیکن مٹھریے میں اس ویژ کو بلا تا ہوں جوان کروں پر مامور ہے۔“

”توہڑی دیر بعد ویژ آگیا۔“

”تمہارا نام...!“ جگدیش نے ویژ کی طرف کڑی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

”شیم...!“

”یہاں کب سے کام کرتے ہو۔“

”تقریباً ایک سال سے۔“

”تم نے اس آدمی کی لاش دیکھی۔“

”جی ہاں۔“

”کیا وہ بہاں کا مستقل گاہک تھا۔“

”جی نہیں۔ میں نے اسے آج پہلے پہل بھی بہاں دیکھا تھا۔“

”یہ تم نے کیسے کہا۔ ممکن ہے وہ اس سے پہلے بھی بہاں آیا ہو۔“ جگدیش نے کہا۔

”ہو سکتا ہے لیکن میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔“

”یہ تم وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہو، یہ ایک بڑا ہوٹل ہے۔ دن بھر میں سینکڑوں آدمی یہاں آتے ہوں گے کیا تم ان میں سے کسی کو ایک بار بہاں دیکھ کر پھر کسی موقع پر یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ بہاں اس سے پہلے بھی آچکا ہے۔“

”جی نہیں.... یہ ایک بہت مشکل کام ہے۔“ ویژ نے کہا۔

”پھر آخر اس آدمی کے سلسلے میں تم اتنے وثوق کے ساتھ کیوں کہہ رہے ہو۔“ جگدیش نے پوچھا۔

”صاحب بات دراصل یہ ہے کہ میں عرصہ دراصل سے ہو ٹلوں میں ویژ کر رہا ہوں۔ میری اتنی عمر آئی میں نے آج تک ایسا آدمی نہیں دیکھا جو پیڑ میں سوڈا ملا کر پیتا ہو۔“

”میا مطلب....!“ جگدیش نے چونک کر پوچھا۔

”وہ پیڑ میں سوڈا ملا کر پی رہا تھا اور اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے زندگی میں پہلی بار کسی بڑے ہوٹل میں قدم رکھا ہو۔“ ویژ نے کہا۔

”اوہ....!“ جگدیش نے اس کی طرف تحریر نہ نظر وہ سے دیکھا۔

”میں ہی اس کی میز پر تھا۔“ ویژ نے کہا۔ ”اس نے ہٹکا ہٹکا کر پیڑ اور سوڈے کا آرڈر دیا تھا.... انداز گفتگو سے بھی وہ کوئی پڑھا کھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔“

”کیا تم نے کبھی اسے اس کے ساتھ دیکھا تھا۔“ جگدیش نے بیہوش رقصہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”جی نہیں۔“

”بھی وہ بہاں اس کے کرے میں بھی دکھائی دیا تھا۔“

”جی نہیں مجھے تو کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔“

”ہوں....!“ جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اس رقصہ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔“

ویژ اس کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ اس کے سوال کو سمجھا نہ ہو۔

”کیا تم انہیں کروں کی دیکھ بھال پر مامور تھے۔“

”جی ہاں۔“

”یہاں ان کروں میں کوئی اُس سے ملنے آتا تھا۔“

”بیٹرے آتے تھے لیکن یہ کسی سے ملتی نہیں تھی۔“

”اس کی کوئی ایسی حرکت جو تمہاری نظرؤں میں ملکوک ہو۔“ جگدیش نے اُس کی طرف سوالیہ نظرؤں سے دیکھتے ہوئے کہا۔  
ویٹر کچھ سوچنے لگا۔ ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے وہ کسی چیز کا فیصلہ کرنے کے سلسلے میں ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو۔

”حالانکہ یہ ایک ویٹر کے لئے بہت ہی معیوب اور قابل اعتراض بات ہے۔“ وہ ندامت آمیز لمحے میں بولا۔ ”لیکن میں بعض اوقات اس سے کرے میں....!“  
ویٹر نے رک کر فیجر کی طرف گھبرائی ہوئی نظرؤں سے دیکھا۔  
”کہو کہو.... رک کیوں گئے۔“ فیجر بولا۔

”بہتر یہ ہے کہ آپ اسے تہائی میں مجھ سے گستاخ کرنے کا موقع دیں۔“ جگدیش نے فیجر سے انگریزی میں کہا۔ ”ممکن ہے کہ میں ابھی پھر آپ کو تکلیف دوں۔“  
”بہتر ہے۔“ فیجر نے کہا اور نیچے چلا گیا۔

”ہاں اب کہو۔“ جگدیش نے ویٹر سے زخم لمحے میں کہا۔  
”فیجر صاحب کے سامنے میری زبان رک گئی تھی اور یہ قدرتی بات ہے۔ بھلامیں یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ میں کرایہ داروں کے کروں میں جھانا کرتا ہوں۔“ ویٹر نے کہا۔

”خیر خیر آگے کہو۔“ جگدیش بے چینی سے بولا۔  
”بعض اوقات وہ ایسی حرکتیں کرتی تھی کہ میں اُس کے کرے میں جھانکنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اُس کا دستور تھا کہ وہ روزرات کو ”ناچ“ کے بعد اپنے کرے میں آکر کوئی چیز پیتی تھی پھر یا نو بالکل برہنہ ہو جاتی تھی یا صرف شلوار پینے رہتی تھی۔ اس کے بعد وہ کچھ میں ہوا میں اچھال کر زمین پر بیٹھ جاتی تھی اور پھر ایک رومال نکال کر کچھ دیر اسے چوتھی چاٹی رہتی تھی اور ساتھ ہی ساتھ کچھ بڑیا بھی کرتی تھی۔ اکثر یا گلوں کی طرح قبیچے لگا کر اپنا جسم نوچنے لگتی تھی۔“  
ویٹر خاموش ہو گیا۔

”لیکاہ اس حالت میں کبھی فیجر بھی نکالا کرتی تھی۔“ جگدیش نے پوچھا۔

11  
”مجھے تو کوئی ایسا موقع یاد نہیں۔“ ویٹر نے کہا۔  
”اچھا تم جاسکتے ہو۔“ جگدیش نے ویٹر سے کہا اور پھر اپنے قریب کھڑے ہوئے سب انپکڑ سے کہا۔ ”عجیب معاملہ ہے... رومال کا تذکرہ اس نے بھی کیا ہے اور رومال رومال چیختی ہوئی وہ بھی اپنے کمرے سے نکل کر بھاگی تھی۔ تو کیا وہ دراصل اس کا رومال چھین کر بھاگا کا تھا۔ اول تو یہی چیز مضمون خیز ہے کہ وہ بیٹر میں سوڈا ملا کر پی رہا تھا وہ سرے یہ کہ وہ اس کا رومال چھین کر بھاگا اور پھر کسی نے اسے قفل بھی کر دیا بھی نہیں تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“

”معاملہ واقعی عجیب ہے۔“ سب انپکڑ نے کہا۔

”اچھا تم یہیں کمرے میں ٹھہرو۔ یہاں کی کوئی چیز اپنی جگہ سے ہٹنے نہ پائے اور اگر اس دوران میں یہ ہوش میں آجائے تو اسے یہیں روک رکھنا۔“ جگدیش سب انپکڑ کو ہدایات دے کر نیچے چلا گیا۔

سب انپکڑ جرأت سے کرے میں پھیلی ہوئی چیزوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی نگاہیں یہ ہوش رقصہ کے جوان چہرے پر جم گئیں۔ دفتار اسے ایسا محظوظ ہوا جیسے برابر والے کرے میں کوئی عورت چیز رعنی ہو۔ ”مجھے چھوڑ دو.... چھوڑ دو.... ورنہ میں زور سے چیخ دوں گی۔“

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے دو آدمی باہت پائی کر رہے ہوں۔ عورت کی آواز پھر سنائی دی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسکی آواز اس طرح گھٹ کر رہ گئی جیسے کسی نے اُسکے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ سب انپکڑ چھپت کر کرے سے باہر نکلا لیکن آواز کدھر سے آئی.... کیونکہ برابر والے دونوں کرے باہر سے مقفل تھے۔ وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔... پورا برآمدہ سناں تھا۔ کروں کے رہنے والے شاند قتل کے حداثے کے متعلق معلومات یہم پہنچانے کے لئے نیچے چلے گئے۔ سب انپکڑ لوٹنے والے تھا کہ اسے ایک عورت کی تیز چیخ سنائی دی۔ یہ آواز اسی رقصہ کے کرے سے آئی تھی۔ سب انپکڑ دوڑتا ہوا کرے میں آیا اور پھر اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہی فیجر وہ چھے زمین پر چھوڑ گیا تھا رقصہ کے سینے میں پیوست تھا اور وہ ترپ رہی تھی۔ اس نے دو تین پار آنکھیں چڑھا چڑھا کر سب انپکڑ کی طرف دیکھا اور پھر گردان ایک طرف ڈال دی.... وہ مر چکی۔ سب انپکڑ دوڑتا ہوا نیچے گیا۔

انپکڑ جگدیش بوکھلا گیا۔... وہ سب انپکڑ پر برس پڑا۔ آخر وہ اسے چھوڑ کر باہر گیا ہی کیوں

نیچے پر بیچنے میں مدد دیتی تھیں۔  
وہ آتش دان کے سامنے بیٹھا او گھٹا رہا۔ اس دوران میں فوکر نے آکر آگ میں پکھ اور  
ایندھن ڈالا اور چلا گیا لیکن اُسے خبر نہ ہوئی۔ وہ صرف سوچ رہا تھا اور اس سوچ نے اُسے  
اپنے گرد و پیش کی فنا سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا۔ فنتا برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی  
اور حمید مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ فریدی اب بھی اُسی طرح او گھر رہا تھا حمید اُس کے  
قریب کیا اور جھک کر اُس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔  
فریدی نے آنکھیں کھول دیں.... اور حمید بوكھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ فریدی کی آنکھیں سرخ  
تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دود بکتے ہوئے انگارے ہوں۔

”ادھر آؤ....؟“ فریدی تھکمانہ بجھ میں بولا۔ ”گری ادھر کھینچ لاؤ۔“  
حمد کری کھینچ کر خاموشی سے اس کے قریب بیٹھ گیا۔  
”کہاں تھے۔“

”کہیں نہیں.... یونہی ذرا....“

”یونہی ذرا۔“ فریدی نے گھور کر کہا۔ ”ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔“  
”لیا آج موڑ کچھ خراب ہے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”جو میں پوچھ رہا ہوں اُس کا جواب دو۔“ فریدی نے کہا۔  
”اگر میں جواب دینے سے صاف انکار کر دوں تو۔“

”میں فضول بکواس نہیں پسند کرتا۔“ فریدی نے جھنجلا کر کہا۔

”تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ رفتہ رفتہ اس کے بھی عادی ہو جائیں گے۔“ حمید نے  
سمیجنگی سے کہا۔

فریدی اُسے گھورتا رہا۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں رات آپ کے ساتھ نہ ہوں،“ حمید نے کہا۔  
”تو تمہیں اس کی اطلاع ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”آج چیز طرح۔“ حمید نے کہا۔ ”کیا آپ نے آج کا اخبار بھی تک نہیں دیکھا۔“  
”نہیں ابھی نہیں۔“

تھا۔ اُس نے ہوٹل کے سارے دروازے بند کر دیے اور ایک ایک کونہ چھان مارا لیکن کوئی ایسا  
آدمی نہ مل سکا جسے تک کی بیانہ پر گرفتار کیا جاسکتا۔ اوپر کے کردوں میں اُس رقصاء کے علاوہ کوئی  
دوسری عورت تھی ہی نہیں.... پھر آواز کہاں سے آئی تھی.... جلدیں کو اخلاق سا ہوئے  
لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے.... آخر کار اُس کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ  
نہ رہا گیا کہ ایشیاء کے جوان سال اور مشہور جاسوس انپکٹر فریدی کو فون کرے۔ لیکن اس وقت  
ایک نج رہا تھا.... کیا فریدی اپنا آرام چھوڑ کر اس وقت چلا آئے گا۔ اس نے سوچا.... لیکن پھر  
کرتا ہی کیا.... اُس نے فریدی کو فون کر دیا۔

## سر بنتھاں

صبح کے سات بجے تھے۔ سردی شدید تھی۔ انپکٹر فریدی اپنے کمرے میں آتشدان کے پاس  
بیٹھا او گھر رہا تھا۔ پچھلی رات وہ سونے ہی جا رہا تھا کہ اسے ٹیلی فون پر جلدیں کا پیغام ملا تھا اور پھر  
اس نے باقی رات دلکشا ہوٹل ہی میں گزار دی۔ اس کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ جائے واردات  
پر وہ کسی خاص نیچے پر بیچنے سکا تھا۔ حالات کی پیچیدگی اور انوکھے پن کی وجہ سے اُس کا ذہن کام  
نہیں کر رہا تھا۔ یہ چیز اُس کے لئے بہت ہی عجیب تھی کہ ایک رومال کے سلسلے میں دو قتل ہو گئے  
اور پھر اُس مصری رقصاء کا عجیب و غریب رو یہ؟ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ تفہیش کارہ  
کدھر موڑے۔ کیس حد درجہ دلچسپ تھا۔

حمد ابھی تک گھر واپس نہیں آیا تھا۔ وہ رات ہی سے غائب تھا۔ ادھر کچھ دنوں سے اُکا  
کچھ عجب حال تھا۔ وہ کافی رات گئے واپس آیا کرتا تھا اور کبھی تو ایسا بھی ہوتا کہ صبح ہی کو اس کا  
صورت دکھائی دیتی۔ فریدی کا خیال تھا کہ شاید اس دوران میں اس کی رگ معاشتہ پھر پھر کرنے کا  
ہے۔ اس نے کئی بار اُس سے اس آوارگی کی وجہ بھی پوچھی لیکن اُس نے کوئی تشفی بخش جواب  
نہیں دیا۔

اس وقت فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر حمید اُس کے ساتھ ہو تو کل رات ہی کو کسی نہ کم  
طرح وہ معاملے کی تہہ تک ضرور بیٹھ جاتا کیونکہ بعض ہو تھا اس کی احتمانہ حرکتیں اُسے کیا؟

”خبر میں یہ بھی ہے کہ انپکٹر فریدی اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔“

”میں تو عاجز آگئیا ہوں ان اخبار نویسیوں سے۔“ فریدی نے کہا۔

”آپ کو یہ سن کر تجھب، ہو گا کہ میں بھی رومالوں کے چکر میں پھنسا ہوا ہوں۔“ حمید بولا۔

”کیا مطلب....!“ فریدی نے چونک کر کہا۔ ”تم رات تھے کہاں۔“

”ہائی سر کل ناٹ کلب میں....!“ حمید نے جواب دیا۔

”مگر وہ رومالوں کا چکر کیسا....!“ فریدی نے پوچھا۔

”وہی بتانے جا رہا تھا۔“ حمید بولا۔ ”میں چار دن سے ایک ایسے آدمی کے بیچھے لگا ہوں: عورتوں کے رومال چرایا کرتا ہے اور آپکو یہ سن کر جیرت ہو گی کہ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ وہ ایک معمولی چور یا جیب کترے کی طرح فیشن ایبل عورتوں کے دستی رومال اڑایا کرتا ہے۔“

”آخر وہ ہے کون....؟“ فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

”ایک معزز اگریز سر بعثمال ہیور تھے....!“

”سر بعثمال....سر بعثمال....!“ فریدی کہتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پردی ہوئی۔

چینی کے آثار تھے۔

”سر بعثمال....!“ فریدی نے ایک بار پھر دھر لیا اور حمید سے پلٹ کر بولا۔ ”تم نے کہ اسے رومال چراتے دیکھا تھا۔“

”کھھی ہو گی۔“ حمید نے لاپرواٹی سے کہا۔ مجھے تو اس کی اس عجیب و غریب حرکت سے دلچسپی ہے۔“

”کہہ تو رہا ہوں کہ کئی دنوں سے۔ اس نے کلب ہی میں درجنوں عورتوں کے رو

چ رائے ہوں گے۔“

”اور تم برا بر اس کا پیچھا کرتے رہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”یہ ایک قدرتی امر تھا۔ کسی بڑے آدمی کو اتنی ذلیل حرکت کرتے دیکھ کر یقیناً جیرت اور پھر رومال کی حیثیت ہی کیا۔ ایک خطاب یافٹہ امیر آدمی اگر ایسی حرکتیں کرنے لگے تو انہوں کی وجہ دریافت کرنے کو دل چاہے گا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی وجہ نہ دریافت کر سکا۔“

”کل رات بھی تم اس کے پیچھے تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ہاں....!“

”کس وقت تک۔“

”دوبجے تک....!“ حمید بولا۔ ”وہ تقریباً دو بجے کلب سے اٹھ کر گیا تھا۔“

”وہ اس وقت تک وہاں کرتا کیا رہا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”برچ کھلی رہا تھا.... لیکن کل رات کو اس نے کسی کارروال غائب نہیں کیا حالانکہ اس کے بہت سے موقع نصیب ہوئے۔“

”وہ کلب میں کس وقت سے تھا۔“

”تو بجے سے۔“

”اور اس دوران میں وہ کہیں باہر نہیں گیا۔“

”نہیں....!“

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ مختصر بانہ انداز میں کرے میں ٹھہر رہا تھا۔

”تم جانتے ہو سر بعثمال کون ہے؟“ فریدی نے دفتاً پلٹ کر حمید سے پوچھا۔

”میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک خطاب یافٹہ آدمی ہے اور بغرض سیاسی یہاں آیا ہے۔“

حمدید نے کہا۔

”اس نے مصری آثار قدیمہ پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”لکھی ہو گی۔“ حمید نے لاپرواٹی سے کہا۔ مجھے تو اس کی اس عجیب و غریب حرکت سے دلچسپی ہے۔“

”اوہ وہ صحیح النسل انگریز بھی نہیں.... وہ دو اصل جرمن ہے اُسے اپنے نانا کا خطاب میں جائز اور شے میں ملا ہے اس کا نانا انگریز تھا۔“

”تو کیا وہ صحیح النسل انگریز نہ ہونے کی بناء پر رومال چرا تاہے۔“ حمید نے انہیں کر پوچھا۔

”پہ بات اتنی اہم نہیں ہے جتنی کہ اس کی مصری آثار قدیمہ والی کتاب۔“

”بھالاں دو نوں میں کیا رہا۔“

”وہی اریط جو ایک مصری رقصہ کے رومال اور اس رومال چرانے والے میں ہو سکتا ہے۔“

”اوہ....!“ حمید اچھل کر بولا۔ ”تو آپ اتنی دور پہنچ گئے۔ میں کہتا ہوں کہ اس شہر میں

اچانک رومال بازی کیوں شروع ہو گئی۔“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر کچھ سوچنے لگا تھا۔  
”رمال کا واقعہ محض مفہوم خیزیا نشے کی جھک نہیں معلوم ہوتا۔“ فریدی بولے۔ ”اس کی  
اہمیت کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔“

”اہمیت ہو یا نہ ہو لیکن بیچارے سار جنت کی شامت ضرور ہے۔“ حمید بولا۔  
”میں جانتا ہوں“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اگر وہ عورتوں کے رمال نہ چاہتا ہو تو شائد تم  
اُس کی طرف دھیان نہ دیتے۔ ہے ناہیں بات۔“  
”حضور والاسو فیصلی بھی.... مجھے دراصل بھی چیز اتنی راتوں تک جگاتی رہی کہ آخر دہ  
صرف عورتوں ہی کے رمال کیوں چراتا ہے۔“

”لیکن تمہاری اس حماقت نے مجھے ایک راستہ دکھایا۔“ فریدی ہنس کر بولا۔  
”اور یہ بھی واضح رہے کہ اب میں اپنے فرض سے سکدوش ہو گی۔ اس راستے پر چلنے کی  
سکت مجھ میں نہیں۔“

”خیر آج رات کو کلب تک تو مجھے لے ہی چلو گے۔“ فریدی نے کہا۔  
”آگئی صیبت....!“

”کل تک صیبت نہیں تھی۔“ فریدی نے کہا۔ ”خود سے ساری رات مارے پھر وہ اگر  
میرا ساتھ ہو گیا تو جان نکلے لگتی ہے۔“

”خیر فی الحال تو بھوک لگ رہی ہے۔“ حمید نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ فریدی بھی  
برآمدے میں آگیا۔ شیو وغیرہ کرنے کے بعد ناشتہ کرنے چلا گیا۔

آفس میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملی۔ حسین کی موت بروما یہ کی زیادہ مقدار پی جانے کی  
وجہ سے واقع ہوئی تھی اور مقتول نوجوان کا معاملہ تو ظاہر تھا۔ دو بجے کے قریب جدیش نے  
فریدی کو فون پر بتایا کہ وہ نوجوان ایک آن پڑھ تھا۔ اُس کے ساتھیوں سے استفسار پر معلوم ہوا تھا  
کہ حادثے کی شام کو ایک اچھی حیثیت کا آدمی اُسے اس کے بیکان سے بلا کر لے گیا تھا۔ لیکن ”  
اُس آدمی کا حلیہ نہیں بتا سکے۔“

فریدی نے اس نئی اطلاع پر کسی تمثیل کی حرمت داظہار نہیں کیا۔ اس کا اندازہ تو اُس نے دیتے  
کے بیان ہی سے لگایا تھا کہ مقتول ایک اناڑی آدمی تھا اور خاص مقصد کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔

موت کی آندھی

اس مقدمہ کے حصول پہنچ سے اس نے قتل کر دیا گیا کہ کہیں اصل مجرم یا مجرموں کا راز فاش نہ  
ہو جائے۔ حسین کا قتل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی معلوم ہوتا تھا۔ اُسے تو دراصل اُس  
رمال نے الہمار کھاتا جس کی وجہ سے دو جانیں چلی گئیں۔ آخوندہ رمال کیسا تھا۔

فریدی دن بھر اسی گھنی کو سلیمانیہ میں مشغول رہا۔

شام کو تقریباً سات بجے وہ حمید کو لے کر گھر سے نکلا۔ نوبجے تک دونوں ادھر اور ہر گھومنے  
رہے پھر انہوں نے ہائی سر کل نائٹ کلب کا رخ کیا۔ اس کلب میں زیادہ تراویخے طبقے کے لوگ  
آتے تھے۔ ان میں سرکاری افسروں سے لے کر تاجر تک ہوا کرتے تھے۔ اس میں قانون کے وہ  
محافظ بھی آکر داد دیش دیا کرتے تھے، جو پرانی عورتوں پر ڈاکے ڈالنے کو قانون ٹھنڈی سمجھتے تھے۔  
شہر کے اوپرے گھر انوں کی عورتیں یہاں آکر رینگ رلیاں منایا کرتی تھیں۔ یہاں دنیا کا ہر نہ اکام  
ہوتا تھا لیکن قانون کی اجازت سے۔

فریدی اور حمید ایک خالی میز کے گرد بیٹھ گئے۔ ویژہ اُن کے پاس آیا۔ فریدی نے اُسے کچھ  
کھانے پینے کی چیزوں اور ٹاش کے چیزوں کا آرڈر دیا۔

تحوڑی دیر بعد وہ دونوں بیٹھے فلاں کھیل رہے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ایک جوان جوڑا

بھی آکر اُن کے کھیل میں شریک ہو گیا۔ گلاریج گھنے کیں سر بیٹھاں کا کہیں پڑھ تھا۔

فریدی کی آلاتھ بڑھتی گئی آخر کار اُس نے کھیل ختم کر دیا۔ وہ دراصل کسی طرح اُس

نوجوان جوڑے سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ کھیل کے اختتام پر وہ دونوں اٹھ کر ایک دوسری میز پر

چل گئے اور فریدی سگار لٹا کر کرسی کی پشت سے لک گیا۔ حمید اٹھ کر تمباکو نوشی کے کمرے اور

دوسرا ملحقة کروں میں چکر لگانے لگا۔ جب وہ واپس آیا تو فریدی اپنی جگہ پر نہیں تھا۔ حمید بیٹھ

کر اُس کا انتظار کرنے لگا۔

”آپ کے ساتھی کہہ گئے ہیں کہ آپ اُن کا انتظار نہ کریں۔“ ایک ویژہ نے آکر حمید سے  
کہا اور حمید جلا اٹھا۔ آخر اس کا مطلب۔ اب وہ امتحون کی طرح چپ چاپ گھر لوٹ جائے اور وہ

سوچ رہا تھا کہ کہیں ابے پیدل ہی گھرنے والیں جانا پڑے بھلا فریدی نے کار کیوں چھوڑی ہو گی۔

آخر اُس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ گھر جائے گا۔

”وہ پھر ایک میز پر جا کر فلاں میں جم گیا۔ حالانکہ وہ کبھی فلاں کھیلتا نہیں تھا لیکن وقت گزاری

کے لئے بھی کچھ ہونا چاہئے۔ آخر دھر جا کر بھی کیا کرتا۔ ادھر کچھ دنوں سے رات میں جانے تھے۔ مگر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ گلی کے انقاوم پر باروں کی چھاؤں میں اُسے صرف ایک آدمی دکھائی دیا۔ سر بیتحال لیکن اُس کا دوسرا سماں تھی۔۔۔ وہ کہاں گیا۔ سر بیتحال نے اُسے کہاں چھوڑ دیا۔ قدموں کی آواز تو ایک سینکڑ کے لئے بھی نہیں تھی تھی۔ آخر اُس نے اُسے کہاں اور کس طرح چھوڑ دی۔ حید کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ اب اُسے کیا کرنا پاپ ہے۔۔۔ لیکن وہ غیر ارادی طور پر سر بیتحال کا تعاقب کرتا ہی رہا۔ اب وہ بھر ایک سڑک پر چل رہا تھا۔ یہاں کوئی انسکی جگہ بھی نہ تھی کہ جس کے سہارے چھپ کر وہ تعاقب جاری رکھ سکتا۔ بھلی کے کھبوں کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ قصد اس سر بیتحال سے کافی فاصلے پر چل رہا تھا۔ وفتا ایک کار اس کے قریب سے گذری اور سر بیتحال کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ سر بیتحال اُس پر بیٹھ گیا اور کار پھر چل پڑی۔ سڑک پر پھر نٹا چھا گیا۔ حید چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر ابی تاریک گلی میں داخل ہو گیا جہاں سے وہ سر بیتحال اور اس کے ساتھی کا پیچھا کرتا ہوا گزر رہا۔ اُس نے جیب سے ایک چھوٹی سی تاریخ نکالی اور اس کی روشنی میں راستہ دیکھتا ہوا چلن لگا۔ ابھی اُس نے آدمی ہی گلی میں اُس کی تھی کہ وفتا اُسے رک جانا پڑا۔ اس کی تاریخ کی روشنی ایک اونڈھے پڑے ہوئے آدمی کے گرد دارہ بنا رہی تھی۔ حید بھٹکت کر اس کے قریب پہنچا۔ اُس کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔۔۔ کیا سر بیتحال نے اُسے یہاں ڈال دیا۔۔۔ وہ اُسے سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔۔۔ اور دوسرے بھی لمحے میں اُس کے منہ سے حیرت کی چیخ لکل گئی۔ یہ سر بیتحال کا ساتھی نہیں بلکہ کوئی اور انگریز تھا۔ اُس کے سر سے تازہ تازہ خون یہہ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سر میں گہری چوٹ کھانے کے بعد یہو ش ہو گیا ہو۔

حید ادھر ادھر روشنی ڈالنے لگا۔ اس علاقے میں زیادہ تر تجارت پیشہ انگریز اور پارسی رہتے تھے۔ تمام دروازے بند تھے سوائے ایک مکان کے جس کے سامنے وہ انگریز پڑا تھا۔ حید نے دروازے کے اندر روشنی ڈالی ایک جگہ سوچ بورڈ کا ہوا نظر آیا جس میں تھنٹی لگی ہوئی تھی۔ حید نے اندر جا کر تھنٹی کا بین دیا اور اندر کھینچ دو رکھنی بختے کی آواز سنائی دی۔ حید کو تقریباً پندرہ منٹ تک کھڑے ہو کر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کئی پار کھنٹی بجانی پڑی۔۔۔ اور پھر قدموں کی آہٹ سنائی دی اندر کے کمرے میں کسی نے بھلی جائی اور دروازہ کھلا حید کے سامنے دروازے میں ایک متوسط عمر کی انگریز عورت شب خوابی کا لبادہ پہنچنے کھڑی تھی۔

عادت بھی پڑ گئی تھی۔

تقریباً بادہ بجے سر بیتحال کلب میں داخل ہو۔ اُس نے سیاہ رنگ کا سوت پہن رکھا تھا اور پر نیلی فلٹ بیٹھ تھی۔ سر بیتحال متوسط قد کا ایک توی الجثہ آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس سے در میان رہی ہو گی۔ اُس کے ساتھ ایک انگریز اور پاس کھڑے ہوئے ویٹر سے کچھ کہنے لگا۔ جس سنبھل کر پیٹھے گیا۔۔۔ چند لمحوں کے بعد ویرا ایک کشتی میں شراب کی بوتل اور گلاس لے کر آیا۔ دنوں نے گلاس بھرے اور انہیں ہونے والے تین بار مکرانے کے بعد ہونٹوں سے لگالیا۔

دونوں شراب پیتے رہے۔ آہٹہ آہٹہ وہ کچھ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔ بوتل خالی ہو جانے کے بعد سر بیتحال نے کاٹ مٹر پر جا کر قیمت ادا کی اور پھر دونوں بوتل کھڑا ہوئے باہر جانے کے لئے آگے بڑھے اس دوران میں حید اپنی میز سے اٹھ کر دوسرا طرف جا پکھا تھا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلے وہ سائے کی طرح ان کے پیچے گیا۔

حید سمجھا تھا کہ شاید وہ کار لائے ہوں گے لیکن اس کا خیال غلط تھا کیونکہ وہ بیدل جا رہے تھے۔ سر بیتحال کے ساتھی کی حالت نئی کی وجہ سے دگر گوں ہو رہی تھی۔ سر بیتحال نے اُس سہارا دے رکھا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید اس کا ساتھی ایک قدم بھی آگے نہ چل سکتا۔ اُس ساتھی کچھ عجیب شکل و صورت کا آدمی تھا۔ وہ تھا تو انگریز لیکن اس کی ڈاڑھی بالکل ہندوستان سادھوں کی جیسی تھی۔ کھنی اور بد وضع جیسے اُس پر کبھی قیچی نہ چلی ہو۔ حید کے لئے اُس کی ڈاڑھی خاص طور پر معتمد ہی ہوئی تھی۔ اُس نے بیتھے انگریزوں کو ڈاڑھی رکھے ہوئے دیکھا۔ لیکن اُس میں سے کوئی بھی ڈاڑھی کی طرف سے اتنا لاپرواہ نہیں نظر آیا تھا۔

حید ان کا تعاقب کر رہا تھا جب تک وہ لوگ شارع عام پر پڑتے رہے حید کو دیکھوں کا سامنا کرتا پڑا کیونکہ سڑک کے کنارے لگے ہوئے بھلی کے کھبے اُسے بہت زیادہ محتاط رہنے پر بھروسہ کر رہے تھے۔ اچانک اُن لوگوں نے سڑک چھوڑی اور بائیں طرف مڑ گئے۔ یہ ایک پتلی آٹاریک گلی تھی۔ دور ویہ اوپنی اوپنی عمارتیں تھیں۔ یہاں اتنی تاریکی تھی کہ آگے جانے والے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ حید صرف قدموں کی چاپ سن رہا تھا۔ وہ قدموں کی آہٹ ایک متوسط عمر کی انگریز عورت شب خوابی کا لبادہ پہنچنے کھڑی تھی۔

”کیا بات ہے۔“ اُس نے ایک ہندوستانی کو اتنی رات گئے اپنے سامنے کھرا دیکھ کر جیرہ پولیں کو دینا ضروری نہیں سمجھتی۔“

”تمہیں اس سے کیا۔“ وہ تیز لمحے میں بولی۔ پھر دفتہ سنجھل کر کہنے لگی۔ ”میرا دماغ اس وقت تھیک نہیں مجھے تم سے اپنے لمحے میں گفتگونہ کرنی چاہئے.... میں پولیں کو اس کی اطلاع دینا اس لئے غیر ضروری سمجھتی ہوں کہ...!“

”ہاں ہاں کہو...!“ حمید بولا۔

”ہو سکتا ہے کہ یہ اندر ہرے میں ٹھوک کھا کر گرپڑا ہو اور سر میں چوت لگنے کی وجہ سے بیہو شی آگئی ہو۔“ عورت بولی۔

”چوت سر کے پچھلے حصے میں لگی ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”اور میں نے اسے زمین پر اونڈھا پڑا ہوا پیا تھا۔ لہذا اگر گرنے کی وجہ سے چوت آئی ہے تو اسے پیشانی یا سر کے اگلے حصے پر ہونا چاہئے تھا۔“ ”تم عجیب آدمی ہو۔“ عورت جھنمطا کر بولی۔ ”تمہیں ان سب باتوں سے کیا مطلب...!“ ”تھا...!“ حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”شاید تم اس سے طلاق لینے کا کوئی معمول بہانا نہیں پیدا کر سکیں۔“

”کیا مطلب...!“ عورت جھ کر بولی۔

”یورپ کی عورتیں... خصوصاً انگریز... جب اپنے شوہروں سے عاجز آجائی ہیں تو کسی وجہ سے طلاق نہ لے سکنے کی بنا پر اکثر انہیں قتل ہی کر دیتی ہیں۔“ حمید نے پر سکون لمحے میں کہا۔

”تمت بکو۔“ عورت بے ساختہ جھنچی۔ ”میں تمہیں گولی مار دوں گی۔“

”اس طرح تم دوسرا جرم کر دوگی۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”کوو...!“ عورت جھلاہٹ میں سر پیٹھے گلی۔ پھر تیزی سے بولی۔ ”یہاں سے چلے جاؤ۔“

”میں تمہارے شوہر کی بیہو شی کی معمول وجد جانے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتا۔“

”نکلو...!“ وہ حمید پر جھنچی۔ ”فوراً نکلو یہاں سے۔“

”وہ حمید کو دھکیلتی ہوئی دروازے تک لائی۔“

”اک سے کام نہیں چلے گا۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ ”میں پولیں کا آدمی ہوں۔“

”پولیں...!“ وہ چوک کر پیچھے ہٹی۔ لیکن پھر سنجھل کر بولی۔ ”مگر میں اسے ضروری نہیں سمجھتی۔“ عورت گھبرائے ہوئے لمحے میں بولی۔

”تمہارے مکان کے سامنے ایک زخمی آدمی بیچو ش پڑا ہے۔“ حمید نے اس سے کہا۔ ”تو میں کیا کروں۔“ وہ جھلا کر بولی۔

”بات یہ ہے کہ وہ بھی ایک انگریز معلوم ہوتا ہے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ ”اوہ... کہاں...!“ وہ آگے بڑھ کر جیرت سے بولی۔

”حمد نے تاریخ کی روشنی بیچو ش آدمی پر ڈالی اور عورت جیچ پڑی۔“ ”اوہ... ٹھوی... یہ اسے کیا ہوا۔“ وہ اس پر جھنچی۔

”کیا تم اسے پیچا نہیں ہو۔“ حمید نے پوچھا۔

”پیچا نہیں کیا...!“ عورت جیچ کر بولی۔ ”یہ میرا شوہر ہے... مگر یہ یہاں کہاں۔“ ”کیوں؟ کیا اسے کہیں اور ہونا چاہئے تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”تھا...!“ میری مدد کرو...!“ ہم اسے اندر لے جائیں گے۔“ عورت نے ملتجانہ انداز میں حمید سے کہا۔

”دونوں اسے اٹھا کر اندر لے آئے۔“ حمید نے اسے صوفے پر ڈال دیا۔

”عورت اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگی۔“

”تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“ حمید نے پوچھا۔

”میں بہت پریشان ہوں۔“ عورت بولی۔ ”فی الحال کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتی۔“

”تمہارا بہت شکریہ کہ تم نے مجھے جگانے اور اسے یہاں لانے کی تکلیف گوارا کی۔“ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اب وہاں حمید کی موجودگی پسند نہیں کرتی۔

”مادام مجھے افسوس ہے کہ میں اس کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائے بغیر واپس نہیں جا سکتا۔“ حمید نے کہا۔

”کیوں...!“ وہ تیز لمحے میں بولی۔

”کیوں نکل کر اس قسم کے واقعات کی اطلاع پولیں کو دینا میر افرض ہے۔“

”مگر میں اسے ضروری نہیں سمجھتی۔“ عورت گھبرائے ہوئے لمحے میں بولی۔

یہ دونوں سترست اور قد آور تھے۔ ان میں سے ایک کوئی ملٹری آفیسر معلوم ہوتا تھا۔ وہ اتنی رات گئے تک اپنی فوجی درودی ہی میں تھا۔ اُس نے دوسرے آدمی کی طرف گھور کر دیکھا اور وہ کرے سے چلا گیا۔

”بیوی نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔“ اس نے بیوشاں انگریز کی طرف اشارہ کر کے عورت سے کہا۔ ”میں سب کچھ کر لوں گی تم جاسکتے ہو۔“ عورت نے پیزاری سے کہا۔ ”خیر میں جا رہا ہوں۔“ حمید دروازے کی طرف مرتا ہوا بولا۔ ”لیکن پولیس تمہیں پریشان کرے گی۔“

”تمہیں یہ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔“ ملٹری آفیسر بولا۔ ”لیکن وہ آدمی کہاں گیا؟“ عورت نے کہا۔

”اسے اسکے کرے تک پہنچانا ہے۔ میں اکیلے نہ لے جاسکوں گی۔“ حمید مسکرا کر آگے بڑھا۔ ”نکل گیا۔“ ملٹری آفیسر نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ تم سے ہمدردی جتا کر کچھ روپیہ دوںوں نے اُسے پھر اخليا اور ایک چھوٹے سے کرے میں لے آئے۔ یہ کرہ اوپری منزل ایٹھنا چاہتا تھا۔ ”اُس نے تو کہا تھا کہ وہ پولیس کا آدمی ہے۔“

”تم نہیں ظہروں... میں برائی لے کر آتی ہوں۔“ عورت نے کہا اور کرے سے چلی گئی۔ ”تم ان مشرقیوں کو نہیں جانتیں۔“ ملٹری آفیسر نے کہا۔ ”مگر... مگر... بیوی کو زخمی حمید ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ دفتہ ایک خیال اُس کے ذہن میں پیدا ہوا اور اُس کے جسم میں کس نے کیا۔“

”تم آخر باتے کیوں نہیں۔“ عورت بولی۔ ”یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ ”تم کس نہیں کھسنا ہے توڑ گئی۔ جسم کے سارے روئیں کھڑے ہوتے معلوم ہوئے وہ اٹھ کر تیزی سے کھڑکی سے سننا ہٹ دوڑ گئی۔“ کے قریب آیا۔ دوسرا طرف چھا تھا۔ وہ پھر مرا اس طرف جانا خطرے سے خالی نہیں۔ ”تم اُن باتوں سے کوئی غرض نہ ہونی چاہئے۔“ ملٹری آفیسر نے کہا۔ ”کیوں نہ ہونی چاہئے۔“ عورت جلا کر بولی۔ ”تم لوگ کوئی خطرناک کام کر رہے ہو۔“ ”اوہ تم غلط سمجھیں۔“ ملٹری آفیسر نرم لمحے میں بولا۔ ”تم جانتی ہو کہ یہاں کے کئی دیسی سماں کے چاروں طرف چادر لٹک رہی تھی۔“

”تاجر ٹھوکی کے دشمن ہو رہے ہیں۔“ ”نکل گیا...!“ کوئی مرد بولا۔ ”اپنالباس کیوں نہیں تبدیل کیا۔“ اور تم لوگ اس وقت تک کیوں جاگ رہے ہو۔ تم نے ”اوہ... میں نیچے کا دروازہ کھلا چھوڑ آئی تھی۔“ ”وہ ضرور کوئی چور تھا۔“ مرداں طرح چیز کر بولا جیسے آس پاس کے کروں تک اپنی آوار عورت ایک سانس میں سب کچھ کہہ گئی۔

”تم بھی بعض اوقات بہت مشکلہ نیز ہو جاتی ہو۔“ ملٹری آفیسر نہ کر بولا۔ ”ماں میں ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔“ عورت تیز لمحے میں بولی۔ ”نیچے کا دروازہ بند کر آؤ۔“ دوسرا مرد بولا۔

اضافہ کر رہے ہو.... تم نہیں دیکھتے کہ میرے شوہر کی کیسی حالت ہے۔“ ”میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”لیکن دکرنے کا بھی طریقہ ہے۔“ عورت تیزی سے بولی۔

”برائی...!“ حمید گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔ ”اُسے تھوڑی برائی دو۔“

”میں سب کچھ کر لوں گی تم جاسکتے ہو۔“ عورت نے پیزاری سے کہا۔

”خیر میں جا رہا ہوں۔“ حمید دروازے کی طرف مرتا ہوا بولا۔ ”لیکن پولیس تمہیں پریشان کرے گی۔“

”ظہروں!“ عورت نے کہا۔

”حمدکار کراس کی طرف مڑا۔“

”اسے اسکے کرے تک پہنچانا ہے۔ میں اکیلے نہ لے جاسکوں گی۔“ حمید مسکرا کر آگے بڑھا۔

”دوںوں نے اُسے پھر اخليا اور ایک چھوٹے سے کرے میں لے آئے۔ یہ کرہ اوپری منزل ایٹھنا چاہتا تھا۔“

”اُس نے تو کہا تھا کہ وہ پولیس کا آدمی ہے۔“

”تم نہیں ظہروں... میں برائی لے کر آتی ہوں۔“ عورت نے کہا اور کرے سے چلی گئی۔

”میں سب کچھ کر لوں گی۔“ عورت کی آواز سنائی دی۔

”نکل گیا...!“ کوئی مرد بولا۔

”اوہ... میں نیچے کا دروازہ کھلا چھوڑ آئی تھی۔“

”وہ ضرور کوئی چور تھا۔“ مرداں طرح چیز کر بولا جیسے آس پاس کے کروں تک اپنی آوار

عورت ایک سانس میں سب کچھ کہہ گئی۔

”پہنچانا چاہتا ہو۔“

”نیچے کا دروازہ بند کر آؤ۔“ دوسرا مرد بولا۔

”ہمیں بھوی کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔“ یہ باتیں پھر ہوتی رہیں گی۔ ملٹری آفیسر نے منہ پھیک نہیں۔“

”تم مجھے آفس میں لے چلو۔“ بھوی نے ملٹری آفیسر کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر اپنی بیوی سے

بولا۔ ”تم تھیں تھیو۔“

”آخر یہ سب کیا ہے۔“ عورت اکتا کر بولی۔

”تمہیں اس سے غرض نہیں۔“ بھوی تیز بجھ میں بولا۔

اور پھر وہ تینوں کمرے سے باہر چلے گئے۔ عورت سکیاں لے لے کر روری تھی۔

حمدید مسہری کے نیچے پڑا سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ بیان سے نکل جائیں گا

”سرو ہے تھے۔“ عورت طنزیہ انداز میں اُس کی بات کاٹ کر بولی۔ ”تمہیں صحیح میدان جنگ

میں جاتا ہے تا اس لئے تم وردی پہن کر سوئے تھے۔... اور اتنی احتیاط سے لیئے تھے کہ کپڑوں میں اچھی طرح اندازہ لگایا تھا کہ وہ کوئی ایسا کام کر رہے ہیں جو قانون کی نظر وہ میں جرم ہے۔

اُبھی حمید یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ملٹری آفیسر نے کمرے میں آکر عورت سے کہا۔

”بھوی تمہیں آفس میں بلارہا ہے۔“

عورت اٹھ کر اُس کے ساتھ چلی گئی۔

حمدید نے اندازہ لگایا کہ وہ ابھی جلد ہی اس کمرے میں واپس نہ آئیں گے۔ کیونکہ شائد وہ

بھوی کی بیوی کو اپنی عجیب و غریب حرکات کا اتنا سیدھا مطلب سمجھا کر اُسے مطمئن کرنے کی

کوشش کریں گے۔ وہ مسہری کے نیچے سے نکلا اور میز پر رکھا ہوا تکلی کالیپس بجھادیا۔ پھر وہ سوچنے

لگا کہ اگر نیچے روشنی ہوئی تو اس کا کپڑا جانا ضروری ہے۔ معلوم نہیں وہ کرہ کدھر ہو جئے وہ لوگ

آفس کہ رہے تھے۔ حید چند لمحے کھڑا رہا پھر اُس نے جیب سے ایک اکنی تکالی لیپ سے بلب نکالا

اور ہولڈر میں اکنی رکھی پھر اس پر سے بلب لگا کر سوچ آف کر دیا۔ پوری عمارت تاریک ہو گئی۔

حمدید کمرے سے نکل کر تیزی سے زینے کی طرف بڑھا۔...

”ٹانک فیوز اڑ گیا۔“ کسی نے کہا اور حمید دوسرا لمحے گلی میں تھا۔

## گونگا بولتا ہے

مردی بہت شدت سے پڑ رہی تھی۔ حید گلی سے نکل کر سیدھا ہائی سر کل ناٹ کلب کی

کر کہا اور مسہری کے قریب آگیا۔

انتہے میں وہ دوسرا آدمی بھی آگیا، جو دروازہ بند کرنے لگا تھا۔

”میں نے مکان کا کونا کونا دیکھ دیا۔“ اُس نے کہا۔

”برانڈی لاو۔“ ملٹری آفیسر بولا جو بھوی کے اوپر جھکا ہوا تھا۔

”میں پوچھتی ہوں آخر یہ سب ہے کیا۔“ عورت مضطربانہ انداز میں بولی۔

”بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔“ ملٹری آفیسر جھکا کر بولا۔ ”میں تو اپنے کمرے ...!“

”سور ہے تھے۔“ عورت طنزیہ انداز میں اُس کی بات کاٹ کر بولی۔ ”تمہیں صحیح میدان جنگ

میں جاتا ہے تا اس لئے تم وردی پہن کر سوئے تھے۔... اور اتنی احتیاط سے لیئے تھے کہ کپڑوں میں ایک شکن بھی نہیں دکھائی دیتی۔“

ملٹری آفیسر بھی پڑا۔

”تم لوگوں نے میرا دماغ خراب کر دیا۔“ عورت جھلا کر بولی۔ ”ایک گھنٹہ گزر گیا لیکن ابھی نکلے۔

اسے ہوش نہیں آیا۔ معلوم نہیں باہر کتی دیر تک بیویوں پڑا رہا۔ کسی ڈاکٹر کو کیوں نہیں لاتے۔“

تحوڑی دیر بعد بھوی کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اسے ہوش آگیلہ عورت نے کچھ بولنا چاہا

لیکن ملٹری آفیسر نے اشارے سے منع کر دیا۔

”میں کہاں ہوں۔“ بھوی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”اپنے کمرے میں۔“ عورت جلدی سے بولی۔ ”تم گلی میں بیویوں پرے تھے۔“ بھوی کہا

سوچنے لگا پھر اُس نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا۔

”تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔“ عورت آگے بڑھ کر بولی۔

”فون...!“ بھوی جلدی سے بولا۔ ”مجھے فون کرتا ہے مجھے آفس میں لے چلو۔“

”کیا پولیس کو...!“ عورت نے پوچھا۔

”نہیں...!“ بھوی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”تم اس وقت کہاں گئے تھے؟“ عورت بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

”پھر وہی...!“ ملٹری آفیسر نے کہا۔ ”یہ پھر پوچھ لینا۔ بھوی کی دماغی حالت اس وہ

حید ناشت کرنے کے بعد پاپ پیتا ہوا میلی فون کے قریب آیا۔ فریدی کسی کتاب کے مطالعے میں غرق تھا۔ حید ریسیور اٹھا کر بولنے لگا۔ ”بیلو... کو تو انی... ذرا جگدیش...“ میں حید بول رہا ہوں... کل رات یا آج صبح کسی اگر بڑنے کوئی روپورت تو نہیں درج کرائی... لوگ نظر آرہے تھے جو بہت لمبا کھیل کھیلتے تھے یا پھر وہ جواب پر پچھلے خارے پورے کر رہے اودہ... کیا نام بتایا تم نے را شریوی ہاں... ہاں... کیا... بہت خوب... اچھا شکریہ... نہیں کوئی خاص بات نہیں... شام کو آرہے ہو... اچھا...!“ حید نے ریسیور کو دیا۔

اس دوران میں فریدی اُسے گھور گھور کر دیکھتا رہا۔

”کوئی بُنی حماقت...؟“ فریدی نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر پوچھا۔

”جی ہاں میری توہر حرکت حماقت ہے۔“ حید نے کہا۔ ”میں ایک نئے معاملے کی تحقیقات

”بہت اچھے!“

”تو گویا آپ مذاق سمجھتے ہیں۔“

”جی نہیں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ سر بتحال کا تعاقب کرتے کرتے ایک

”دوسرے معاملے میں ناگز اڑا میٹھے۔“

”جی...!“ حید نے چوک کر کہا۔ ”آپ کو گیا معلوم۔“

”خیر اسے چھوڑو۔ اس مکان کا نمبر کیا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ کو معلوم کیسے ہو۔“

”کوئاں چھوڑ جو میں پوچھتا ہوں اس کا جواب دو۔“ فریدی نے کہا۔

”۱۲۳۴ ملے اسٹریٹ...!“

”کم کچھ اور بھی کہنا چاہتے ہو۔“ فریدی حید کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”کہو...!“

”کچھ نہیں...!“

”میں اکر نئے معاملے کے متعلق جانا چاہتا ہوں جس کی تم تحقیقات کر رہے ہو۔“

”آپ کو شاید نہیں معلوم کہ میں نے اپنا طریقہ کار بدل دیا ہے۔“ حید نے فریدی کے لمحے

کی نقل کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا ہی۔“

طرف ہو لیا۔ اس نے گھری دیکھی تین بُنے رہے تھے۔ کلب پہنچنے پہنچنے سے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے جسم کے کھلے ہوئے حصے بالکل سن ہو گئے ہوں۔

کلب میں اب کچھ بے رونقی سی آگئی تھی۔ زیادہ تر لوگ جا پکے تھے کچھ میزوں پر صرف وہی حید بول رہا ہوں... کل رات یا آج صبح کسی اگر بڑنے کوئی روپورت تو نہیں درج کرائی... لوگ نظر آرہے تھے جو بہت لمبا کھیل کھیلتے تھے یا پھر وہ جواب پر پچھلے خارے پورے کر رہے اودہ... کیا نام بتایا تم نے را شریوی ہاں... ہاں... کیا... بہت خوب... اچھا شکریہ... نہیں کوئی خاص بات نہیں... شام کو آرہے ہو... اچھا...!“ حید نے ریسیور کو دیا۔

اُس کا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا... وہ لوگ کون تھے اور ان کا نئے اسرا رودی... کیا اس کا

تعلق کسی اہم واقعے سے ہو سکتا ہے اور پھر اچاک اُسے سر بتحال یاد آگیا۔ آخر اس کا ساٹھی کہاں گیا۔ اُسے سہی نکل گئی یا آسان۔ اس گلی میں کوئی اور راستہ بھی تو نہیں تھا۔

کافی ختم کر پکنے کے بعد اس نے سوچا کہ اب گھر چلا چاہئے۔ اس وقت تیکی توٹنے سے کر رہا ہوں۔“

”رہی۔ پیدل ہی جانپڑے گا اور یہ خون نجمد کر دینے والی سردی...“ اس نے اپنے اور کوٹ کے کارکھرے کئے اور فلک ہیٹ کا گوشہ چڑے پر جھکاتا ہوا کلب سے نکل آیا۔... گھر پہنچنے پہنچنے ساز ہے چارچ گئے۔ فریدی کے سونے کے کمرے میں اندر ہرا تھا۔ شاید وہ سورہا تھا یا وہاں تھا ہی نہیں۔ نیند سے حید کی آنکھیں بو جمل ہو رہی تھیں۔ وہ سیدھا اپنے کمرے میں آیا اور کپڑے اتار کر مسہری میں گھس گیا۔

اور پھر اُسی وقت اس کی آنکھ کھلی جب فریدی نے اُسے جھبھوڑ جھبھوڑ کر جگایا۔ ”ارے صاحب کون سی آفت آگئی۔“ وہ لمحے سے منہ نکال کر میز پر رکھی ہوئی نائم پیس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”اچھی تو نو ہی بجے ہیں۔“

اُس نے پھر منہ اندر کر لیا اور فریدی نے لمحہ کھینچ کر الگ ڈال دیا۔

”لا ہول ولا قوۃ...!“ حید اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”تم کہاں تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جہاں سے ابھی آپ نے اٹھایا ہے۔“

”میں پوچھتا ہوں رات تم کہاں رہے۔“

”اُس کیلئے مجھے سوچتا پڑے گا۔“ حید نے کہا اور کمرے سے نکل کر غسل خانے میں چلا گیا۔

فریدی لا بھری ری کی طرف گھوم گیا وہ خلالات میں ڈوبا ہوا تھا۔

”جی ہاں...!

رکے ہوتے تو میں کہتا کہ اس نے وہیں لپیں اُسے ڈال دیا ہو گایا کسی کے حوالے کر دیا ہو گا۔ ” اور واپسی میں تم نے ٹیکوں کو گلی میں پڑا دیکھا۔ ” فریدی نے کہا۔

”خبر جانے دو مجھے کیا...!“ فریدی نے سجدگی سے کہا۔ ”شاید تم ابھی فون پر جگد لیش سے باشیں کر رہے تھے۔ کیا جگد لیش نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ میوی کے یہاں ایک بد معاش بھی گھر گیا تھا، جو بعد میں ان کے یہاں کی لائٹ فیوز کر کے نکل جا گا.... اور اس کا حلیہ.... اُس نے حلیہ بھی درج کر دیا ہے.... میری رائے تو یہ ہے کہ تم اُس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلتا جب تک تمہارے چمے رکافی گھنی ڈاڑھی نہ نکل آئے۔“

حمد خاموشی سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ اُس کی حالت اس وقت کی ایسے بچے کی سی ہو رہی تھی جسے کسی غلطی پر ٹوک دیا گیا ہو۔

”تھپارا طریقہ کارروائی بہت دلچسپ ہے۔“ فریدی ہنس کر بولا۔

حمد نے کوئی جواب دنے کی بجائے جھینپ کر ایک کتاب اٹھا لی۔

”مال اس کہے چلو۔“ فرمادی نے کہا۔ ”میں سے نہیں کہتا کہ تم نے غلطی کی۔“

جنہیں لمحوا ایک اچھکھا بھائی کے بعد محمد نے رات کے سارے واقعہات درج کر دیے۔

”لیکن آپ کو اس کا علم کیسے ہو۔“ حمید نے پوچھا۔  
”کچھ میں سلسلہ ہے۔“ انتہا تا لقا اتی۔ تم نے اس کا باتلاع حاصل کیا۔

۱۰- ته صیغه مختصر ک متعلقه فر کاتا "فرمای نکار

”پہلے سے آپ کچھ جانتے تھے وہ کس طرح آپ کو معلوم ہوا۔“ حمید نے مفطر بانہ اگدا

یں پوچھا۔

اے جنگل کا پھر بیوی میری دل کا سارا بیوی

میں لوئی وردی پہن رہ سویا ہا اور اس پر بیوی کی بیوی اور بیرتی۔

”بس یہیں سے میرے شلوٹ اور زیادہ بڑھ لئے ہے۔“ حمید نے لہا۔

”بہر حال“ فریدی پچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اس سے تم س میجے پر پہنچے ہو۔

”سبکھ میں بھیں آتا کہ کس نتیجے پر پہنچوں۔ میں سر بیٹھاں اور اُس کے

کا تعاقب کر رہا تھا۔ دونوں ایک گلی میں داخل ہوئے تھیں دونوں کے قدموں

جب سر بتحال گلی کے دوسرے سرے پر پہنچا تو وہ بالکل تھا تھا۔ اگر ایک سیک

ر کے ہوتے تو میں کہتا کہ اس نے وہیں اُسے ڈال دیا ہو گایا کسی کے حوالے کر دیا ہو گا۔ ” اور واپسی میں تم نے ٹیکوی کو گلی میں پڑا دیکھا۔ ” فریدی نے کہا۔ ” اور اسی لئے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کی ٹیکوی ہی سر بعثمال کے ساتھ تھا۔ اُس کی سادھوں جیسی ڈاڑھی سے میں نے پہلے ہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ نقلی ہے۔ ” ” اچھا تو تم یہ سمجھ رہے ہو کہ سر بعثمال نے اُسے شراب پلائی اور گلی میں لے جا کر اُس کی ڈاڑھی نوچ لی پھر زخمی کر کے وہیں ڈال دیا۔ ” فریدی مسکرا کر بولا۔

”پھر اس کے علاوہ اور سمجھا ہی کیا جاسکتا ہے۔“

”فرض کرو اگر ایسا ہی ہے تو تم اس حرکت کو کیا معنی پہناؤ گے؟“  
محمد خاموش ہو گا۔ وہ سورج رہا تھا۔

”ظاہر یہ حرکت قطعی بے معنی معلوم ہوتی ہے۔“ ہمید نے کہا۔

”مگر یہ کہ میں غیب داں نہیں ہوں۔“ محمد جھلا کر بولا۔

”خیر...! فریبی اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں سمجھتا ہوں...!“

خوبی ایر بعد و دونوں تہے خانے کی سیڑھیاں طے کر رہے تھے۔  
ور پھر وہ لمحے بھی عجیب تھا جب حید کے منز میں سے حرثت کی چیز نکل آگئی۔

سر بچھال کا عجیب الخلق ساتھی۔ فریدی کے تہہ خانے میں بیٹھا تھا۔

”کہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔“ فریدی نے اس سے اگر یہی میں کہا۔ ”تمہیں اس رو چیز کی وجہ سے کم ہیں۔“ فریدی کا جواب تھا۔

نیڈ اس کے چہرے پر فریدی کے الفاظ کا رد عمل دیکھ رہا تھا..... سر عبھال کا ساتھی اس

میرے خیال سے یہ گونگا ہے۔ ”فریدی نے حید کی طرف مڑ کر انگریزی میں کہا۔

سماہیں۔ حمید بولا۔

”وہ میرے مر جم باپ کا دوست اور میرا ہمدرد ہے۔“  
 ”میادہ حسینہ کو پہچانتا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔  
 ”نہیں....!“  
 ”اور تمہیں....!“  
 ”ہاں وہ مجھے پہچانتا ہے.... لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اسے بھی ختم کر دو۔“  
 ”تم اس شہر میں کب آئے ہو۔“  
 ”کل دوپہر کو۔“  
 ”سر بتحال سے تمہاری ملاقات کس طرح ہوئی۔“  
 ”میں اسی کے ہاں ٹھہر اتھا۔“  
 ”تمہیں کل ہی حسینہ کے قتل کے متعلق معلوم ہو گیا تھا۔“  
 ”ہاں....!“  
 ”تو پہر تم نے اپنے متعلق پولیس کو کیوں اطلاع نہیں دی۔“  
 ”تمہیں ان سب باتوں سے کیا مطلب....!“ وہ جھلا کر بولا۔  
 ”مطلوب یہ ہے کہ میں بھاں کے ملکہ سر آفرسانی کا اشکنیر ہوں۔“  
 سر بتحال کا ساتھی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔  
 ”تمہارا نام....؟“ فریدی نے پوچھا۔  
 ”فیصل.... محمد فیصل....!“  
 ”تم نے ایک بہت بڑا جرم کیا ہے۔“ فریدی نے کہا۔  
 ”میں نے....؟“ وہ محیر ان انداز میں بولا۔  
 ”ہاں تم نے.... تمہیں اپنے متعلق پولیس کو ضرور مطلع کرنا چاہئے تھا۔“  
 ”مجھے سر بتحال نے روک دیا تھا۔“  
 ”کیوں....؟“  
 ”اُسے ڈر تھا کہ کہیں میں بھی نہ قتل کر دیا جاؤں۔“  
 ”آخر اس ڈر کی وجہ....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”ٹھہرو! میں اس کی ڈاڑھی الگ کے دیتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور آگے بڑھ کر اُس کے قریب بیٹھ گیا اور حمید کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر فریدی نے ایسی گز چھیڑ دی جس کا ان معاملات سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ آخر اس فریدی کا کیا مطلب ہے۔  
 ”ارے خدا غارت کرے۔“ سر بتحال کے ساتھی نے یک چھل کر عربی زبان میں کہ حمید گھبرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا اور فریدی نے قہقہہ لگایا۔  
 ”تو کیا تم انگریزی زبان بالکل نہیں جانتے۔“ فریدی نے عربی میں پوچھا۔  
 ”جانتا ہوں۔“ وہ جھلا کر بولا۔  
 ”بہر حال تمہاری مادری زبان عربی معلوم ہوتی ہے۔“  
 ”ہاں میں حسینہ کا بھائی ہوں۔“ وہ جھی کر بولا۔ ”جس طرح تم لوگوں نے اسے قتل کیا مجھے بھی مارڈا لو.... میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتا۔“  
 حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ آخر یہ یہ گونگا بول کیے پڑا۔ وہ عربی زبان سے ناوارہ تھا لیکن اتنا ضرور سمجھ گیا تھا کہ سر بتحال کا ساتھی اور فریدی عربی میں گفتگو کر رہے ہیں۔  
 ”اوہ تو تم حسینہ کے بھائی ہو۔“ فریدی نے کہا۔  
 ”ہاں ہاں.... لیکن اب دیر کس بات کی ہے۔ مجھے بھی قتل کر دو۔“ اس نے جواب دا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں.... ہم تمہیں قتل کرنے کے لئے نہیں لائے۔“  
 ”پھر مجھے بھاں تھے خانے میں کیوں رکھا گیا ہے۔“  
 ”کل رات تم کس کے ساتھ تھے اور تم نے بھیں کیوں بدلتا رکھا تھا۔“ فریدی نے اس سوال کو نظر انداز کر کے پوچھا۔  
 ”اور بھیں بدلتے کے باوجود بھی میں نہ پہنچ سکا۔“  
 ”تم قطعی پنج گئے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”لیکن سر بتحال کو ایک مصری دیپسی ہو سکتی ہے۔“

”اور وہ رومال...!“ فریدی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”میں اُس رومال کو بھول جاتا چاہتا ہوں۔“

”لیکن یہ نہ بھولو کر تمہیں ان تینوں کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لئے زندہ رہنا ہے۔“

”انتقام...!“ وہ حضرت آمیز بجھے میں بولا۔ ”کسی ان دیکھی قوت سے انتقام نہیں لیا جاسکتا۔ سر بیٹھاں کا خیال ہے کہ یہ کسی آدمی کا کام ہے لیکن میں اسے ماننے کیلئے تیار نہیں۔“

”آخر کیوں...؟“

”میرے باپ کی نہ اسرار موت۔“

”لیکن تمہارا بھائی تو کسی کی گولی سے ہلاک ہوا۔ تمہاری بہن کو کسی نے تختیر مارا۔“ فریدی

نے کہا۔

”یہ سب اُسی رومال کی خوبست ہے۔“ وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”یقیناً وہ رومال آسیب زدہ ہے اس کا تعلق کسی خبیث روح سے ہے۔“

”لیکن وہ رومال تمہاری بہن تک کیسے پہنچا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”میں اُس دوران میں وہاں موجود نہیں تھا۔ بھائی اور باپ دونوں کی موت کی اطلاع مجھے ایک ساتھ ملی۔ جب میں قاہرہ وہ اپنی آیا تو میرے ماموں نے مجھے سب حالات بتائے اپنی موت سے ایک روز قبل میرے بھائی نے وہ رومال حسینہ کو دے کر احتیاط سے رکھنے کی ہدایت کی تھی اور

”میرے بھائی کی موت کے بعد حسینہ پر اسرار طور پر غائب ہو گئی۔ میں اسے ڈھونڈتا رہا۔“ مجھے اطلاع میں وہ تمہارے ملک میں آئی ہے۔ میں برابر اسے ڈھونڈتا رہا اور پھر جب وہاں پہنچتا تو اخبار میں اس کی تصویر دیکھی اور موت کی خبر۔ کاش میں بھی۔ اتنا کہہ کروہ خاموش ہو گیا۔“

”سر بیٹھاں سے تم پہلی بار کب اور کہاں ملے تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”باپ اور بھائی کی موت کے بعد وہ ہمارے بیہاں آیا تھا۔“

”حسینہ اُس وقت موجود تھی...؟“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں وہ لاپتہ ہو چکی تھی۔“

”تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ سر بیٹھاں نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔“

”مجھے یقین ہے کہ وہ اُسے نہیں پہنچا تھا۔“

”اس لئے کہ اب اپنے خاندان میں صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

”نیزے علاوہ میرے خاندان کا ایک فرد قتل کیا جا چکا ہے۔“

”آخر کیوں...؟ کوئی وجہ...؟“

”وجہ تو مجھے بھی آج تک نہیں معلوم ہو سکی۔ پہلے میرا باب قتل ہوا۔ پھر برا بھائی، پھر بھر اور شاید اب میری باری ہے۔“

”میں اُس رومال کے بارے میں جانتا چاہتا ہوں جس کے لئے تمہاری بہن قتل کی گئی۔“

”اوہ وہ منہوس رومال...!“

”ہاں ہاں کہو۔“

”وہ رومال میرے باپ نے اپنے قتل سے ایک روز قبل میرے بڑے بھائی کو دیا تھا۔“

”آخر وہ رومال تھا کیسا...!“

”معمولی جیسے کہ سب رومال ہوتے ہیں۔“

”تمہارے باپ کے قاتلوں کا کچھ پڑھ چلا تھا۔“

”نہیں.... لیکن میرا خیال ہے کہ وہ کسی آدمی کا کام نہیں تھا۔“

”یعنی...!“

”یہ کام اُن سے کئی ہزار گنی طاقت والے کا تھا۔“

”میں پھر نہیں سمجھا۔“ فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”اب میں کس طرح بتاؤ۔“ وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ابس اسی طرح سمجھ لو کہ اگر تم

”نہیں منی چڑیا کی ٹانگیں پکڑو کر زور آزمائی کرو تو اس کا کیا حشر ہو گا۔“

”اوہ....!“ فریدی کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ ”تم قاہرہ کے فوجی سراغ رسالا

”فضل کے لڑکے تو نہیں ہو۔“

”ہاں میں اُسی مظلوم باپ کا بیٹا ہوں۔“ وہ گلوگیر آواز میں بولا۔

”شاید اب سے تین سال قتل ہمیں اس دردناک قتل کی اطلاع ملی تھی۔“ فریدی نے کہا

”اور پھر ٹھیک اسی کے تیرے دن میرے بھائی کو کسی نے گوئی کا نشانہ بنا دیا۔“

”میں نے بتایا کہ وہ میرے باپ کا دوست ہے۔“  
 ”لیکن تمہارے پاس اس کے لئے کوئی دلیل نہیں۔“ فریدی نے کہا۔  
 ”پھر بھلا خواہ مخواہ اُسے خود کو ان کا دوست ظاہر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔“  
 ”ممکن ہے کہ اُس رومال کو حاصل کرنے کے لئے اُس نے ایسا کیا ہو۔“ فریدی نے کہا۔  
 فضیل کچھ سوچنے لگا۔  
 ”یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا....!“ وہ تھوڑی دیر بعد اکٹائے ہوئے لہجے میں بولا۔  
 ”بہر حال یہ تو مجھے دیکھنا ہے۔“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔“

حید اور فریدی تہہ خانے سے واپس آگئے۔

## حید کا قبیل

”یکاں دہ گونگا بول کیسے پڑا تھا۔“ حید نے فریدی سے پوچھا۔  
 ”میں نے اس کے پن چھادا یا تھا۔“ فریدی نے جواب دیا۔  
 ”کمال کیا آپ نے.... اگر آپ ایمان کرتے تو شاید وہ گونگا ہی بنا رہتا۔“  
 ”شاید آپ لوگ عربی میں گفتگو کر رہے تھے۔“  
 ”اور اگر تم اس گفتگو کا حصل سن لو تو اچھل ہی پڑو گے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔  
 ”کچھ بتائیے بھی تو....!“ حید بے صبری سے بولا۔  
 فریدی نے منفرد الفاظ میں اُسے اپنی اور فضیل کی گفتگو کا مطلب بتایا۔  
 ”تو یا کیا واقع آپ کو کسی خاص راستے کی طرف لے جائے گا۔“ حید نے پوچھا۔  
 ”راستے کی طرف نہیں البتہ یہ پگڈنڈی کی طرف اشارہ ضرور کرتا ہے.... اور وہ پگڈنڈی ایک تیردار جگل کی طرف جاتی ہے جہاں پہنچ کر راستے کا تین خود ہمیں کرنا پڑے گا۔“  
 ”غائب آپ کا اشارہ سر بھاول کی طرف ہے۔“ حید نے کہا۔  
 ”تمہارا خیال درست ہے۔“ فریدی نے سوچنے ہوئے کہا۔

”سر بھاول کے سامنے کبھی اُس رومال کا تذکرہ بھی آیا تھا....؟“ فریدی نے پوچھا۔  
 ”کل کے علاوہ کبھی نہیں۔“

”کیا تمہیں اپنے حافظے پر بھروسہ ہے۔“  
 ”قطعی....!“

”تمہیں اس بات پر کس طرح یقین آگیا تھا کہ سر بھاول تمہارے باپ کا دوست تھا۔“  
 ”مجھے یہ سر بھاول ہی کی زبانی معلوم ہوا تھا۔“

”کبھی تمہارے باپ نے بھی اس کا تذکرہ کیا تھا۔“  
 ”کبھی نہیں۔“

”ہوں....!“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”لیکن میں کس طرح یقین کرلوں ....“ وہ جملہ اور چھوڑ کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں تجھے ایک سرکاری جاؤں ہوں اور تمہاری بیجن کے قتل کے سلطے میں تحقیقات کر رہا ہوں اور تمہاری حفاظت بھی میرے ذمے آپزی ہے۔“  
 فضیل خاموشی سے زمین کی طرف دیکھنے لگا۔

”مجھے یہاں کب تک رہنا پڑے گا۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد فریدی سے پوچھا۔

”زیادہ دن نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ میں جلد ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا۔“

”تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموشی چھا گئی۔“ حید کے چہرے سے اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔

”سر بھاول نے کل رات تمہیں اتنی زیادہ کیوں پلا دی تھی۔“ فریدی نے اچانک پوچھا۔

”یہ میں نہیں جانتا۔“ فضیل نے کہا۔

”تمہارا بھیس اُسی نے بدلا تھا۔“

”ہاں....!“

”میا تمہیں سر بھاول پر اعتماد ہے۔“

”ہاں....!“

”آخر اُس کی وجہ....!“

علی فضیل کا قتل کسی ایسی جگہ ہوا تھا جس کے متعلق مقامی باشندوں کا خیال ہے کہ کر دیا۔ ”جید نے کہا۔  
بدارواح کا مکن ہے۔ محمد فضیل کا بیان بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے.... مجھے اس مقام کا، ”نہیں میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔“ جید نے آتنا کر کہا۔ ”آپ یہ بتائیے کہ وہ آپ کے ہاتھ  
نہیں یاد رہا لیکن اتنا یاد ہے کہ یہ واقعہ مصر کے کسی ساحتی دہی کی علاقے میں پیش آیا تھا.... تم کیسے لگ گیا۔“

سر بیٹھا۔ ... اس کی شخصیت کا اس واقعے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے.... تم نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ”بہت ہی حرث انگیز طریقے پر....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”رات میں کلب سے اٹھ کر  
دنوں تک فیشن اسپل نوجوان عورتوں کے رومال چڑا تارہا۔ اس سے اس حقیقت پر دشمنی پڑتی۔ سر بیٹھا کی طرف نکل گیا تھا۔ میرا رادہ تھا کہ میں سر بیٹھا کے بیٹھے میں گھس کر اس کی تلاشی  
کر وہ حسینہ کو نہیں پہنچانا تھا۔“  
لوں کو دفعتاً مجھے سر بیٹھا اور فضیل بیٹھے سے نکلتے ہوئے دکھائی دیے۔ میں نے ارادہ ترک  
فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ بولا۔  
”سر بیٹھا محمد فضیل کو بھی ٹھکانے لگا دیا چاہتا تھا.... لیکن آخر کیوں .... وہ رومال کے بھانپ گیا کہ وہ مصنوعی ڈاڑھی لگائے ہوئے ہے۔ میں نے سوچا کہ ان کا تعاقب کرنا چاہئے اور  
میں کلب تک ان کے ساتھ گیا۔ تم نے مجھے نہیں دیکھا۔ میں صدر دروازے کے قریب رکھے  
ہے جس کے لئے تین قتل ہو گئے۔“

”ارے ہو گا کوئی خزانے دزانے کا چکر.... اور پھر مصر تو بڑا نہ اسرا مر ملک ہے.... کیا آپ ہوئے بڑے گدھان کی اوٹ میں بیٹھ گیا تھا.... اور پھر جب تم ان کا تعاقب کر رہے تھے میں تم  
وہ پیٹھی کی مورتی بھول گئے۔“ جید نے کہا۔  
”مصر قطعی نہ اسرار نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”بعض انگریزوں کی پیارہ ذہنیت نے اُنکے اور مجھے ٹھوی سے الجھا پڑا۔... سر بیٹھا چلتے وقت فضیل کو اُن کے حوالے کر کے خود آگئے  
ہے اسرار بنا دیا ہے۔ ہم لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ انگریزوں میں ضعیف الاعتقاد نہیں ہیں۔  
حالانکہ پیتا لیں فصدقی انگریز اپنے ضعیف الاعقاد واقع ہوئے ہیں کہ اُن سے ہماری نایابی دادیاں بھی پناہ مانگ جائیں۔“

”بہر حال یہ کوئی ایسا ہی معاملہ ہے۔“ جید نے کہا۔  
”لیکن تمہیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ علی فضیل ایک فوبی جاسوس تھا اور دوسری جنگ عظیم میں اس نے اطالویوں کے کئی مورچے تراوادیے تھے۔“

”اُن سے کیا ہوتا ہے۔“ جید نے کہا۔ ”کیا وہ کسی خزانے کے چکر میں نہیں پڑ سکتا۔“  
”ویکھو میسوی صدی کے لوگ اتنے احقن نہیں ہوتے۔“ فریدی نے کہا۔  
”تو پھر آپ کیوں سر جارج کے ساتھ کچار کے جنگلوں تک دوڑتے چلے گئے تھے۔“  
”محض اُس مورتی کا راز جانتے کے لئے مجھے خزانے کی توقیت پہلے ہی سے نہیں تھی۔“  
”تو پھر اس طرح سمجھ بیٹھئے کہ اُس رومال کا راز جانتے کے لئے کسی نے تین آدمیوں کو قتل

"اچھا... خیریت تو ہے۔"

"کچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں نی آگئی تھی۔

فریدی جیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ آج سے پہلے بھی اُس نے حمید کو اس مروڑ نہیں دیکھا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ یہ بھی اس کی کوئی نی مکاری ہے اور اُسے کئی نئی شرارت سزا ہے۔ لیکن پھر اُس نے اپنا خیال بدل دیا۔

حمدی قطعی سمجھدے تھا۔

"آخر بات کیا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں....!" حمید بیزاری سے بولا۔

"کم دنوں کو....!"

"کیا آپ کو نہیں معلوم کہ شہزاد آج کل ایک کیپٹن کے ساتھ دیکھی جائی ہے۔" بسور کر بولا۔

"اوہ بڑی خوشی ہوئی۔ خدا اس کیپٹن کی مغفرت کرنے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ میرا مسکھہ ازار ہے ہیں۔" حمید بگز کر بولا۔

"تم وہ کیپٹن تو نہیں۔"

"آپ کو مجھ سے ہمدردی ہوئی چاہئے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تم ایک بہت بڑے دبال سے فیگئے۔" فریدی نے کہا۔

"خدا کی قسم میں دنوں سے سمجھ لوں گا۔"

"بیکار باشیں مت کرو۔" فریدی نے کہا۔ "تمہیں صرف ایک عورت چاہئے خواہ اس کا شہزاد ہو خواہ کچھ اور۔"

"نہیں اب مجھے کوئی عورت نہ چاہئے۔" حمید بھنا کر بولا۔

"الحمد للہ....!"

"اسی لئے میں اس کیس میں دلچسپی لے رہا ہوں۔" حمید بولا۔ "اب میں.... اب میں۔"

"ٹھہر دے.... ٹھہر دے.... میرے دیو داں۔ کہیں کوئی بڑی کی قسم نہ کھائیں ہتا۔!" فریدی

نے کہا۔ "آخر وہ کیپٹن ہے کون۔"

"کیپٹن خاور....!"

"کیپٹن خاور....!" فریدی اچھل کر بولا۔ "وہی تو نہیں جو مومن اسٹریٹ میں رہتا ہے۔"

"وہی.... وہی....!"

"اوه....!" فریدی نے کہا اور اس کی پلکیں بھیخ گئیں اور پھر وہ میز پر ایک زور دار گھونسہ مار کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھایا۔

"یلو.... ہاں میں بول رہا ہوں.... فریدی.... ہاں.... کیا کہا۔.... اوہ.... ٹھوی

چہاں جاتا ہے اُسے جانے دو.... لیکن تم ان دونوں پر کڑی نظر رکھنا.... بہت اچھا....!"

فریدی ریسیور کر کر حمید کی طرف مرا۔

"لو بھئی ان دونوں میں سے ایک تو خود بخود مصیبت میں پھنس گیا۔" فریدی نے کہا۔

"ایم مطلب!" حمید چونک کر بولا۔

"کیپٹن خاور....!"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔" حمید مصطفیٰ بانہ انداز میں بولا۔

"کیپٹن خاور ایک انگریز ملٹری آفیسر کے ساتھ ٹھوی کے مکان سے نکلا دیکھا گیا ہے۔ میں

اس سے پہلے بھی دو ایک بار اُسے سر بیتحال کے ساتھ دیکھ چکا ہوں.... کیپٹن خاور اور شہزاد اور

حمدی.... حمید اور فریدی.... خدا کی قسم سر بیتحال نے برا بھی ایک جاں بچایا ہے۔"

"تو آپ کا یہ مطلب ہے کہ سر بیتحال نے ہم لوگوں پر نظر رکھنے کے لئے یہ جاں چلی

ہے۔" حمید نے میساختہ کہا۔

"میں یہی سمجھنے پر مجبور ہوں۔ اُس نے اس داروں سے پہلے ہی ہم لوگوں کا انظام کر لیا ہے۔"

حمدی کچھ سوچنے لگا۔

"شہزاد کو تم خاور کے ساتھ کب سے دیکھ رہے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"دو تین دن سے۔" حمید نے کہا۔ "وہ دونوں کل رات بھی ہائی سر کل کلب میں آئے تھے۔"

شہزاد نے شائد مجھے نہیں دیکھا تھا یا پھر نظر انداز کر گئی تھی۔"

"کیا سر بیتحال حسینہ کے قتل اور دمائل کے حصول کے علاوہ بھی کوئی اور حرکت کر نیوالا تھا۔"

جید کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ گیا۔ لیکن اس کے انداز میں تاکواری کا شاہر تک نہ تھا۔

## تہسے خانے میں دھماکہ

جید کے جانے کے بعد فریدی نے فون پر کسی کو کچھ بدلیات دیں اور کپڑے پہن کر باہر چلا۔ گیا اس کی کابر شہر کی بار و نق سڑکوں پر دوڑتی پھر رہی تھی اور خود وہ خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کار آفس کی طرف گھادا۔

ابھی وہ اپنی میز پر بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ پرنسپلٹ کے چراہی نے صاحب کا "سلام دیا"

فریدی اس کے کمرے میں بچلا پرنسپلٹ کچھ مفظوب سانظر آ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے

"محض یہ مارک کرتا کہ میرا خیال کہاں تک صحیح ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور ہاں خود سے ہی اس نے اسے بیٹھنے کا شارة کیا۔

"تمہارے استشنا کی وجہ سے ملکے کی بڑی بدنامی ہو رہی ہے۔" پرنسپلٹ نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"وہ بھوی کے مکان میں کیوں گساتھا۔"

"میں نے بھیجا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آخر کیوں۔" پرنسپلٹ جھنگلا کر بولا۔

"دکشاہوٹل کے حادثات کے سلسلے میں میرا یہ ایک طریق کا رہا۔"

"لیکن ابھی وہ کیس باضابطہ طور پر ہمارے پاس نہیں آیا۔"

"ایک نہ ایک دن تو سے آنا ہی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ سول پولیس کے بس کا

روگ نہیں۔"

"تو تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ اس کی تفتیش کا کام تمہارے ہی سپرد کیا جائے گا۔"

"اس لئے کہ عموماً یہاں کا یہی روانج ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ یہاں تمہارے علاوہ اور سب گدھے ہیں۔" پرنسپلٹ جھنگلا کر بولا۔

فریدی نے ایک تیر نظر پرنسپلٹ پر ڈالی اور دوسرا طرف دیکھنے لگا۔

"دوسرا جا رج تمہارے استشنا کے خلاف یہ ہے کہ وہ شیر کی شریف لڑکوں کو پریشان

"کیوں....؟"

"اگر اس نے خاور کو حسینہ کے قتل سے پہلے ہی شہناز کے پیچے لگادیا تھا تو اس کا یہی مطلب ہوا کہ وہ حسینہ کو پیچا ساتھا۔"

"اور اگر ایسا تھا تو وہ پھر اوروں کے رو مال کیوں چ راتا رہا۔"

فریدی بھر ناموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ جید سے بولا۔

"تم آج شہناز سے ملو۔"

"میں ہرگز نہ ملوں گا۔"

"یا پھوٹ کی سی باتیں کر رہے ہو..... میرا خیال شاذ و نادر ہی غلط نکلتا ہے۔"

"میں اس سے مل کر کروں گا کیا۔"

"محض یہ مارک کرتا کہ میرا خیال کہاں تک صحیح ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور ہاں خود سے ہی اس نے اسے بیٹھنے کا شارة کیا۔

نہ ظاہر ہونے دیتا کہ تم خاور کو اس کے ساتھ دلکھ چکے ہو۔"

"لیکن کیا وہ حقیقتاً ہمیں دھوکا دے گی۔" جید نے بے تابی سے کہا۔

"نہ انتہ طور پر وہ ہمیں ضرور دھوکا دے سکتی ہے۔"

"یعنی....!"

"تمہارے ذریعہ۔"

"کہنے کا مطلب یہ کہ شہناز کو کسی اہم معاملے کے متعلق کچھ نہ بتانا۔" فریدی نے کہا

"ہو سکتا ہے کہ وہ باقی ہی باقی میں کچھ اگل دے۔"

"میں نے کبھی اس سے کوئی ایسی بات نہیں کی۔" جید نے کہا۔ "اور اب تو اس کا کوئی سوال

ہی نہیں رہ گیا۔"

"خبر یہ ایک بچھی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تم اس وقت تک کام کے آدمی نہیں ہوئے

جب تک کہ جنی بچارگی میں بتانا ہو جاؤ۔ اگر شہناز اسی نہیں بھی ہے تو تم یہ سوچ کر

عادت ڈالو کہ وہ تمہیں دھوکا دے رہی ہے۔ اس طرح تم ایک قسم کی جھلابت میں بتانا ہو جاؤ

گے۔ اور یہ جھلابت تمہیں خطر پسندی کی طرف لے جائے گی۔ پھر جہاں تم اس حد تک

پہنچ... سارا کام بن جائے گا... کیا سمجھے۔"

کرتا ہے۔

”بھی....!“ فریدی نے چوک کر کہا۔

”اُم بھی ایک آدمی نے فون پر اس کی شکایت کی ہے۔“

”کون ہے وہ....!“ فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”کیپٹن خاور....!“ پرنشٹن نے کہا وہ بہت غصے میں تھا۔ ”اس نے بتایا کہ حیدر اگر مغیرت.... کیا نام ہے اس کا.... میں نام بھول گیا۔“

”شہزاد....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”ہاں ہاں تو تمہیں اس کا علم ہے۔“ پرنشٹن نے تیز لمحے میں کہا۔

”جی ہاں....!“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن آپ ذرا اپنے لمحے میں زمی پیدا کرنے کی کوشش کیجئے.... وہ کچھ دن پہلے حید کی بھی مغیرت رہ چکی ہے۔“

”میں یہ سب نہیں جانتا۔“ پرنشٹن بگز کر بولا۔ ”لیکن میں اپنے مجھے کی بدنی کا برداشت کر سکتا۔“

”تو اس سلسلے آپ پھر کیا کریں گے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

پرنشٹن جو ابھی حال میں یہاں آیا تھا فریدی کے اس انداز گفتگو پر چڑھا گیا۔

”تم یہ بھی نہیں جانتے کہ آفیسروں سے کس طرح بات کی جاتی ہے۔“

”میں اچھی طرح جانتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”میں تمہاری روپورٹ کروں گا۔“

”بہتر ہے.... آپ کے اوپر والے مجھے آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔“ فریدی نے کہا کمرے سے نکل آیا۔

فریدی اپنی میز پر آکر فاٹکوں کی دیکھ بھال میں مشغول ہو گیا۔ چڑھے آفیسر کی گفتگو اس کی طبیعت بد مرہ ہو گئی تھی۔ وہ ان چیزوں کا عادی نہیں تھا۔

جس مجھے کا انپکٹر جزل تک اس کی عزت کرتا ہوا اس کے پرنشٹن کی بھلا اس کی نظر میں کیا واقعہ ہو سکتی تھی۔

تقریباً دھکنے کے بعد ڈی۔ آئی۔ جی کا اردوی اس کی میز کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔

ڈی۔ آئی۔ جی نے اسے اپنے کمرے میں طلب کیا تھا۔  
اور ڈی۔ آئی۔ جی نے حسب سابق اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔  
”مشتری فریدی میرا خیال ہے کہ آج کل کچھ زیادہ مصروف نہیں ہو۔“  
”آپ کا خیال درست ہے۔“  
”بھی وہ دلکشا ہو میں والا کسی نہارے پاس آگیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی تنتیش تم کرو  
معاملہ بہت زیادہ الجھا ہوا ہے۔“  
”جیسا آپ فرمائیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”میا آپ براور است مجھے یہ کیس دے رہے ہیں۔“  
”ہاں میں نے پرنشٹن کے توسط سے دینا مناسب نہیں سمجھا۔“  
فریدی مسکرا کر خاموش ہو گیا۔  
”وکیوں بھی.... پرنشٹن کثیر یہاں نوارد ہے.... اور سوں پولیس سے اس مجھے میں آیا ہے۔  
میرا مطلب یہ ہے کہ تم خود بحمد اور تجربہ کار ہو۔“  
”مجھے کوئی شکایت نہیں....!“ فریدی نے کہا۔  
وفترکی گھری نے چار بجائے اور فریدی گھر واپس آگیا۔ حید اس کا انتقال کر رہا تھا۔  
”کہو بھی کیا خبراً لائے۔“ فریدی نے پوچھا۔  
”کیپٹن خاور خواہ جواہ اس کے گلے پڑ گیا۔“ حید نے کہا۔  
”یعنی....!“  
”کچھ دن قبل دونوں اتفاقیہ طور پر مل گئے تھے۔ تب سے خاور اس کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ وہ  
طرح طرح کے بہانے تراش کر اس سے پیچھا چھڑانا پا جاتی ہے لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔“  
”ہوں....؟“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”آثار کچھ اچھے نہیں۔“  
اور پھر اس نے اپنی اور پرنشٹن کی گفتگو کے متعلق حید کو بتایا۔  
حید تحرست سے ہنس تارہ۔  
”اس کا مطلب سمجھتے ہو۔“ فریدی نے کہا۔  
”نہیں.... میں کچھ نہیں سمجھ رکتا۔“  
”کیپٹن خاور کا بھی وہی حشر ہونے والا ہے جو لڑکی سے رومال چھیننے والے مزدور کا ہوا۔“

”یہ کیوں...!“

”کوئی اُسے یو قوف بنا کر اپنا کام نکال رہا ہے۔“

”اوہ سمجھا۔“ حید نے معنی خزار انداز میں سر ہلا کر کہا۔

”مگر تمہاری پوزیشن اس سے خطرے میں پڑ جائے گی۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں...?“

”خادر غمہ میں بدنام کرتا پھر رہا ہے۔ اگر وہ مارا گیا تو لامحالہ تمہارا نام ضرور لیا جائے گا۔“

فریدی نے کہا۔

”مگر شہزاد تو اس کی تردید کرے گی۔“ حید نے جلدی سے کہا۔

”میرا گرے بھی غائب کر دیا گیا تو۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ مت سمجھو کر مجرم و حموکے میں ہیں۔“

”قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ہماری مشغولیات کا علم ہو گیا ہے۔“

”یہ تو بہت رہا ہو۔“ حید نے کہا۔ ”ہم لوگ چوہے والیں میں پھنس گئے۔“

”ہشت...!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں ایسا نہیں سمجھتا۔“

حید نے کوئی جواب نہیں دیا وہ کسی گھری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

”واقعی میری پوزیشن خطرے میں پڑ گئی ہے۔“ حید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”کیوں نہ شہزاد کر دیں۔“

”کہیں ہٹا دیا جائے۔“

”نا ممکن...؟“ فریدی نے کہا۔ ”میں نے اپنا ایک خیال ظاہر کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ روشنی کرنے کا بھی خیال نہ رہا۔ فریدی کرسی سے اٹھا۔ وہ سونچ بورڈ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ

”جیسے کہاں تھا۔“ فریدی تفحیک آئیز انداز میں مسکرا گیا۔

”درو دیوار جھٹاٹا ہے۔“ فریدی نے جلدی سے کمرے میں روشنی کر دی اور اوہر اور درد کھینچنے لگا۔

”آپ کا خیال کبھی غلط نہیں ثابت ہوا کرتا۔“ حید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”خیر چھوڑوان باتوں کو... آج رات کو ہمیں سر بتحال کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔“

”جو کہنے وہ کیا جائے۔“ حید بولا۔

”سر بتحال کے گھر کی تلاشی لینا ضروری ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن اس نے گھر میں کوئی ایسی چیز چھوڑی ہی کیوں ہو گی۔“ حید نے کہا۔

”مجھے اس بدمال کی جستجو نہیں ہے۔“ فریدی بولا۔

”چھر...?“

”کوئی ایسی چیز جس سے میں اُسے قانونی شکنجے میں جکڑ سکوں۔“

”تو وہ بدمال کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے۔“

”بدمال...!“ فریدی نے کہا۔ ”عجیب آدمی ہو۔ کیا تم مقتولہ کار بدمال پہچانتے ہو۔“

”نہیں....!“

”پھر...!“

”میں شدید قسم کے انتشار میں بیٹھا ہوں۔“

”کیوں...!“

”ارے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔“ حید جھا کر بولا۔

”بگرو نہیں، برخوردار...!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ذہنی انتشار بلا وجہ ہے۔ میں تمہیں اتنا

کر دوں گے۔“

”مجھے اپنی پرواہ نہیں.... مگر....!“

”شہزاد...!“ فریدی تفحیک آئیز انداز میں مسکرا گیا۔

”حید خاموش ہو گیا۔“

”بایران ہی را پھیل گیا تھا۔.... یہ دونوں گفتگو میں اس درج مشغول تھے کہ انہیں کمرے میں

”کہیں ہٹا دیا جائے۔“

”نا ممکن...؟“ فریدی نے کہا۔ ”میں نے اپنا ایک خیال ظاہر کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ روشنی کرنے کا بھی خیال نہ رہا۔ فریدی کرسی سے اٹھا۔ وہ سونچ بورڈ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ

”جیسے کہاں تھا۔“ فریدی تفحیک آئیز انداز میں مسکرا گیا۔

”درو دیوار جھٹاٹا ہے۔“ فریدی نے جلدی سے کمرے میں روشنی کر دی اور اوہر اور درد کھینچنے لگا۔

”میں سر بتحال کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔“

”خیر چھوڑوان باتوں کی طرح اس کا منہ تک رہا تھا۔ برآمدے میں نوکروں کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ایک پل کے لئے فریدی سنائی میں آگیا۔ لیکن جلد ہی اس کی حالت میں عجیب و

غیر عجیب تغیری پیدا ہو گیا۔ وہ زخمی بھیڑیے کی طرح غرا کر تھے خانے کی طرف جھٹا۔ حید اس کے

پیچھے تھا۔ برآمدے میں سارے نوکر کھڑے ایک دوسرے کامنہ دیکھ رہے تھے۔ فریدی اور حید کو

اس حال میں دیکھ کر ان کی حیرت اور بڑھ گئی۔ لیکن ان میں سے کوئی اس جگہ سے ہلا نہیں۔ حید

اور فریدی تھے خانے والے کمرے میں آئے۔ فریدی نے فرش پر پھیلی ہوئی قالین اٹ دی اور

”وہر سے عالی سکھے میں چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔ تھے خانے کے ڈھکن کی درزوں سے دھوئیں کی پتلی

ہر دھنس جو اس رومال کاراز جانے کی کوشش کرے گا اس کا بھی حرث ہو گا۔ میں نے محض اس لئے تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچایا کہ تم بھی سر عتمال کے پیچے پڑے ہوئے ہو۔ اس رومال کو اپنے پاس رکھنے والے کی سزا موت ہے اور اس کاراز جانے کی کوشش کرنے والے کو بھی تھوڑی بہت سزا ضرور دی جاتی ہے۔ تمہارے لئے فی الحال بھی صدمہ کافی ہے کہ تم دھوکا کھا سکے۔ سر عتمال کو اس سے زیادہ بجلتا پڑے گا.... دیکھ لودھواں بن کر تمہارے تہہ خانے سے جارہا ہوں.... خیر تھوڑی سی ہٹری اس رومال کی بھی سن لو۔ علی فضیل نے ایک پرانے مقبرے سے وہ رومال کھو دکر نکلا تھا.... وہ زار سال پرانے مقبرے سے.... فرعون سوئم کی بیٹی لامیا کے مقبرے سے.... فرعون کی وہ بیٹی جو سانپ پالتی تھی.... فرعون کی وہ بیٹی جو زہر میلے سانپوں کے منہ میں اپنی زبان ڈال دیتی تھی.... فرعون کی وہ بیٹی جس کا سارا جسم سانپ چاٹتھ تھے.... اور جب علی فضیل نے اس کارومال کھو دکلا تو ایک بہت بڑا دھا اس کے پیچے لگ گیا اور پھر ایک دن اس نے اس طرح چیر کر پھینک دیا جیسے کوئی شریر پچ کسی شخصی سی چیز کی تائگیں نوج ڈالتا ہے.... رومال مصر قدیم کے بعض اہم ارازوں سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس کے پیچے پڑنے والے کی سزا موت ہے.... خوفناک روحلیں اس کی محافظ ہیں۔

فریدی خاموش ہو گیا۔ حید سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”غورت اور بکواس...!“ فریدی خلاء میں گھورتا ہوا بڑا بڑا۔

”میں بھی ضعیف الاعتقاد نہیں.... مگر....“ حید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”تہہ خانے سے دھواں بن کر نکل جانے والی کوئی بدرجہ تھی۔“ فریدی نے طنزیہ انداز میں حید کا جملہ پوچھ دیا۔

”پھر اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔“ حید نے کہا۔

”روحلیں فقلی ڈاڑھیاں نہیں لگاتیں.... روحلیں کسی مزدور کو سوٹ پہنا کر اسے پستول کی کانٹانہ نہیں بناتیں...!“

”مگر.... مگر.... دھواں...!“ حید ہکلایا۔

پتل لکیریں ڈھن کر کرے کی فضائی منتشر ہو رہی تھیں۔

فریدی نے حید کو کرے سے نکل جانے کا اشارہ کیا اور تہہ خانے کا ڈھکن کھول کر خود نہیں کرے سے باہر نکل آیا۔ پھر دھوئیں کا ایک منڈ ناہو ابادل دروازے کی طرف چھپنا۔ حید اس کا مطلب سمجھ چکا تھا.... اُس نے اپنا پستول نکال کر اس کی نال دروازے کی طرف گھما دی۔

”بے سود.... قطعی بے سود....!“ فریدی آہستہ سے بڑا بڑا۔ ”ہم دھوکا کھا گے....!“ تھوڑی دیر کے بعد دھواں ختم ہو گیا.... فریدی اور حید پھر کرے میں داخل ہوئے کرے میں بار و دیکھ لی بھی ہوئی تھی۔

اور پھر وہ تہہ خانے میں آئے، جو بالکل خالی تھا.... میز پر ایک کاغذ پڑا ہوا تھا۔ اس پر عرب زبان میں کچھ تحریر تھا۔ فریدی اُسے پڑھنے لگا.... اور ایک بار پھر وہ کسی زخمی درندے کی طرح پیچ دتاب کھانے لگا۔

”اچھا... اچھا... دیکھا جائے گا.... فریدی لوٹا نہیں۔“ وہ آہستہ سے بولتا۔

حید حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

”نکل گیا...!“ حید نے کہا۔

فریدی کوئی جواب دینے کے بجائے لپک کر کرے کا فرش دیکھنے لگا۔

”اوہ....!“ اسکے منہ سے بے اختیار نکلا اور پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر حید کی طرف دیکھنے لگا۔

”مجھ سے بڑا حق آج نکل نہ پیدا ہوا ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔

حید نے کوئی جواب نہ دیا وہ استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”آؤ چلیں...!“ فریدی نے کہا۔

دونوں تہہ خانے سے چلے آئے۔

”اس کا ٹنڈ پر کیا لکھا ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”فریدی پڑھ کرے سے سمجھا نے لگا....!“

”محترم سر ارغ رسال!

تم خواہ خوب نہیں آئیں... میں تو سر عتمال کو ایک شاندار سبق دینے جا رہا تھا۔

جلد بیسیم کا مطلب یہ کہ وہ ایک سوچی سمجھی ہوئی اسکیم تھی.....اوہ.....حمد.....ہم لوگ بالکل گدھے

”ایک چھوٹا سا نام بہم جو اس نے لہیں چھپا کھا تھا۔“  
 ”ہم لوگوں کی عدم موجودگی میں کسی طرح تہبہ خانے سے نکل گیا اور نام بہم ذاتا تھا گیا۔۔۔“ معلوم نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔“ حید اکتا کر بولا۔“ سر بتحال سے آپ کیپن خاور پر وقت معینہ بہم جو بندگی میں پہنچتا تھا اس لئے دھماکے کے بجائے صرزی۔۔۔“

بھلی سی گونج اور گھر گھرا ہٹ سنائی دی۔ بم زیادہ طاقتور نہیں تھا ورنہ کمرے کا فرش بیٹھ جاتا۔ ”مہر و...“ فریدی نے میلی فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”اُس نے رسیور اٹھا کر تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سر بیٹھاں کے علاوہ کوئی اور بھی اس روپاں میں دیکھیں ہی نہیں۔ داں گھماتے ہوئے کہا۔ ”اعوامی.... مصری سفارت خانہ.... شرف العزیز.... یہیں لے رہا کہ حققتاً اس روپاں پر قابض بھی ہے۔“ حیدر نے کہا۔

”یہ ایک نیا معمد پیدا ہو گیا۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن سر عیتحال کی پوزیشن میرے...“ ”اوہ... اچھا شکریہ۔“ فریدی نے ڈس کنکٹ کر کے دوبارہ نمبر طائے ”ہیلو...“ کیا شرف دہن میں صاف نہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ اس نے اسی مقصد کے تحت اس آدمی کو ٹیوی کے حوالے کیا تھا۔“ اس دوران میں کسی نے مصر جانے کے لئے ویزا کی درخواست تو نہیں دی۔“

”اور کوئی اذرا نہیں...“ میں نوٹ کرو، گا... کہا نام تھا تھا... مار... اچھا احمد...“

سے دہر دہل زبردستی حاصل کر لے۔ ”حمد بولا۔“

"یہ تو ظاہری بات ہے۔" فریدی بولا۔ "لیکن میں اس سے مطمئن نہیں۔" اور.... اور.... بہت خوب.... اچھا شکریہ.... کل ہم لوگ دلکشیاں چائے بھی پیش گے اور "اس نے کہ تمہارے بیان کے مطابق اُس رات کو سر پر بھال نے کسی کارروال غائب کھانا بھی کھائیں گے۔ بہت دنوں سے تم سے ملاقات نہیں ہوئی۔ میڈ موز بیل بڑی فیر ورز اک کیا تھا جس رات وہ رومال حسینہ سے چھینا گیا۔"

جید کچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔  
فریدی ریسیور رکھ کر مرا... اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔  
”کیا یہ ممکن نہیں۔ وہ مزدور سر بیٹھاں کا آدمی رہا ہو جو رومال چین کر بھاگا تھا اور پھر  
اور ناتم نے“ وہ جید سے بولا۔ ”سر بیٹھاں مصر جا رہا ہے۔ اس نے مصری سفارت خانے  
کی دوسرے آدمی نے ہلاک کر کے رومال اس سے حاصل کر لیا ہو.... اس طرح سر بیٹھاں میں دیڑا کے لئے درخواست دی ہے۔“

کو ششوں کے باوجود بھی محروم رہ گیا ہو۔

"ہے بھی ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر "کیوں.....؟" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "انے رفق سے اتنی محبت کرتے ہو۔"

”لیکن تمہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سر بیٹھاں ہم لوگوں سے بے خبر نہیں تھا۔“  
”مجبت نہیں بلکہ خواہ مخواہ کی پچانی سے ڈرتا ہوں۔“ حمید نے آکتا کر کھلا۔ ”کس جنگال میں  
پھنس گیا؟“

”اگر ایسا نہ ہو تو وہ اتنے موٹے شکار کو دوسروں پر چھوڑ کر خود وہاں سے چلانا چاہتا ہے۔“ ”درو، نہیں پیدا ہے تم خواہ مخواہ کیوں مرے جا رہے ہو...۔۔۔ یہ سب مجھ پر چھوڑ کر اپنے کام فری، زکار، سکھ سے ختم گا، دفعہ اُم کا آنکھوں میں ادا رہے ہوئے جوش کی جھلکیاں نہ لزاں میں لگ چاہو۔“

کام...! اب کیا کام ہے؟“

”لیکن ٹھہرو!“ اس نے حید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”میوں اس وقت وہاں کیا کر رہا تھا؟

”شہناز کو کہیں غائب کر دو۔“ فریدی نے کہا۔

”غائب کہاں کر دوں.... بیہی لا کر تھے خانے میں۔“

”جی نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”تھے خانے کار از افشاء ہو چکا ہے۔“

”پھر....!“

حمدیہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفتاری لیلی فون کی تھنٹی بھی۔ فریدی نے ریسیور اٹھایا۔

”ہیلو.... فریدی بول رہا ہے.... اوه آپ.... جی.... کیا.... ہاں ہاں.... حمید یہاں

وقت میرے پاس موجود ہے.... اوه.... تو میرا خیال تھی تکلا.... خیر خیر یہ ثابت کرتا تو میرا

ہے.... آپ مطہن رہیں.... اُس کی یا میری ملازمت پر ذرہ برابر بھی آئج نہیں آسکتی....

خیر....!

فریدی ریسیور پر کھکھ کر مڑا۔ وہ قدرے متفکر نظر آرہا تھا۔

”کون تھا....؟“ حمید نے پوچھا۔

”ہمارے سپرنٹنڈنٹ صاحب۔“ فریدی نے تلخ لبھ میں کہا۔ ”شہناز غائب ہو گئی ہے

کے خالہ زاد بھائی کیپشن خاور نے مٹکوں لوگوں میں تمہارا اور میرا نام بھی لکھا دیا ہے۔“

”مگر وہ تو کہتی تھی کہ وہ اس کا کوئی بھی نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”پولیس کو اس سے کیا غرض اُس نے پولیس کو تو اس قسم کا کوئی بیان نہیں دیا۔“

”یہ تو بہت برا ہوا....!“ حمید۔

”بہت برا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اتا نہ اک شائد اب جلد ہی تمہیں کیپشن خاور کی

تجمیروں مکفین کا انتظام کرنا پڑے گا۔“

## ایک لٹیرا

”جہنم میں گیا خاور۔“ حمید بے چینی سے بولا۔ ”شہناز کے لئے کیا کیا جائے۔“

”لگھر اؤ نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”سب ٹھیک ہو جائے گا.... سر بعثمال کو مصرب جانے

لئے اُس وقت تک ویرا نہیں مل سکتا جب تک میں نہ چاہوں۔“

”تو کیا یہ سر بعثمال ہی کی حرکت ہے۔“

”میں بھی سمجھتا ہوں۔“

”لیکن وہ تھے خانے والا۔“

”فی الحال اُسے بھول جاؤ۔“

”لیکن آخر سر بعثمال ہمیں کیوں پھسلانا چاہتا ہے۔“ حمید نے آلتا کر پوچھا۔

فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”لیکن آخر یہ پر نندھنٹ کا پٹھا ہم لوگوں کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”خیر.... اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”خیر دیکھا جائے گا۔“

”آئھن کر رہے ہیں.... چلو کھانا کھائیں۔“

کھانے کے دوران میں حمید خاموش رہا۔ فریدی بھی کچھ نہیں بولا۔

”تم اتنے خاموش کیوں ہو۔“ فریدی کھانا کھا پکنے کے بعد بولا۔

”بھی شہناز کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو.... ابھی کل ہی کی بات ہے کہ تم نے عشق سے توبہ کی تھی۔“

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

”اور یہ تو برا اچھا ہوا.... اب تم بھی کچھ ہاتھ پر سیدھے کر سکو گے.... ایک بار تم شہناز

کے لئے سر و هرڑ کی بازی لگا پکھے ہو ساں بار پھر سکی۔“

”مجھے اسکا افسوس ہے کہ میری بدولت اُسے مصیبت جھینی پڑے گی۔“ حمید بے بھی سے بولا۔

”ارے عشق میں پنے کے لو ہے ارے.... لا جوں.... لو ہے کے پنے چبانے پڑتے

ہیں.... اگر وہ تمہارے لئے اتنی سی مصیبت جھیل ہی لے جائے گی تو کیا ہو جائے گا۔“

”آپ خواہ خواہ میر امداد اڑا رہے ہیں۔“ حمید بُر امان کر بولا۔ ”آپ پر کبھی گذری ہوتی تو

معلوم ہوتا۔“

”اُف.... کیا بات کہہ دی ہے تم نے۔“ فریدی سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”اس دل پر تو اسی

گذری ہے کہ خدا دشمن کو ضرور نصیب کرے۔“

حمدیہ احتجاجاً اٹھ کر دہاں سے جانے لگا۔

”ٹھہر وو....!“ فریدی سخت لمحے میں بولا۔ ”تم بعض اوقات اتنے احمق کوں ہو جاؤ، نے بلا خود روانہ بھی بند کر دیا جس سے وہ لوگ کمرے میں داخل ہوئے تھے.... اور پھر اس نے  
نکاح کا انتظام پہلے ہی کر لیا ہے۔“

حیدر کر کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں نے کچھ آدمیوں کو اُس کے مکان کی ٹھیکانی کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ آج دفتر میں کام مطلوب....!“ اُس نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔  
”جی ہاں....!“ اُس کا انتیار تکلا۔ ”کون جبار خان۔“  
”ہم کا مطلب....!“ فریدی نے کڑے لمحے میں پوچھا۔  
”میں جانتا ہوں کہ جیل کی بھک دتاریک کو ٹھری میرا منتظر کر رہی ہے.... لیکن وہ موت  
سے بہتر ہے۔ میں اسی لئے آپ کے پاس آیا ہوں.... میں مرنا نہیں چاہتا۔“  
”آخربات کیا ہے۔“ فریدی نے بیٹھتے ہوئے نرم لمحے میں پوچھا۔  
”صرف آپ ہی مجھے اس مصیبت سے نجات دلاتے ہیں۔“

”کچھ کہو بھی....!“ حیدر کہا بولा۔  
”حیثیت کے قتل کا بھی کچھ تھوڑا بہت ذمہ دار ہوں۔“  
”کون حینے....!“ فریدی نے لاپرواں سے پوچھا۔  
”وہی جو دلکشا ہوئیں میں قتل کردی گئی تھی؟“  
”اچھا.... ہوں تو گویا تم اقبال جرم کر کے خود کو قانون کے حوالے کرنے آئے ہو.... بہتر  
یہ ہو گا کہ تم کو تو انی جا کر اپنا بیان دو.... بھلا میرے پاس آتے سے کیا فائدہ۔“  
”اس طرح تو آپ سچ مجھے موت ہی کے منہ میں دھکیل رہے ہیں۔“ جبار خان نے گھبرا  
کر کہا۔

”تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ایک ایسے آدمی کو اپنے یہاں سے صحیح و سلامت تکل جانے دوں  
گا جسے پولیس چار سال سے تلاش کر رہی ہو۔“ فریدی نے کہا۔  
”آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔“ جبار خان نے کہا۔ ”میں تو چاہتا ہوں کہ حرast میں لے  
لے گاؤں کیونکہ اسی طرح میری جان سچ کتی ہے۔“  
”اے لئے تو کہتا ہوں کہ کو تو انی چلے جاؤ۔“  
”اور اگر راستے ہی میں کسی نے مجھے ٹھکانے لگادیا تو.... ذرا تاذرا تو میں یہاں لکھ آیا  
ہوں۔“ جبار خان نے کہا۔ فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

فریدی کا ہاتھ بے اختیار اپنی کوٹ کی اس جیب میں چلا گیا جس میں پستول تھا.... عورت

پر شنڈنٹ سے گھنٹو کرنے کے بعد ہی میں نے یہ اقدام کیا تھا۔ وہ جہاں بھی لی جائی گئی ہو گئی  
اس کی اطلاع مل جائے گی۔“

”اگر اسے بھی ختم کر دیا گیا تو....!“ حیدر نے کہا۔  
”تو پھر میں تم دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دوں گا۔“ فریدی نے نیز اسی سے کہا اور اس  
کر کرے میں ٹھیٹھے لگا۔

حیدر خاموشی سے ایک طرف کر کی پر بیٹھ گیا۔  
”جاوہنا جا کر کیپشن خاور کے گریبان میں ہاتھ ڈال دو....!“ فریدی اس کی طرف مڑک  
ناخو شگوار لمحے میں بولا۔

”آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہو جاتے ہیں۔“  
فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک نو کر کرے میں داخل ہوا۔  
”ایک بر قعہ پوش عورت آپ سے ملنا چاہتی ہے۔“ اس نے کہا۔  
”بر قعہ پوش عورت....!“ فریدی چوک کر بولا۔ ”اچھا بے ڈر انگر روم میں بخواہ۔“  
نوکر چلا گیا۔

”یہ بر قعہ پوش عورت کون ہے۔“ فریدی آہستہ سے بڑا یا۔  
اس نے حیدر کو ساتھ آنے کے لئے اشارہ کیا اور ڈر انگر روم کی طرف روانہ ہو گیا۔  
ایک عورت جس نے خود کو سر سے پیر ٹک سیاہ بر قعہ میں چھپا کر تھا۔ ڈر انگر روم کی  
دروازے بند کر رہی تھی۔ فریدی اور حیدر اس کی اس حرکت پر متین ہوئے بغیر نہ رہ سکے انہوں  
نے اتنی لمبی ڈر انگر عورت آج تک نہ دیکھی تھی اور پھر آخر ڈر انگر روم کے دروازے بند کر کا  
کیا مطلب تھا۔

فریدی کا ہاتھ بے اختیار اپنی کوٹ کی اس جیب میں چلا گیا جس میں پستول تھا.... عورت

تھا۔ اُس نے مجھے ایک ایسے آدمی کو قتل کر دینے کے لئے تلاش کرنے کو کہا جسے آسانی  
بچا جائے۔ آپ جانتے ہوں گے کہ میں نے آج تک قتل وغیرہ کے معاملے میں ہاتھ  
بچا جائے۔ لیکن ان دونوں روپوں سے تنگ تھا۔ سوچا مجھے تو قتل کرنا نہیں ہے۔ لہذا میں اس پر  
نہیں لگایا لیکن ان دونوں روپوں سے تنگ تھا۔ وہ شخص ایک رومال کی خاطر قتل کی جا رہی  
راہی ہو گیا۔ اور معاملہ بھی عجیب و لچک پ تھا۔ وہ شخص ایک رومال کی خاطر قتل کی جا رہی  
تھی۔ موڑ والے نے مجھے بتایا کہ حسینہ سے رومال لینے کے بعد اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ میں  
راہی ہو گیا۔ مجھے ڈیڑھ ہزار روپے اُسی وقت مل گئے اور ایک کاغذ بھی ملا جس پر اُس قتل کے  
متعلق ساری احتیاطی تدبیریں درج تھیں۔ وہ کاغذ اس وقت بھی میرے پاس موجود ہے۔  
ہاں تو میں نے اُس سے دوسرے دن ملنے کا وعدہ کیا۔ لیکن وہ یہ سارا کام دوسرا ہی رات کو کر  
ڈالنا چاہتا تھا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ جو اُسے قتل کر کے رومال لے آئے گا اس کے لئے ایک  
ہزار روپے الگ سے دیے جائیں گے۔ میں نے دوسری ہی رات کو یہ کام سرانجام دے ڈالنے  
کا وعدہ کیا۔ میرے ذہن میں ایک آدمی تھا۔ وہی جو اسی رات کو دلکشا ہو ٹل کے باہر قتل  
کر دیا گیا۔ میں نے اُسے تیار کیا۔ وہ ایک معمولی مزدور تھا۔ میں نے موڑ والے کی اسکیم کے  
تحت اُسے نئی قسم کا سوٹ پہننا کر دلکشا ہو ٹل میں بھیج دیا۔ اور پھر جب وہ ہو ٹل سے باہر نکلا  
تو کسی نے اس کو قتل کر دیا۔

”تم اب تک کھال رہے۔“ فریدی نے پوچھا۔  
”اُسی شہر میں۔“ جبار خان بولا۔ ”نام تبدیل کر کے یتیم خانے میں ملازمت کر لیتھی  
”لیکن ایسا کیا تم پولیس کو اپنے متعلق بتانا چاہتے ہو۔“  
”مکہی بتانے کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔“  
”تو بتاؤ نا....!“ فریدی جماہی لیتا ہوا لاپرواٹ سے بولا۔  
”کئی دن ہوئے مجھے ایک لفاف بذریعہ ڈاک ملا جس میں سور و پے کا ایک نوٹ تھا۔“  
”بڑے خوش قسمت ہو تم....!“ فریدی اُس کی بات کاٹ کر بولا۔  
”جی نہیں اُسی نوٹ سے میری بد قسمی شروع ہوئی۔“ جبار خان بولا۔  
”چلو یہی کہی.... آگے کہو۔“ فریدی اکتاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔  
”اُسی نوٹ کے ساتھ ایک خط بھی تھا جس میں کسی نے مجھے بارہ بجے رات کو ایک  
سرک پر جانے کے لئے لکھا تھا۔ اُس میں یہ بھی تھا کہ مجھ سے جو کام لیا جانے والا ہے اے  
عویض مجھے تین ہزار روپے میں گے جس میں سے ڈیڑھ ہزار تو اسی وقت مل جائیں گے  
میں شر اکٹھاں جاؤں گا اور ڈیڑھ ہزار کام ہو جانے پر....!“  
”کیا وہ خط تمہارے اصلی نام سے آیا تھا۔“

”جی نہیں... لفافے پر وہی نام درج تھا جو میں نے بعد میں اختیار کیا تھا۔۔۔ سعید احمد۔۔۔“  
”ہوں....!“  
”لیا تم اس وقت وہیں موجود تھے۔۔۔“ فریدی نے پوچھا۔  
”نہیں.... میں آگے بڑھ کر ایک چائے خانے میں بینٹھ گیا تھا۔۔۔ میں نے اُسے سمجھا دیا تھا کہ  
”وہ اُس رہاں کو لے کر سیدھا وہیں آئے۔۔۔ لیکن کسی نے اُسے....!“  
”تمہیں بیتھ رہو پے تو مل گئے ہوں گے۔۔۔“  
”آج بارہ بجے رات کو ملیں گے۔۔۔“ جبار خان نے کہا۔ ”مجھے آج پھر ایک خط ملا ہے جس میں  
”بہر حال میں کافی سوچ و بچار کے بعد سر کلر روڈ پر بارہ بجے رات کو پہنچ ہی گیا۔۔۔“  
کتوں کے پاس والے پیپل کے درخت کے نیچے آنے کو لکھا گیا تھا۔۔۔ چاروں طرف تارہ کو  
چھپلی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک کار آکر وہاں رکی اور کسی نے میرا اصلی نام لے کر پکار لئا  
”وہ خط اور وہ کافغز جس پر قتل کی اسکیم لکھ کر ہوئی ہے مجھے دو۔“ فریدی نے کہا۔  
”جبار خان نے کافغزات جیب سے نکال کر فریدی کو دے دیئے۔ فریدی انکا بغور مطالعہ کرتا رہا۔۔۔“  
”تو پھر تمہاں کیوں دوڑے آئے۔“ فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"میں جانتا ہوں کہ اگر میں وہاں گیا تو صبح تک میری لاش سردی سے اکٹھا جائے گا۔"  
خان نے کہا۔

"میں...؟" فریدی نے اسے تمیز نظر دی سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اس لئے کہ وہ شخص انتہا کی رازداری سے کام لے رہا ہے.... اُس نے اُس مزدور کو قتل کروایا؟ رومال حاصل کر لینے کے بعد اسے ایسا نہ کرنا چاہئے تھا.... میں بھی اسی بساط کا عہد مہرہ ہوں جسے شہبہ سے نپنے کے لئے پڑا دیا جائے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اگر میں اس کے لائق میں وہاں دوڑا گیا تو میرا بھی وہی حشر ہو گا جو اُس مزدور کا ہوا۔ اب صرف آپ میری جان بچا سکتے ہیں۔"

"ہوں...؟" فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "تم یہ کس طرح سکتے ہو کہ تمہارا بھر حشر ہو گا۔"

"میرا دل کہہ رہا ہے۔" جبار بولا۔ "یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہم جرام پیش لوگ اس بھی رکھتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ جو لوگ شارع عام پر کسی کو گولی مار سکتے ہیں کیا وہ حسینہ کو قتل کر کے وہ رومال نہیں حاصل کر سکتے تھے۔ انہوں نے کسی مجبوری ہی کی بنا پر مجھے معااملے میں شریک کیا اور پھر محض رازداری کے خیال سے اس مزدور کو قتل کر دیا۔ تو یہ دلائل پیش کرتا دیے میرا دل کہہ رہا ہے کہ میرا بھی وہی حشر ہونا والا ہے، جو اُس مزدور کا ہوا جبار خاموش ہو کر رحم طلب نہ کروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ شخص جو تم سے سرکل روڈ پر ملا تھا کوئی انگریز تھا۔" فریدی نے پوچھا۔  
"انگریز تو کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ اردو میں گفتگو کر رہا تھا۔" جبار نے کہا۔

"بہترے انگریز اچھی ناصی اردو بولتے ہی ہیں۔" فریدی بولا۔  
"لیکن لجج۔" جبار مفطر بانہ انداز میں بولا۔ "میں نے آج تک کوئی انگریز نہیں دیکھا۔  
لہجہ ہندوستانی ہو۔"

"اوہ...؟" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔  
"میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ آپ بھی کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔" جبار نے کہا۔

"کون سا کیس...؟"

"وہی حسینہ والا...؟"

"میں اتفاقاً وہاں پہنچ گیا تھا... اور یہ رومال والا معاملہ تو کسی طرح میرے حلقوں سے نہیں اترتا۔ بھلار رومال... لا حول ولا قوہ کسی احمق کو بھی اس پر یقین نہیں آسکتا۔"

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مجھے بھی بتایا گیا تھا۔ اس کا نہ میں بھی وہی تحریر ہے.... اب اس کی وجہ میں کیا راز ہے یہ میں نہیں جانتا۔"

"تو اب تم کیا پاچا جائے ہو۔" فریدی نے کہا۔  
"کتنی بار کہوں۔" جبار جھلا کر بولا۔

"تم نے ایک بار بھی نہیں کہا۔" فریدی نے اپر والی سے کہا۔  
"میں نے یہاں آکر سخت غلطی کی۔" جبار آہستہ سے بولا۔ اس کی آنکھوں سے بے اعتباری

مزagh ہو رہی تھی۔ "میں تو سمجھا تھا کہ میری اس اطلاع پر آپ اچھل پڑیں گے۔"

"مگر تمہاری اطلاع میں کوئی اسکی بات نہیں ہے سن کر اچھلنا پڑے۔" فریدی نے کہا۔  
"تو میں نامیدہ ہو جاؤں۔"

"میں یہ بھی نہیں کہتا۔"

"پھر آخر آپ کہتے کیا ہیں۔"

"پولیس کو فون کر کے تمہیں احتیاط سے جیل بھجوادوں۔"

"تو کیا وہ مجھے جیل میں زندہ رہنے دیں گے۔"

"زندہ تو تم کہیں بھی نہیں رہ سکتے.... تمہارا مرنا اتنا ہی یقینی ہے جتنا کہ اُس آدمی کا جو تمہیں سرکل روڈ پر ملا تھا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلوب سمجھ کر تم کیا کر دے گے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر تم میں تھہرہ، مگر اس طرح نہیں جھیلیں یہاں پولیس والوں کی گرفتاری میں رہنا پڑے گا۔"

"مجھے منکور ہے۔" جبار نے کہا۔

فریدی نے رسیور رکھ کر انپلز جکد لیش کو فون کیا۔ تھوڑی دیر بعد جکد لیش دو مسلسل سپاہیوں

کیوں....؟”  
”بھی بتانا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور اپنے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔  
توڑی دیر بعد وہ سیاہ سوت میں ملبوس کمرے سے لٹلا۔... حمید نے بھی اُس کی ہدایت کے  
مطابق سیاہ سوت پہن لیا تھا۔ فریدی اپنے جیب میں پڑے ہوئے پستول کو ٹوٹا ہوا بولا۔ ”ریو اور  
بھی لیتے چلو۔“

## کار میں لاش

رات تاریک اور انتہائی سرد تھی۔ ستارے اس طرح کلپا رہتے تھے جیسے وہ برف کے طوفان  
میں پھنس کر آخری جدو جہد کر رہے ہوں۔ چاروں طرف ایک لامتاہی سناٹا چھلیا ہوا تھا۔... کبھی  
کبھی جھینگروں کی ”جھائیں جھائیں“ اچانک رک جاتی اور ایسا معلوم ہونے لگتا جیسے نائٹ کا تسلی  
ٹوٹ گیا ہو۔

سر کل روڑ پر جو شہر میں روشنی کی بوچھاؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شہر کے باہر کے ویران  
صومعہ اور کاروائی کی آغوش میں سو گئی تھی اور اس وقت قدموں کی آہیں بھی اُس کے سینے  
میں درختیں نہیں پیدا کر رہی تھیں اس کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے درخت اور کہیں کہیں  
سمنی جھائیں تھیں۔ دفتار اس کے سیاہ سینے پر روشنی کی لمبی لمبی لکریں نظر آنے لگیں اور دور کی  
کار کی ہیئت لاپتھ دکھائی دیں۔ کار تیزی سے آرہی تھی۔... پیچلے کے پرانے درخت کے قریب  
اگر اُس کی رفتار کم ہو گئی اور پھر کچھ دور چلنے کے بعد رک سی گئی لیکن نہیں نہیں روکی گئی۔ انہیں  
کی ہلکی ہلکی آواز فضائیں منتشر ہو رہی تھی۔ ہیئت لاپتھ بجھادی گئی۔... کسی نے کھڑکی سے سر  
نکال کر ہمیں کے درخت کی طرف دیکھا۔... وہاں ایک تاریک سایہ تحرک نظر آ رہا تھا۔

”جباد خان“ کار والے نے آہستہ سے آواز دی۔ ”قریب آؤ۔!“ یہ آہستہ آہستہ کار کی  
طرف بڑھنے لگا۔ ساتھ ہی کار والے کا ہاتھ جیب میں گیا۔ اُس نے پستول نکال کر اس کی نال کار  
کی کھڑکی پر رکھ دی۔ لیکن کار کی طرف بڑھنے والا سایہ شامد اس سے بے خبر تھا۔ وہ کار سے ڈیڑھ  
فٹ کے قابلے پر کھڑا ہو گا۔... کار والے نے پستول مخفوظی سے پکڑ لیا۔... لیکن دوسرا نہیں

کے ساتھ فریدی کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔  
جباد خان کو دیکھ کر وہ چوک پڑا۔  
”ہاں یہ جبار خان ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”خود کو پولیس کے حوالے کرنے آیا ہے۔“  
”اوہ....!“ جگدیش نے کہا اور جبار کو گھورنے لگا۔  
”لیکن یہ نہیں بتانا چاہتا کہ اُس نے ایسا کیوں کیا ہے۔“ فریدی نے کہا۔  
”میں انگلوں والوں گا۔“ جگدیش نے کڑے لبھ میں کہا۔  
”بھی نہیں.... داروغہ بھی صاحب.... اس کی ضرورت نہیں۔“ فریدی طنزیہ لمحہ میں  
بولا۔ ”آپ اس کے لئے محصور نہ کہجے گا۔“

”اوہ....!“ جگدیش معنی خیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔  
”آپ اُس وقت تک یہاں نہ ہبھ کر اس کی گمراہی کریں گے جب تک کہ میں واپس میں پھنس کر آخری جدو جہد کر رہے ہوں۔“ چاروں طرف ایک لامتاہی سناٹا چھلیا ہوا تھا۔... کبھی  
آجائیں۔“ فریدی نے کہا۔  
”حوالات میں کیوں نہ رکھا جائے۔“ جگدیش نے کہا۔  
”بھی میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔!“ فریدی جھمحلہ کر بولا۔  
”بہت اچھا۔... بہت اچھا۔“ جگدیش نے جلدی سے کہا۔  
”اپنے ان دونوں سپاہیوں کو بھی کمرے سے باہر نہ جانے دینا۔“  
”اچھا۔... لیکن....!“  
”لیکن کیا۔!“ فریدی اسے آنکھ مار کر بولا۔ ”میں آج رات بھر جبار خان کو اپناہی مہماں  
رکھنا چاہتا ہوں۔“

”اوہ....!“  
”باہر کسی کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائے۔“ فریدی نے سپاہیوں کی طرف دیکھ کر سایہ تحرک نظر آ رہا تھا۔  
”میری طرف سے انعام کے مستحق ہو گے۔“  
”نہیں سر کار بھلا ایسی بات ہو سکتی ہے۔“ ایک سپاہی بولا۔  
”انہیں ڈرائیک روم میں چھوڑ کر فریدی اور حمید باہر چلے آئے۔“  
”اپنا سیاہ سوت پہن لو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

لئے میں کار کی دوسری کھڑکی سے ایک ہاتھ اس کی گردن کی طرف بڑھا۔ کار والے کو اس کی توپ رگنی تھی۔ تک شے آئی۔

”شاہزاد میرے سر میں چوت آگئی ہے۔“ حمید جھینپ کر بولا۔

فریدی نے جھک کر سڑک پر سے کیپٹن خاور کا پتوں الممالیا۔  
دونوں ایک طرف چلتے گئے۔

”یا آپ نہ اپنے ہو گئے۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”مجھے خود اس کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔“

”خیر کوئی پروادہ نہیں.... اب یہ لوگ نئے نہیں سکتے۔“

ایک کار تیزی سے آن کے قریب سے گزر گئی۔

”ہمیں کار پر آتا چاہئے تھا۔“ حمید نے کہا۔

”مگر اس کار پر کون تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس نے ہیئت لائیں بھی نہیں جائی تھیں۔“

”ہو گا کوئی یہ کیا یہاں ویرانے میں چالاں کاڈ رہے۔“ حمید بولا۔

فریدی کی سوچ میں پر گیا۔

”لیکن تم کوئی نہایت نیس قسم کی کار۔“ فریدی نے کہا۔ ”ورہ برابر بھی آواز نہیں معلوم

ہوئی۔“

”وہ پھر کچھ سوچنے لگا۔

”تھید...!“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”کہیں اس کار پر اس گروہ کا سر غشہ رہا ہو... کون

جانے کہ وہ کیپٹن خاور کو ختم کر دینے کے لئے اُدھر آیا ہو۔“

”یا مطلب...!“

”کیپٹن خاور جبار کو قتل کرتا اور وہ کیپٹن خاور کو...!“

”کوئے...!“

”بہر حال اس معاملے میں بھی خاصی چوت رہی۔“ فریدی نے کہا۔ ”جابر سے کے بعد یہ

”کیوں فضول کار توں خراب کر رہے ہو۔“ فریدی جھلا کر بولا۔ ”تم سے بھی اتنا نہ...“

”میرے دانتوں میں تو درد ہو گیا ہے۔“ حمید نہ کر بولا۔

”خیر خیر جلدی چلو۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرے خیال سے ڈیڑھ نئے گئے ہوں گے۔ اب اس

”خبردار...!“ پیچے سے آواز آئی۔ ”اپنا پتوں سڑک پر گراوو۔“

کار والے کی گردن میں ٹھنڈے لوہے کا نحاسا دارہ چھین گا....

”پتوں سڑک پر گراوو...!“ پیچے سے پھر آواز آئی۔ ”اگر تم نے ذرہ برابر بھی جبکہ کھو پڑی اڑ جائے گی۔“

کار والے کا پتوں سڑک پر آگا۔ اس کے سامنے کھڑا ہوا آدمی خاموش کھڑا تھا۔

”کیپٹن خاور نیچے اتر آؤ۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”تم کون ہو۔“ کار والے نے خوفزدہ بیجھ میں پوچھا۔

”انپکٹر فریدی۔“ سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے کہا۔

”شہناز کہاں ہے۔“ پیچے سے سرجنت حمید نے پوچھا۔ اس کے پتوں کی ٹال کار والے گردن میں چبھی جا رہی تھی۔

”میں نہیں جانتا۔“ کار والے نے کہا۔

”نیچے اتر آؤ۔“ آخر فریدی نے کہا اور کار کا دروازہ کھول دیا۔

کار کے انہی کی آواز سنائی میں گونج رہی تھی۔ کار والے نے ایک بیجیا سیند ان پر رکھ دیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے ہو نیچے اتر رہا ہو۔ لیکن انہیں میں فریدی یا یہ دیکھ سکا کہ کار والے ہاتھ گیئر پر ریک رہا ہے۔ دفتار فریدی کو اپنی بنیادی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے ہاتھ بڑھا میں بند کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ کار ایک حصے کے ساتھ چل پڑی۔ سرجنت حمید دوسرے سڑک کے کنارے لڑک گیا۔ اور فریدی کھڑا ہاتھ مٹا رہا گیا۔ حمید نے پے درپا کرنے شروع کر دیئے۔ لیکن کار گولیوں کی دسٹرس سے دور جا پچکی تھی۔

”ہمیں بڑھا کر انہی بند کر دیتے۔“ فریدی جھلا کر بولا۔ ”تم سے بھی اتنا نہ...“

”ہمیں دانتوں میں تو درد ہو گیا ہے۔“ حمید نہ کر بولا۔

”میں... کیا... میں کیا...!“ حمید ہاتھ پہاڑا بولا۔

”ہاں تم کیا کر سکتے تھے۔“ فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ ”کیپٹن خاور کا نام سننے ہی شہناز کا سجاوی دینا کا ساتھواں، آٹھواں تاول (جلد نمبر 2) لاحظہ کیجھ۔

لے پہلے ہی سے تیار رہا ہو۔ کتنا مصنوعی نفسیاتی رد عمل تھا اس وقت یقیناً میں اپنی اس تمثیر پر خود ہی جھوم اٹھا تھا... لیکن آج اپنے سے زیادہ احتق کسی اور کو سمجھ ہی نہیں سکتا... اور اس کے باوجود بھی میں مٹکوک تھا۔“

”تو کیا اسی وقت آپ نے اس کا اندازہ لگایا تھا کہ وہ سر بیتحال تھا۔“ حمید نے پوچھا۔  
”ہرگز نہیں.... میں مٹکوک ضرور تھا لیکن اس وقت اس کا دہم و گمان بھی نہیں تھا کہ وہ خود سر بیتحال ہے۔“

”اور حقیقت تو یہ ہے کہ اب بھی یہ بات میرے حلق سے نہیں اترتی۔“ حمید نے کہا۔  
”خیر دیکھا جائے گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس راز سے بھی کبھی نہ کبھی پرداہ اٹھے ہی گا.... میں تم سے یہ کب کہتا ہوں کہ بے چوں و چاہر بات پر ایمان لے آیا کرو۔“

”وہ دونوں تقریباً چار بجے گھر پہنچ ڈراٹنگ روم میں مٹانا تھا...“ ”لو بھتی کوئی دوسرا چوتھ“ فریدی بول کر بولا۔ ”یہ لوگ کہاں گئے۔ کیا ان احقوں نے اُسے حوالات پہنچا دیا۔“  
”نوكروں کو جگا کر پوچھئے۔“ حمید بولا۔

”ٹھہر و....!“ فریدی فون کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ... اُس نے رسیور اٹھایا... ”ہیلو...“ کو توالی ڈیوٹی پر کون ہے.... اوہ... ڈر اجکد لش کو بلاو۔“ فریدی نے رسیور میز پر ڈال دیا اور حمید کی طرف دیکھنے لگا.... تھوڑی دیر بعد اُس نے پھر رسیور اٹھایا۔ ”ہیلو... جکد لش....“

فریدی بول رہا ہے.... کیا چوتھ.... کیسی چوتھ.... گھاس تو نہیں کھا گئے.... اے.... چہرہ خون میں ڈوبتا ہوا تھا.... تمہیں کب عقل آئے گی۔ سب بتیا ناس کر دیا تم نے.... لا حل ولا تقد.... میں نے تمہیں بلا کر غلطی کی تھی.... میں سمجھا تھا کہ تمہیں کچھ کچھ عقل آگئی ہو گی.... خیر آئندہ اختیاط بر توں گا....“ فریدی نے ایک حصکے سے زیسیور کھڑا اور بے چین سے کمرے میں ٹھلنے لگا۔ غصے سے اُس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اُس نے ایک بار رک کر میز پر ایک زور دار مکار اور پلٹ کر حمید کو گھورنے لگا۔

”کیا ہوا....!“ حمید نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔  
”ٹکست....!“ فریدی زخمی بھیزیرے کی طرح غریا۔ ”جبکہ کوہ لوگ نکال لے گئے۔“  
”نکال لے گئے؟“ حمید نے تحریر انداز میں پوچھا۔

وقت کوئی سواری بھی نہ ملے گی۔“

دونوں نے تیز تیز قدم اٹھانے شروع کر دیے۔

”آخر وہ کون تھا جو ہمارے تہہ خانے سے نکل بھاگا۔“ حمید نے کہا۔

”سر بیتحال....!“

”بھی....!“ حمید چلتے چلتے رک کر بولا۔

”چلتے رہو چلتے رہو.... یہ کوئی ایسی حرمت انگیز بات نہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”علوم نہیں آپ اس وقت کس موز میں ہیں۔“ حمید ہنس کر بولا۔ ”شاید اس ورزناکی نے آپ کے ذہن پر کوئی نہ اثر ڈالا ہے۔“

”یعنی میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں یہ نہیں کہتا.... اگر وہ سر بیتحال تھا تو شاکد وہ جس نے اُسے شراب پلائی تھی اہم زاد تھا۔“

”ہمزادوں نہیں بلکہ ہمشکل کہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں تمہیں میک اپ کر کے سر بیتحال سکتا ہوں اور خود فضیل بن سکتا ہوں.... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں فضیل کی گفتگو سے مل ہو گیا تھا.... ہرگز نہیں.... میں صرف اس بات پر مطمئن تھا کہ وہ میرے تہہ خانے سے کہیں جانہیں سکتا۔“

”لیکن آپ نے اس وقت اپنے شےبے کا انہصار نہیں کیا تھا۔“ حمید نے کہا۔

”ضروری نہیں سمجھا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ عربی ضرور بولتا تھا لیکن اس کا الجہ اہل زبان ہونے پر دلالت نہیں کرتا تھا....!“

”آخر سر بیتحال کی اس حرکت کا مطلب کیا تھا۔“

”محض یہی کہ میری توجہ اپنی طرف سے ہٹا کر یہاں سے نکل جائے.... اگر وہ اس کے حصول کے لئے کوشش کر رہا تھا تو پھر مصر جانے کے لئے ویزا کی درخواست کیوں دی؟ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ رومال اس کے پاس ہے.... شاید اسے اس بات کا علم ہے؛ کہ تم اس کی حرکت کو بغور دیکھ رہے ہو۔ لہذا اس نے ہمیں یو تو فہمانے کے لئے یہ پانچ جیزت ہوتی ہے اس کی ذہانت پر۔ میرے پن چھانے پر وہ اس طرح عربی میں چینا تھا جیسے ال

”ہاں... جگد لیش کو دھوک دیا گیا۔۔۔ لیکن اب پانی سر سے اوچا ہو چکا ہے۔“ فریدی صونے پر گر کر آنکھیں بند کر لیں۔ ”جاوہا کر سو جاؤ۔“ فریدی نے کہا۔ ”اب بھی بہت کچھ کرنا ہے۔۔۔“ ”اب نیند نہیں آئے گی۔“ حمید نے کہا۔

فریدی خاموش ہو گیا۔

”جب میں دھوکے کھارہاں تو جگد لیش کی کیا حقیقت ہے۔“ فریدی نے نہ اسامنہ بیالا۔ ”اچھا اس آتش دان میں کوئے ہی ٹوٹا دو۔“ فریدی نے کہا اور آنکھیں بند کر کے کچھ سوچنے لگا۔

”جگد لیش کا بیان ہے کہ تین بجے کے قریب تم خون میں نہائے ہوئے ڈرائیک روم میں داخل ہوئے۔“ فریدی جو صونے میں بیٹھا دنگہ رہا تھا دفتہ کھڑا ہو گیا۔

”توڑی دوڑ دھوپ کی بہت کر سکو گے۔“ فریدی نے حمید سے پوچھا۔

”اگری اس وقت....؟“ حمید اپنے چہرے پر کافی کے آثار پیدا کرتا ہوا بولا۔

”اور نہیں تو کیا ایک سال کے بعد۔“ فریدی نے کہا اور اپنا دور کوت پینٹنے لگا۔ حمید بھی طوعاً و کرہاً اٹھا۔ آج کافی تھک گیا تھا۔ تھکن کا یہ عالم تھا کہ اسے بولنے میں بھی ہاتھ نیچے گرایا۔

”تم نے اس سے کہا کہ فریدی صاحب جبار کو بلا رہے ہیں۔۔۔ تم اتنی جلدی میں تھے کہ اس کا بھی محسوس ہو رہی تھی۔“

”جگد لیش کو یہ بھی نہ بتایا کہ تم خون میں کیوں نہائے ہوئے ہو۔“

”مگر میں تو....!“ فریدی کی توقع نہیں تھی۔

”میرے ساتھ تھے۔“ فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ ”تم اتنے احتق کیوں ہو جاتے ہو۔۔۔ پھر کوئی چاٹک کو پکڑ کر ہلانے لگا۔“ میں یہ کب کہتا ہوں کہ ہوں کہ تم میرے ساتھ نہیں تھے۔۔۔ اس گروہ کا کوئی آدمی تھا رہا۔“ ”کون ہے؟“ حمید چیخا۔

”چاٹک کھولو۔۔۔!“ شکل میں آیا اور جبار کو لے اڑا۔۔۔ مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔“

”اب کیا کیا جائے۔“ حمید بے بی سے بولا۔

”سوچنا پڑے گا۔۔۔ سوچنا پڑے گا۔۔۔!“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”میں نے آج تک ایسا مجرم نہیں دیکھا جو دلیر بھی ہو کھل کر بھی سامنے نہ آتا ہو۔“

”کیوں نہ مر عتحال کو گرفتار کیا جائے۔“ حمید نے کہا۔

”کیا احقوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس کے خلاف ثبوت کہاں سے؟“ نصیبی ہے کہ آپ نے غریب خانے پر قدم رنج فرمایا۔۔۔ اندر تشریف نہ لے چلتے۔“

”میں....!“ پرمنندث نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ”میں یہ بتانے کے لئے آیا ہوں کہ کیپشن خاور۔۔۔!“ حمید اپنی مٹھیاں بھیجن کر آہستہ سے بولا۔

کیپشن خاور سر کلروڈ کے موڑ پر اپنی ٹوٹی ہوئی کار میں مردہ پایا گیا ہے... اس کی دامنی کپٹی ہے... لگی...! ”کہاں ہے۔“ پرنسپنٹ نے بگڑ کر پوچھا۔ فریدی کے طنز آمیز طرز گفتگو نے اس کا موڑ

بھاڑ دیا تھا۔

”یہ میں نہیں بتا سکت۔“ فریدی نے تلخ بجھ میں کہا۔ ”میری مصلحت اسکی اجازت نہیں دیت۔“

”میں تمہارا آفیسر ہوں“ پرنسپنٹ نے ڈانت کر کہا۔

”یہ کوئی خاص بات نہیں۔ ایک بار یورپ کا مشہور ڈاکولیونارڈ سے بھی کافی عرصے تک میرا آفیسر رہ چکا ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”تم میری توہین کر رہے ہو۔“ پرنسپنٹ گرج کر بولا۔

”آپ خواہ خود دل برداشتہ ہو رہے ہیں۔ یہ ملکہ ہی ایسا ہے... یہاں سب کچھ سہنا پڑتا ہے۔“

”کچھ نہیں یہ اوپر والوں کی غلط پالیسی کا نتیجہ ہے۔“ پرنسپنٹ جھلا کر بولا۔

”میں خدا کے علاوہ اور کسی کو اوپر والا نہیں سمجھتا۔“ فریدی نے کہا۔

”غیر چھوڑ یے ان باتوں میں... اگر کوئی حرجنہ ہو تو اس وقت میرے ہی ساتھ ناشتہ کر لیجئ۔“

”میں سورج طلوع ہونے سے قبل ناشتہ نہیں کرتا۔“ پرنسپنٹ نے کہا اور پیر پختا ہوا باہر چلا گیا۔

”یاد ہشت...!“ حمید مسکرا کر بولا۔



تحوڑی دیر بعد فریدی اور حمید بھی جائے وقوع پر پہنچ گئے۔ سر کلروڈ کے چوراہے پر ٹڑتے وقت کیپشن خاور کی کار ایک درخت سے ٹکرا کر الٹ گئی تھی... بمشکل تمام اس کی لاش اُنکے اندر سے نکال جاسکی تھی۔ دو تین سب انپکٹ اور ملکہ سر اغرسانی کا پرنسپنٹ لاش کے

”بھلا میں آپ کو ثبوت کیوں کر دے سکتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس کیس میا؛ گردکڑے تھے۔ فریدی اور حمید کے پہنچتے ہی پرنسپنٹ نے نہ اسامنہ بنایا۔

”میں نہیں سمجھتا کہ تم لوگوں کی دخل اندازی ضروری ہے۔“ پرنسپنٹ نے کہا۔

”ہوں... اچھا...!“ پرنسپنٹ نے حمید کی طرف مژ کر پوچھا۔ ”شہناز کہاں ہے۔“

”بھلا دہ بیچارہ کیا بتائے گا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”وہ بیچارہ تو اس کے لئے نہی طرح...“

”لے اور پرنسپنٹ صاحب اس میں اپنی توہین محسوس کریں۔“

”جا سوئی دنیا جلد نمبر 2 کا ناول“ فریدی اور ڈاکولڈ ملاحظہ فرمائیے۔

”اوہ...!“ حمید اچھل کر بولا۔ اس کی نظریں بے اختیار فریدی کی طرف اٹھ گئیں۔

”تو میرا خیال پر نکلا...!“ پرنسپنٹ نے کڑے بجھ میں کہا۔

”اگر آپ اپنے خیال سے مطلع فرمائیں تو اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔“ فریدی نے مکار کہا۔

”حید اس خبر کو سن کر گھبرا کیوں گیا۔“ پرنسپنٹ نے تلخ بجھ میں کہا۔

”اس لئے کہ اسے کیپشن خاور کا انجام معلوم تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”یعنی...؟“

”یہی کہ جو ایک قاتل کا انجام ہونا چاہئے۔“

”کون قاتل...!“

”کیپشن خاور...!“

”نہ جانے تم کہاں کی باتیں کر رہے ہو۔“ پرنسپنٹ جھلا کر بولا۔

”شاید آپ کو نہیں معلوم کہ وہ رومال والا کیس میرے سپر کر دیا گیا ہے۔“

”مجھے معلوم ہے۔“ پرنسپنٹ تلخ بجھ میں بولا۔

”تو پھر بس کیپشن خاور کا قتل اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے.... حمینہ سے رومال مزدورو۔“

چھینا... مزدور کو کیپشن خاور نے ختم کیا اور ہو سکتا ہے کہ وہی حمینہ کا بھی قاتل ہو... اور کیپشن خاور کو اس کے اوپر والوں نے ختم کر دیا۔

”ثبوت...!“

”بھلا میں آپ کو ثبوت کیوں کر دے سکتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس کیس میا؛ گردکڑے تھے۔ فریدی اور حمید کے پہنچتے ہی پرنسپنٹ نے نہ اسامنہ بنایا۔

”تعلق براؤ راست ڈی۔ آئی۔ جی۔ سے ہے۔“

”ہوں... اچھا...!“ پرنسپنٹ نے حمید کی طرف مژ کر پوچھا۔ ”شہناز کہاں ہے۔“

”بھلا دہ بیچارہ کیا بتائے گا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”وہ بیچارہ تو اس کے لئے نہی طرح...“

”رہا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ شہناز کہاں ہے۔“

”اور اب تم یہ دوسری چال چل رہے ہو۔“

”تو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کیپشن خاور کے قتل میں ہمارا تھا ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”چچہ ہم لوگ اتنے حق نہیں کہ کسی مردے پر گولی چلانیں۔“

”مردے پر....!“ پرنسنڈٹ چونک کر بولا۔

”تھی ہاں....!“ فریدی نے کہا۔ ”موڑا اللئے سے پہلے اس پر گولی نہیں چلانی گئی۔“

”یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو۔“

”ترخم کے گرد جبی ہوئی بارود کی کھڑڑ..... روپور کی نال اس کی کیپشن پر رکھ کر چلائی گئی

ہے.... ورنہ اتنی گہری کھڑڑ جنہی ناممکن تھی اور چلتی ہوئی کار پر اتنے قریب سے گولی چلانے کا

سوال ہی نہیں پیدا ہوتا.... زخم سے خون بھی نہیں لکلا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لاش

مشنڈی ہو جانے کے بعد اس پر گولی چلانی گئی۔“

”بڑی پیاری دلیل چیز کی ہے تم نے۔“ پرنسنڈٹ طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔

”خیر... خیر.... پوست مارٹ کی روپورٹ بھی آجانے دیجئے۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن تم یہ بتاؤ کہ کیپشن خاور کا تعاقب کیوں کر رہے تھے۔“ پرنسنڈٹ نے پوچھا۔

”محکم افسوس ہے کہ میں اس پر کوئی روشنی نہ ڈال سکوں گا۔“

”اوہ تو مجھے تمہارے خلاف تحقیقات کرانی پڑے گی۔“ پرنسنڈٹ نے کہا۔

”شوق سے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”لیکن کم از کم یہاں تو مجھے کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو

”تم اس جرم کو اپنی مصنوعی دلیری کے پردے میں نہیں چھپا سکتے۔ تم لوگوں کے

کیپشن خاور کی روپورٹ معلوم کر سکے۔“

”مسٹر فریدی تم بہت مغدور ہو گئے ہو۔“

”اپ کا خیال درست نہیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”خیر دیکھا جائے گا۔“ پرنسنڈٹ نے کہا اور اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے چل دیا۔

”تو آئیے حیدر صاحب۔“ فریدی اٹھی ہوئی کار کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

”آج ہم نے اگر ذرا سی بھی تلقیندی کا ثبوت دیا ہوتا تو ہمیں جرم ثابت کر دینے میں ذرہ

برابر بھی تکلیف نہ ہوتی۔.... یہ دیکھو اس پینڈل پر میری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں اور

”یعنی یہ کہ ہمیں اپنے راستے نے تھوڑی دیر کیلئے ہنادینے کو مجرموں نے یہ چال پلی۔“

”دوسری طرف کی کھڑکی پر یقیناً تمہاری انگلیوں کے بھی نشانات ہوں گے۔“

لیکن یہ واقعہ سول پولیس والوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیپشن خاور گولی لگنے کی وجہ میں ایک اکارا لئے کی وجہ سے۔ پرنسنڈٹ نے اپنے خیال کا انٹہار شروع کیا۔ اس نے فریدی اور پر ایک اچھتی ہوئی سی نگاہ ڈالی اور کہنے لگا۔ ”جس وقت یہ یہاں کار موڑ رہا تھا کسی نے اس پر چلائی اور کار درخت سے مکرا کر اٹ گئی۔“

فریدی کے ہونٹوں پر طریقہ مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

”تھوڑی دیر بعد سول پولیس والے لاش وہاں سے اٹھا لے گئے.... پرنسنڈٹ وہیں رہ گیا۔“

”اب فرمائے آپ لوگ....!“ پرنسنڈٹ طنزیہ لمحے میں بولا۔

”میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”بھلا آپ لوگ کیوں متفق ہونے لگے۔“ پرنسنڈٹ معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔

”آپ غلط لاسوں پر سوچ رہے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”مسٹر فریدی خود کو عقل مند سمجھنے والا عموماً یوں قوف ہوتا ہے۔“

”میں بہت عرصے سے یہی سوچ رہا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”رات تم دونوں کہاں تھے۔“ پرنسنڈٹ نے پوچھا۔

”کیپشن خاور کے تعاقب میں....!“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”کیا مطلب....!“ پرنسنڈٹ اچھل کر بولا۔

”مطلوب ہم لوگ فی الحال اپنے ہی تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”تم اس جرم کو اپنی مصنوعی دلیری کے پردے میں نہیں چھپا سکتے۔ تم لوگوں کے

کیپشن خاور کی روپورٹ محفوظ ہے۔“

”اور اس غریب کو ملک الموت نے اپنی حنافات میں لے لیا۔“ فریدی نہ کر بولا۔

”تم پھر میر انداق اٹانے کی کوشش کر رہے ہو۔“ پرنسنڈٹ گرج کر ج کر بولا۔

”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میں آج ہی شہر پر بد معافیوں سے آپ کے خلاف لا تعداد روپورٹس لکھوائیں ہوں۔“

”یعنی....!“

فریدی نے جیب سے رومال نکال کر ہینڈل صاف کر دیا اور دوسری طرف کی کھڑکی پر  
رومال پھیرنے لگا۔

”صرف بی ہی نہیں دکھائی دی بلکہ اس کا خاصاً ثبوت مل گیا کہ اس رات سر بیٹھاں اس سے  
بے خبر نہیں تھا کہ میں اس کا پیچھا کر رہا ہوں۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ حمید نے کہا۔

”بھلا بتاؤ تو چھت کے قریب آئینے کیوں لگائے گئے ہیں ہیں... اور پھر ہر روشنداں کے  
سامنے ایک آئینہ ہے۔ اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے۔“

”جید نے اب خیال کیا۔ واقعی ہر روشنداں کے سامنے چھت کے قریب ایک ایک آئینہ  
نصب کیا۔“

”ہاں ہے تو بے تکی چیز...!“

”بے تکی نہیں کار آمد کہو۔“

”کیوں...!“

”اس رات میں نے چھت پر چڑھ کر انہیں روشنداں میں سے کسی ایک سے جھانک کر اس  
کرے میں دیکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ کسی نہ کسی آئینے میں میری صورت ضرور دکھائی دی ہو گی۔  
سر بیٹھاں اپنے ساتھی کے ساتھ یہیں موجود تھا... میں نے ان دونوں کو بولتے سناتھا... ان کی

صورتیں نہیں دکھائی دی تھیں۔“

سر بیٹھاں اپنے بیگلے میں موجود نہیں تھا۔ فریدی اور حمید ڈرائیکٹ روم میں بیٹھ کر ازاں  
انتظار کرنے لگے۔ سر بیٹھاں کے بوکروں نے انہیں تالنا چاہا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوا۔

”آپ کا یہ خیال غلط بھی ہو سکتا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن اس کے علاوہ ان آئینوں کا کوئی اور مقصد ہو بھی

”نہیں ملکا۔“

حمدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فریدی بھی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

اتفاقاً ڈرائیکٹ روم سے ایک نوکر گذر کر دوسرے کرے میں جانے لگا۔ فریدی نے اسے بلا

شاہکار تھے۔ فرش پر ایران اور کشمیر کے بیش قیمت قالین تھے۔ فریدی یہاں کی ایک ایک ڈرائیکٹ روم کے انہیں جب وہ پانی لے کر واپس آیا تو فریدی نے ایک طویل اگلوانی لی اور پانی کا گلاں ہاتھ میں

ٹھہرایا۔ فریدی نے ڈرائیکٹ روم سے ڈرائیکٹ روم کا جائزہ لینے لگا۔

”آن کل ایسے آئینے یہاں نہیں ملتے۔“ فریدی نے کہا۔ ”نوکر نے کوئی جواب نہیں دیا۔“

”میں نے پہلے کبھی انہیں یہاں نہیں دیکھا۔... کیا ابھی یہ حال ہی میں یہاں لگائے گئے  
ہے۔“

”مکمل کیا آپ نے... وہ بنس کر بولا۔“ میا آپ کی گردان میں بھی آنکھیں ہیں۔ آپ بیس۔ فریدی نے پوچھا۔

”سامنے دیکھ رہے تھے پھر آپ کو بلی کیسے نظر آگئی۔“

”آخر پر شندٹ صاحب ہمارے دشمن کیوں ہو رہے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”بعض لوگ عادتاً ایسے ہوتے ہیں... میں اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔“ فریدی نے کہا۔

”پچھے نہیں کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہو سکتی۔“ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”اوچلیں  
شہنازہ جانے کہاں ہو گی۔“ حمید بولا۔

”سر بیٹھاں کے یہاں۔“ فریدی بولا۔

”مگر... وہ تو...!“

”پچھے نہیں اب کھل کر سامنے آئے بغیر کام نہیں چلے گا۔“

## دودو با تیل

سر بیٹھاں اپنے بیگلے میں موجود نہیں تھا۔ فریدی اور حمید ڈرائیکٹ روم میں بیٹھ کر ازاں

انتظار کرنے لگے۔ سر بیٹھاں کے بوکروں نے انہیں تالنا چاہا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوا۔

حمدی کو بھی حیرت ہو رہی تھی کہ آخر فریدی سر بیٹھاں کی عدم موجودگی میں اس کے گھر میں

”نہیں ملکا۔“ کر کیا کرے گا۔

ڈرائیکٹ روم عمدہ فرنچیز اور اعلیٰ تصاویر سے مزین تھا۔ ان میں زیادہ تر نامور مصوروں۔

شاہکار تھے۔ فرش پر ایران اور کشمیر کے بیش قیمت قالین تھے۔ فریدی یہاں کی ایک ایک ڈرائیکٹ روم کے انہیں جب وہ پانی لے کر واپس آیا تو فریدی نے ایک طویل اگلوانی لی اور پانی کا گلاں ہاتھ میں

ٹھہرایا۔ فریدی نے ڈرائیکٹ روم کا جائزہ لینے لگا۔

”حمدی ڈرائیکٹ کر دیکھنا کیا پیچھے روشن داں میں بلی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”حمدی مڑ کر دیکھنے لگا اور پھر اسے ہنسی آگئی۔“

”مکمل کیا آپ نے... وہ بنس کر بولا۔“ میا آپ کی گردان میں بھی آنکھیں ہیں۔ آپ بیس۔ فریدی نے پوچھا۔

”سامنے دیکھ رہے تھے پھر آپ کو بلی کیسے نظر آگئی۔“

”جی ہاں....!“ نوکرنے کہا اور گلاس لے کر چلا گیا۔  
”کیوں بھتی اب کیا کہتے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔  
”مان گیا۔“

”دیکھیں وہ کب آتا ہے۔“  
”میرے خیال سے تو چلنے۔“

”نہیں.... ہمیں بیٹھنا ہے۔“ فریدی نے کہا اور سامنے والی تصویر پر نظریں گاڑ دیں۔  
وہ پھر سوچ رہا تھا۔ دفتار آمدے میں قدموں کی آہٹ سماں دی اور سر بتحال ڈرانگ  
میں داخل ہوا۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر وہ بے ساختہ بولا۔

”اوہ.... فون ٹھیک کرنے آئے ہو.... تمہیں میرا منتظر کرتا ہے.... مگر کیوں...  
تے نوکروں سے کہہ کر ٹیلی فون بنا کیوں نہیں دیا.... رات سے گبرا ہے.... اچھا  
ساختھ آؤ۔“

فریدی مسکرا کر اٹھا.... وہ اور حمید سر بتحال کے ساتھ چلنے لگے۔ متعدد کروں۔  
گزنتے ہوئے وہ لا سیری ہی میں آئے.... سر بتحال نے میز پر رکھے ہوئے فون کی طرف ا  
کیا... اور خود ایک الماری کھول کر کتابیں دیکھنے لگا۔

”یہ ٹیلی فون بارہ بجے رات کے بعد تو نہیں خراب ہوا۔“ فریدی نے پوچھا۔  
سر بتحال چونک کراس کی طرف مڑا۔

”کیا مطلب....!“  
”ہم لوگ یہ پوچھنے کے لئے آئے ہیں کہ کل رات تم نے کس کس کو فون کیا تھا۔“  
”تم سے اس سے کیا مطلب....!“ سر بتحال گز کر بولا۔

فریدی نے اپناما قاتی کارڈ اس سے سامنے رکھ دیا۔  
”اوہ.... لیکن ایک سراغ رسان کا یہاں کیا کام...!“  
”کیا کیچن خاور تمہارا دوست تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ہاں.... لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔“  
”کل رات اسے کسی نے قتل کر دیا۔“

”قتل کر دیا....!“ سر بتحال نے جہت کا انہاد کرتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں....!“

”مجھے افسوس ہے.... وہ بلیز کا ایک اچھا لکھاڑی تھا۔“

”اس کے بارے میں اور کیا جانتے ہو۔“

”پچھے زیادہ نہیں.... کیونکہ پندرہ دن قبل اس سے کلب میں ملاقات ہوئی تھی۔“

”وہ ایک اچھا نشانہ باز بھی تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”رہا ہو گا.... مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔“

”اس سے آخری بار کب ملاقات ہوئی تھی۔“

”پرسوں رات کو کلب میں ہم دونوں دوپھر تک لمیرڈ کھلتے رہے۔“

”وہ کیسا آدمی تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”بندوں تائنوں میں ایسے خوبصورت آدمی کم و کھائی دیتے ہیں۔“ سر بتحال بولا۔

”خوب...!“ فریدی مسکرا کر حمید کو آنکھ مارتا ہوا بولا۔ ”اسکی محبوبہ کے متعلق کیا خیال ہے۔“

”محبوبہ...!“ سر بتحال غریباً۔ ”تم لوگ آخر چاہتے کیا ہو۔“

”ہمیں اس کی محبوبہ کی تلاش ہے۔“

”تو کیا میں اس کی محبوبہ ہوں۔“ سر بتحال گرج کر بولا۔

”ہمیں تو یہی اطلاع ملی ہے۔“ حمید بے ساختہ بولا اور فریدی نہیں پڑا۔

سر بتحال ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

”لیکن ہم نے ابھی اس کی مرمت کہاں کی ہے۔“ فریدی نے آہتہ سے کہا اور سر بتحال

پٹ پڑا۔

”دیکھو میں کہتا ہوں کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔“

”غیر میں جاتا ہوں.... اب مجھے علی فضیل مصری کی روح سے گفتگو کرنی پڑے گی۔“

فریدی کی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

سر بتحال خاموش ہو گیا۔ فریدی اور حمید دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔

”ٹھہر و...!“ سر بتحال نے کہا۔

فریدی مرا... سر بتحال کے چہرے پر غصے کے بجائے گھبراہٹ کے آئا تھے۔

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“ سر بتحال نے اپنے خلک ہونوں پر زبان پھیرتے ہوں چلا دے ہے...“

فریدی نے حید کو بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور کمزے سے نکل گیا۔ کہا۔

تو ہوڑی دیر بعد سر بتحال نے سر اٹھا کر حید کی طرف دیکھا۔

”تمہارا ساتھی تلاشی لینے گیا ہے۔“ وہ معموم آواز میں بولا۔ ”محبے کوئی اعتراض نہیں۔

لیکن ”محبے اس مصیبت سے نہیں بچا سکتا۔“

”یعنی مصیبت....!“

”میں کچھ نہیں بتا سکتا.... نہیں بتا سکتا۔“ سر بتحال مختصر باتہ انداز میں بولا۔

”تم نے اس درواز میں کیپٹن خاور کے ساتھ کوئی لڑکی دیکھی تھی۔“ حید نے پوچھا۔

”جہنم میں گیا کیپٹن خاور میں کچھ نہیں جانتا۔“ سر بتحال نے بے چینی سے کہا۔

”اور وہ لڑکی....!“

”اوہ....!“ سر بتحال مکاتا کر غرما تا ہوا لٹھنے لگا۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر بیٹھ گیا۔

”تم پر....!“ حید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی کرے میں داخل ہوا۔

سر بتحال استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”ہوں....“ فریدی جھٹکے کے ساتھ صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”علیٰ فضیل کے بارے میں

کیا جاتے ہوں۔“

”میں کچھ نہیں.... کچھ نہیں جانتا۔“ سر بتحال کی آواز بھرائی اور وہ خوفزدہ نظروں سے

اونہ اونہ دیکھنے لگا۔

”بہت اچھے....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ایکنگ اچھی کر لیتے ہو۔“

”لیا مطلب....?“ سر بتحال غصے سے بولا۔

”میں علیٰ فضیل کے بارے میں کچھ جانتا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”کون علیٰ فضیل....!“

”مسری سر اگر رسائی۔“

”میں ابھی فون پر اجازت حاصل کئے لیتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”تم اس رات جس ڈاڑھی والے کو کلب میں شراب پلار ہے تھے کون تھا۔“

فریدی نے اپنی جیب سے ایک روپاں نکال کر دو تین بار اسے فضا میں اچھا لاؤ اور سر بتحال

طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

وغعتاً دور کسی کرے میں قبیلہ کی آواز سنائی دی جو بذریعہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔

سر بتحال دیوانہ دار آواز کی طرف دوڑا اور سامنے والی دیوار سے اس طرح تکرا گیا جیسے وہ اسے

ہوا دروازہ سمجھا ہو۔

پھر اس نے وحشانہ انداز میں جیب سے روپاں نکالا اور پیچے ہٹ کر دیوار پر فائز کر

شروع کر دیئے۔

فریدی اور حید تھیر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے.... روپاں کی گولیاں ف

ہو جانے کے بعد سر بتحال ایک صوفے پر گر گیا.... اُس کا پھرہ پسینے میں ڈوب گیا تھا.... وہ بڑا

طرح ہاپ رہا تھا.... اُس نے ایک بار فریدی اور حید کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھا اور انہیں

چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھک لیا۔

فریدی اور حید بھی ایک صوفے پر بیٹھ کر سر بتحال کی بدلتی ہوئی حالات کو دیکھتے رہے۔

تو ہوڑی دیر بعد سر بتحال سیدھا بیٹھ گیا... اُسکے چہرے پر عجیب قسم کی بے بی کے آثار تھے۔

”تم کچھ کہنا چاہتے ہو۔“ فریدی بولا۔

”سر بتحال خاموش ہو گیا...“ اُس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی ذہنی کلکش میں

مبتلا ہے۔“

”تمہاری اس حرکت کا کیا مطلب تھا.... میں تمہارے گھر کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔“

فریدی نے کہا۔

”کیوں....؟ وارث دکھاؤ۔“ سر بتحال بے چینی سے بولا۔

”میں ابھی فون پر اجازت حاصل کئے لیتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”تم شاکد قہقہہ لگانے والے کو تلاش کرو گے۔“ سر بتحال ہاتھ ملتا ہوا بولا ”لیکن بیسوں...“

”طلے بکواس.... علی فضیل کا کوئی بینا نہیں۔“ سر بیتحال چیخ کر بولا۔  
”مگر تم تو علی فضیل کو جانتے ہی نہیں تھے.... اب اس کے خاندان بھر سے واقف نظر

”آپ ہے ہو۔“  
”اوہ.... اوہ....!“ سر بیتحال بے بسی سے ایک صوفے پر گر گیا.... لیکن تھوڑی ہی دیر بعد  
پھر سنجل گیا۔

”میں کہتا ہوں.... تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ۔“ وہ چیخ کر بولا۔  
”لیکن یہ بات مت بھولو کہ علی فضیل کی لڑکی ایک رومال کے لئے دلکشا میں قتل کردی گئی  
تھی۔“ فریدی سر بیتحال کو گھورتا ہوا بولا۔

”کردو گئی ہو گی۔“ سر بیتحال لاپرواٹی سے بولا۔  
”تو تم اسے جانتے تھے۔“

”ہاں....!“  
”تم نے پولیس کو اس کی اطلاع کیوں نہیں دی۔“

”میری مرضی....!“  
”تم جانتے ہو کہ یہ جرم ہے۔“

”ہو گا....!  
”میں تمہیں شہے میں گرفتار کر سکتا ہوں۔“

”کون تم....!“ سر بیتحال حادثت آمیز لجھ میں بولا۔  
”ہاں.... میں....!“

”میں ایک غیر ملکی ہوں.... تم براہ راست ایسا نہیں کر سکتے۔“

”لیکن میں براہ راست تمہاری بھیاں ضرور توڑ سکتا ہوں۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔  
”تم برطانیہ کے ایک معزز اور خطاب یافتہ شہری کی توہین کر رہے ہو،“ سر بیتحال چیخ کر  
بولا۔ ”تمہاری حکومت کو اس کے لئے جواب دہونا پڑے گا۔“

”حکومت جواب دے لے گی.... تم بے فکر رہو۔“  
”نکل جاؤ یہاں سے... نکلو۔“ سر بیتحال چیزی سے اٹھ کر دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

”اوہ....!“ سر بیتحال چوک کر بولا۔ ”اوہ.... اوہ....!“  
”ٹھیک ٹھیک ہتاو....!“

”اور تم یہ جانتے تھے کہ وہ حق مج پادری حیر اللہ ہے۔“

سر بیتحال پھر چوک پڑا.... وہ حیرت زدہ نظرؤں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟“ سر بیتحال نے پوچھا۔

”میں تم سے سوالات کر رہا ہوں۔“ فریدی نکل لجھ میں بولا۔ ”میرے سوال کا جواب دو،“

”ہاں مجھے شبہ تھا کہ وہ حیر اللہ نہیں ہے۔“

”پھر تم اسے اپنے ساتھ لئے کیوں پھرتے رہے۔“

”محض یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ دراصل کون ہے۔“

”اور اسی لئے تم اسے ٹھوی کے حوالے کر کے خود وہاں سے چل دیئے۔“

سر بیتحال پھر چوک پڑا.... وہ فریدی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

”تم سب کچھ جانتے ہو.... اوہ.... اوہ....!“ سر بیتحال انھ کر بے چتنی سے ٹھیلنے لگا۔

فریدی بغور اُس کا جائزہ لیتا رہا۔

”ہاں میں اسے ٹھوی کے حوالے کر کے چلا گیا تھا۔“ سر بیتحال نے اچانک مڑ کر کہا۔“

”میرا تعاقب کر رہا تھا۔“

”کون....؟“

”میں نہیں جانتا۔“ سر بیتحال نے کہا۔ ”مکن ہے تم ہی رہے ہو۔“

”پادری حیر اللہ حقیقتاً کون ہے۔“

”میرا ایک دوست۔“ لیکن مجھے حیرت تھی کہ وہ یہکی بیک یہاں کیسے پہنچ گیا۔

”وہ کہاں رہتا ہے۔“

”سویز کے علاقے میں۔“

”اوہ تو اس کا تعلق بھی مصری سے ہے۔“ حمید بے ساختہ بولا۔

”علی فضیل کے لڑکے محمد فضیل کو جانتے ہو۔“ فریدی نے پوچھا۔

”لیکن میرے کانوں سے نہیں ناچھا۔“ فریدی نشک لبج میں بولا۔  
”یعنی....!“

”مرے ہماری رہا ہو گا کچھ....!“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن وہ اس قابل نہیں کہ میں اُسے خاص پر نوٹ کروں۔“  
”اور سر بیتحال کا وہ یو اسپن....!“  
”ایک عمدہ قسم کی اداکاری....!“

”تو آپ ابھی تک اسی خیال میں ہیں کہ سر بیتحال آپ کو غلط راستے پر لگانا چاہتا ہے۔“  
”تھیں....!“

”لیکن آپ کا خیال غلط ہے۔“

”بہت اچھے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں تمہارے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں۔“  
حید خاموش ہو گیا۔۔۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

”اب ہمیں کہاں جاتا ہے۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔  
”کیپٹن خاور کے یہاں۔“ فریدی نے کہا۔

”اوہ.... وہاں تو ہمیں پہلے ہی جانا چاہئے تھا۔“ حید نے کہا۔  
”آج کل بڑنے علمند ہو رہے ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیوں نہ ہوشناز کا معاملہ آپھناء ہے تا۔“  
حید نے کوئی جواب نہ دیا۔

”اوہ....!“ فریدی چونک کر بولا۔ ”تو شاید یہ لوگ وہیں سے واپس آرہے ہیں۔“  
سامنے پولیس کی لاری آرہی تھی۔ ڈرائیور کے قریب اگلی سیٹ پر انپکٹر جگد لیش بیٹھا تھا۔  
فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی تھی۔ پولیس کی لاری رک گئی۔

”یا تم خاور کے یہاں سے آرہے ہو۔“ فریدی نے جگد لیش سے پوچھا۔ جگد لیش لاری سے رکر قریب آیا۔

”میں ہاں.... لیکن کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جو اس کے قتل پر روشنی ڈال سکتی۔“  
”کار کے حداث پر تو میں بھی روشنی ڈال سکتا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن قتل پر مشتمل کی پورٹ ہی روشنی ڈال سکتے گی۔“

## بُرے کھنے

”بہت اچھا سر بیتحال“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”تمہیں بہت جلد بولنے پر مجبور ہوتا پڑے  
فریدی اور حید سر بیتحال کے بیٹگے سے نکل آئے اگلی کار تیزی سے ایک طرف جاری  
”آپ نے بہت بُرا کیا۔“ حید نے کہا۔  
”کیوں....!“

”اگر آپ نے اُسے چھیڑا تھا تو اس طرح چھوڑ کرنا آنا چاہئے تھا۔“  
”اس کے علاوہ اب کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا۔“

”اگر وہ کہیں نکل بھاگا تو....!“ حید نے کہا۔  
”طمینن رہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس کے بیٹگے کی گمراہی کی جاری ہے۔“  
”اگر بھیں بدلت کر نکل گیا تو۔“

”سنوا! سر بیتحال ایک مشہور آدمی ہے وہ اس قسم کی حرکت کر کے نفع نہیں سکتا۔“  
”مطہن کئے بغیر اس قسم کا اقدام ہرگز نہ کرے گا۔ اس نے مصر کے لئے ویزا کی درخواست  
ہے۔ جو اسے میری مرضی کے بغیر نہ مل سکے گا۔“

”بہر حال آپ اس سے گفتگو کرنے کے بعد کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔“  
”وہ ایک ادل درجے کا نکار ہے.... اُس کی اس وقت کی اداکاری قابل داد تھی لیکن“  
”اگھوں میں دھول نہیں جھوک سکتا؟“

”اُسے گرفتار ہی کیوں نہ کیا جائے۔“ حید نے کہا۔  
”خیال احقا نہ ہے.... تم اس کے خلاف ثبوت نہیں پیش کر سکتے۔“

”آپ غالباً وہاں سے اٹھ کر دوسرا کمروں میں گئے تھے۔“ پھر حید نے پوچھا۔  
”ہاں لیکن کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہوئی۔“

”آخر وہ تھکہ کیسا تھا....؟“  
”رہا ہو گا.... میں ایسی انجیات کی طرف دھیاں نہیں دیتا۔“  
”لغویات!“ حید حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ ”ارے میں نے اُسے اپنے کانوں سے تا۔“

دنبرہ ۴

”شہناز کا کبے ہو سکتا ہے۔“

”یہ رومال میں نے اُسے دیا تھا۔ یہ دیکھنے اس کونے پر میرے دستخط... اور شہناز بھی خوشبو تھاں کرتی تھی۔“ حمید نے رومال کو سوچتے ہوئے کہا۔  
”اوہ....!“

”اور یہ.... اور یہ....!“ حمید زمین کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”یہ چوزیوں کے ٹکڑے.... یہ چڑیاں شہناز پہنے ہوئے تھی.... مجھے اچھی طرح یاد ہے.... اسے دہیںڈل.... خدا کی قسم بھی شہناز کا ہے.... اور.... وہ....!“  
”اب خاموش رہو۔“ فریدی اس کے قریب آکر آہستہ سے بولا۔ ”ریا اور ہے تمہارے بیب میں۔“

”نہیں.... کیوں....؟“ حمید چوک کر بولا۔

”میرے پاس بھی نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہاں ان چیزوں کی موجودگی میں مجھے خطرہ ہوں ہو رہا ہے۔ یہ سب چیزیں یہاں پولیس کی واپسی کے بعد ڈالی گئی ہیں۔“  
”یہ آپ کس طرح کہہ رہے ہیں۔“

”فریدی صاحب تھے کہہ رہے ہیں سر جنٹ حمید۔“ پیچھے سے کسی نے کہا۔  
فریدی اور حمید چوک کر پلٹے.... دروازے میں وہی آدمی کھڑا مسکرا رہا تھا جو فریدی کے تھہ خانے سے نکل بھاگا تھا.... اُس کے دونوں ہاتھوں میں پستول تھے اور ان کی نالیں فریدی اور حمید کی طرف تھیں اور وہ اس وقت نہایت فضیح اردو بول رہا تھا۔

”اس کا مطلب....!“ فریدی نے درشت لبھ میں پوچھا۔

”کچھ نہیں تمہاری عقل مندی اور ذہانت کو تھوڑا سا اسمازہ چکھاؤں گا۔“

”خیر.... خیر....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”تم نے اپنا نام شاید محمد فضیل تباہا تھا.... اور تم اپنی بہن کے قاتل ہو۔“

”فضول بکواس مت کرو۔“

”اور تم میرے والد کے دوست علی فضیل کے لڑکے ہو۔“

”ہاں ہاں ٹھیک ہے اس طرح تم میرے بھائی ہوئے۔“ اُس نے کہا۔ ”اپنے منہ پھیر کر

”آخیر یہ آپ کا سپرنٹ نہ نہ کیوں آپ کے پیچھے پڑ گیا ہے۔“ جگدیش نے کہا۔  
”سنو....! بعض کے سردیوں میں بھی پاگل ہو جاتے ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا  
کے لئے ایک آنچ اور ہلکی سی چوبٹ کی ضرورت ہے۔“

”خواہ مخواہ کو تو اسی آکر دہ رپورٹیں دیکھ رہا تھا جو کیپشن خاور نے آپ لوگوں کے لکھوائی تھیں۔“ جگدیش نے کہا۔

”ہونہہ.... دیکھنے دو بھائی.... تمہارا کیا نقصان ہوتا ہے۔“

”میں نے پہلے تو صاف انکار کر دیا تھا مگر تجھ میں ہمارے ایس۔ پی صاحب آکو دے۔“

”خیر چھوڑو....!“ فریدی نے کہا۔ ”کیپشن خاور کے یہاں کون کون ہے۔“

”کوئی نہیں ہم نے تلا توڑ کر حللاشی لی تھی۔“

”پھر.... کیا دوسرا تلا بند کر آئے ہو۔“

”ہاں.... اب کسی مجریت کی موجودگی میں تالے کو سیل کر ا دوں گا۔“

”جلدی مت کرو.... میں بھی ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں.... میرا خیال ہے کہ یہ  
حوادث بھی اُسی رومال والے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔“

”اوہ....!“ جگدیش پوچک پڑا۔

جگدیش نے تالے کی کنجی فریدی کے حوالے کر دی۔

”اگر تمہیں میرا اعتبار نہ ہو تو تم بھی ساتھ چلو۔“ فریدی نے کہا۔

”مکال کیا آپ نے....!“ جگدیش نے کہا اور لاری کی طرف چلا گیا۔

فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔ ... تھوڑی دیر بعد وہ کیپشن خاور کے مکان کے سامنے سے چیخ نکل گئی۔ فریدی چوک کر اُس کی طرف پلان۔

وہ متعدد گروں میں گھومتے پھرے.... دفعٹا حمید ایک میز کی طرف چھپتا۔ ... دوسرا میں اس کے ہاتھ میں سفید رنگ کا ایک رومال بھی تھا۔ اُس نے الٹا کر اسے سونگھا درا

منہ سے چیخ نکل گئی۔ فریدی چوک کر اُس کی طرف پلان۔

”خدا کی قسم کی شہناز کا ہے۔“ حمید چیخ۔

فریدی اس کی طرف پکا۔

کھڑے ہو جاؤ درند گولی مار دوں گا اور لوگ بھی تمہیں گے تم شہزاد کو غائب کر کے اور جان سے مار کر کہیں فرار ہو گئے۔

”جلدی کرو... میرے پاس وقت نہیں۔“  
حیدر اور فریدی نے اپنے منہ پھیر لئے۔

”اب آگے بڑھو... اگر پلٹ کر دیکھا تو تمیں ڈھیر کر دوں گا۔“

فریدی اور حیدر چلنے لگے انہیں متعدد کروں سے گزرا پڑا۔ ”ویکھا تم نے۔“ فرید سے بلند آواز میں بولا۔ ”میں راستے بھر چڑیوں کے گلے ملے ہیں... اور ان کا سماں کسی تہہ خانے کے قریب گیا ہو گا۔“ فضیل نے قہقہہ لگایا۔

”بہر حال میں نے جو جال بچایا تھا اس میں کامیاب ہو گیا... تمہیں کسی قسم کی آہونے پائے۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں بھی تمہیں ایک تہہ خانے میں مہمان ہوں لیکن تم اس میں سے نکل نہ سکو گے۔“

”بھلا میں کسی بدر جو کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہوں... میں اپنے ساتھ نائم بم تو اب آدمی...!“ فریدی نے ہس کر کہا۔

”آدمی ولیز ہو... لیکن اتنے ولیر بھی نہیں کہ مصر کے قدیم رازوں کو دریافت کر فضیل بولا۔“ جلدی چلو... میرے ساتھ کسی قسم کی مکاری کر کے کامیاب نہیں ہو سکتے۔

”اے میرے والد کے دوست کے بیٹے تم اتنی بے مردوتی سے کیوں پیش آ رہے فریدی مڑ کر بولا۔ اور فضیل نے فائز کر دیا۔ اگر فریدی بیٹھنے جاتا تو سر اڑھی گیا ہوتا۔“ ”اٹھو...!“ فضیل گرج کر بولا۔ ”میں اب زیادہ خون نہیں کرنا چاہتا...“ میرا کو ناقص قریب پورا ہو چکا ہے۔“

فریدی کھڑا ہو گیا۔

”اپنا منہ دروازے کی طرف پھیر لو۔“ فضیل نے کہا۔

فریدی پھر دروازے کی طرف مڑ گیا۔

”لیکن اگر مجبور کرو گے تو تمہیں جہنم تک کیپٹن خاور کا تعاقب کرنا پڑے گا۔“ فضیل نے

”میرا ملکہ مجھے اس کی اجازت نہ دے گا۔“ فریدی ہس کر بولا۔

”لیکن ہم تمہیں جہنم تک ضرور پہنچادیں گے۔“ حیدر نے کہا۔

”عشش تم مت بولو۔“ فریدی نے کہا۔ ”بزرگوں کا ادب کرنا یکسو... فضیل عمر میں

اے بڑا معلوم ہوتا ہے۔“

”اچھا بکواس بند...“ فضیل غصے میں چینا۔ ”اب رک جاؤ... اس قالین کو والٹو...!“

وہ لوگ ایک ایسے کمرے میں پہنچ جہاں فرنچیزی نہیں تھا۔ فرش پر ایک خوبصورت قالین

پھاہو تھا اور چاروں طرف بڑے بڑے ہنکے رکھے ہوئے تھے۔

فریدی قالین اللئے کے لئے جھکا... اور قالین کا کنارا دونوں ہاتھوں میں مضبوط پکڑ کر

یدھا کھڑا ہو گیا۔

”اے گے کی طرف الٹ دو...!“ فضیل تمہمانہ لجھ میں بولا۔

”فریدی نے ایک بار قالین کو پوری قوت سے تو لا اور اپنے سر پر اچھا کر پچھے کی

لرف پھیک دیا۔

فضیل اس سے بے خبر تھا۔ پوری قالین اس پر آرہی اور خود فریدی اور حید بھی اس کی

ہیئت سے محفوظ نہ رہ سکے۔ وہ تینوں زمین پر گر گئے تھے اور فریدی قالین کے نیچے فضیل سے گھا

ہوا تھا... پس توں پہلے ہی فضیل کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔

”حید پس توں...!“ فریدی چینا۔ ”پس توں جلاش کرو۔“

”وکھو...!“ میں اب تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔“ فضیل ہاپٹا ہوا بولا۔ اس نے فریدی کے

ہاتھوں میں کنی جگہ دانت کاٹے تھے۔

وختا پس توں چلنے کی آواز آئی اور حید چینا۔ فریدی کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور فضیل ایک ہی

چھکے میں فریدی کے شکنے سے آزاد ہو گیا... وہ بڑی پھرتی سے قالین کے نیچے سے نکلا اور

”وکر سے ہی لمحے میں کمرے کے باہر تھا...“ فریدی نے قالین الٹ دی ایک پس توں اس کے ہاتھ

میں تھا... وہ بھی باہر کی طرف چھپتا... حید بھی اٹھا... وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں

طرف دیکھ رہا تھا... اس نے فرش پر پڑا ہوا دوسرا پس توں اٹھا لیا اور اسے قہر بھری نظروں سے

گھومنے لگا۔

یہ سمجھنے لگئی۔ دو نوں پھنس کر رہے گئے۔  
”خبردار فائزہ مت کرتا۔“ اوپر سے آواز آئی۔ ”یہ کہہ سڑک کے قریب ہے۔۔۔ فائزہ کی  
وازان کر رہا ہے اکٹھا ہو جائیں گے۔ لیکن ان کے بیہاں تک پہنچنے پہنچنے تم دو نوں ختم کر دیئے  
باوے گے۔“

”شہرو۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔ ”تم آخر چاہئے کیا ہو۔“

”اپنے پستول جال سے نکال کر دور پھینک دو۔“ اوپر سے آواز آئی۔

”ازے میرے والد کے دوست کے بیٹے تو واقعی برداشت ظریف ہے۔“ فریدی ہس کر بولا۔

”مکبت۔۔۔“ اوپر سے آواز آئی۔ ”پستول پھینکتے ہو یا میں اپنا کام کر کے چلاؤں۔“

”لے بھتی تو بھی کیا یاد کرے گا۔“ فریدی نے دو نوں پستول اوپر پھینک دیئے۔

”ٹھیک۔۔۔ اب خاموشی سے پڑے رہو۔۔۔ میں ابھی آیا۔“ اوپر سے آواز آئی۔

چد لمحوں کے بعد فضیل کرے میں داخل ہو اور اس نے پستول اٹھا لئے۔

”ازے میرے والد کے دوست کے۔۔۔!“

”خاموش رہو۔۔۔!“ فضیل غرا کر بولا۔

”تم اردو بہت اچھی بول لیتے ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”میں دس زبانوں کا ماہر ہوں۔“ فضیل مسکرا کر بولا۔

”لیکن سر بیٹھاں اردو نہیں جانتا۔“ فریدی نے کہا۔

”اہو سر بیٹھاں۔“ فضیل نرفت سے ہونٹ سکوڑ کر معنی خیز انداز میں بولا۔ ”میں اسے

”غیریں اردو سیکھاوں گا۔“

”آج چھاپ ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکلے۔۔۔ ورنہ۔۔۔!“

”ہمیں قتل کر دو گے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

فضیل نے جال کی رسی کو پکڑ کر جھکا دیا اور وہ دو نوں زمین پر گر پڑے۔۔۔ فضیل جال کو

کھینچنے لے چلا۔

فریدی زخمی شیر کی طرح بیچ و تاب کھارہاتا۔

”خدا کی قسم ایسی ذات کبھی نہیں ہوتی۔“ وہ ہانپتا ہوا آہستہ سے بولا۔

”گولی تو نہیں گی۔“ فریدی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ ”وہ نکل گیا۔“

”میں کیا بتاؤں۔۔۔ مگر میں نے غلطی کی۔۔۔ میں قاتلین کے نیچے پستول ڈھونڈنے کا  
اور وہ کجھ میرا ہاتھ پڑتے ہی جل گیا۔۔۔!“

”اہ تو یہ کہو۔۔۔ حق کہیں کے اگر اس کا رخ تمہاری یا میری طرف ہوتا تو ہم لوگ  
ہوتے؟“

”اب کیا کیا جائے۔۔۔!“ حمید بے بی سے بولا۔

”کچھ پرواہ نہیں۔۔۔ کب تک بچ گا۔۔۔“ فریدی نے کہا۔ ”بیہاں سے جلد  
چلو۔۔۔ یہ مکان خطرناک معلوم ہوتا ہے۔“

”دو نوں صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔“

”یوں نہیں۔۔۔!“ فریدی بولا۔ ”ہم دو نوں اپنی پیٹھ ملا کر چلیں۔“

”وہ کیوں۔۔۔؟“

”اگر پہنچ سے کسی نے حملہ کیا تو۔۔۔؟“ فریدی نے کہا۔

”مگر میں انداز چل پاؤں گا۔“ حمید بے بی سے بولا۔

”تم سے کون کہتا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”میں اندازوں گا۔“

”دو نوں پشت ملا کر چلنے لگے۔ حمید کو بھی آگئی۔ وہ سیدھا چل رہا تھا۔ اور فریدی اس سے  
ملائے ہوئے انداز چل رہا تھا۔ دو نوں آہستہ آہستہ صدر دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

”نہ سو نہیں پیارے۔“ فریدی بولا۔ ”زندگی میں بعض موقعی ایسے بھی آتے ہیں جب  
سے بھی زیادہ معنکھے خیز بننا پڑتا ہے۔“

”دو نوں اپنے دائیں بائیں نظریں ڈالتے ہوئے آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔

”تم بہت جلدی کر رہے ہو۔“ فریدی بولا۔ ”کیا مجھے گرانے کا رادا ہے۔“

حمید نے رقارد سیکر کر دی۔

”ڈرو نہیں۔۔۔ اس طرح ہم محفوظ ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

لیکن وہ دو نوں چھت کی طرف سے بے خبر تھے۔۔۔ دفعٹا چھت کا ایک روشن دان کا  
ایک بڑا سا جال فریدی اور حمید پر آگرا۔۔۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتے جال کے سرے پر گی؟

فضل جال کو کھینچتا ہوا اس کرے میں لے آیا جہاں قالمین اللہ گئی تھی۔

لئے تمہاری خانست کے لئے مقصود کو بھیجا گیا تھا۔“

”ایں تمہیں دھوکا کیسے دیا گیا۔“ حمید نے پوچھا۔

تم..... لیکن گھبراو نہیں تم نے مجھ سے کوئی نہ اسلوک نہیں کیا تھا۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف ہو گی۔“

اب بھی کیا یا نہیں۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”وہ بیچارا بھی رات شیطان کو پیارا ہو گیا۔“

”اوہ..... کیسے.....!“

”کاراٹ گئی..... کنٹی میں گولی لگ گئی۔“

”ارے.....!“ مقصود اچھل کر بولا۔

”مقصود تم بھی آپھنسے۔“ فریدی نے کہا۔ ”کھڑے دیکھتے کیا ہواں جال کامنہ کھولو۔“

”اوے اسپکٹر صاحب آپ۔“ مقصود تحریر آمیز لجھ میں جیخ کر آگے بڑھا۔ دوسرے ساتھ کلب گئی..... وہاں ایک بیرے نے اُسے ایک چٹ دی..... وہ آپ کی طرف سے تھی۔

اس میں آپ نے لکھا تھا کہ میں تمہارے گھر جا رہا ہوں تم شہناز کو لے کر وہاں آؤ۔“

”اوہ.....!“ فریدی جیب سے سگار نکال کر سلاکتا ہوا بولا۔ ”بہر حال وہ اپنی سزا کو پہنچ گیا۔

میں نے تمہیں ہرگز نہیں بلایا تھا۔“

”ایں کیا ہم اب یہاں چو ہوں کی طرح بندر ہیں گے۔“ حمید نے کہا۔

”آدمیوں کی طرح۔“ فریدی نے منہ اور ناک سے دھوکیں کے گھجان لہریئے نکالتے ہوئے کہا۔

”اب آپ کس کے قتل کی پیشیں گوئی کرتے ہیں۔“ حمید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”جباد کے.....!“ فریدی نے کہا اور سگار کا کوتا چبانے لگا۔ وہ کسی گھری سوچ میں ڈوبا ہوا

تھا..... ماتھے پر ٹکنیں تھیں اور آنکھیں اوہ کھلی.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے نیند آرہی ہو۔

”آپ تو اتنے اطمینان سے بیٹھے ہیں جیسے اپنا ہی گھر ہو۔“ حمید نے کہا۔

”ہوں.....!“ فریدی چوک کر بولا۔ ”میں نے سنائیں۔“

”میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ آخر کب تک یہاں بند پڑے رہیں گے۔“

”ابھی دیر ہی کتنی ہوئی ہے۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا اور بجھا ہوا سگار ایک کونے میں

پھینک کر ٹھیکنے لگا۔

”مجھے یقین ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں نے پہلے ہی اس کی پیشیں گوئی کر دی تھی اورا

”مجھے دھوکا دیا گیا تھا۔“ شہناز بولی۔

”فضل جال کو کھینچتا ہوا اس کرے میں لے آیا جہاں قالمین اللہ گئی تھی۔“

”اُب تم تھے خانے میں جا رہے ہو۔“ فضل بولا۔ ”یہ چیز مجھ پر تمہاری طرف سے تھی..... لیکن گھبراو نہیں تم نے مجھ سے کوئی نہ اسلوک نہیں کیا تھا۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف ہو گی۔“

”تم پھر بولے۔“ فریدی نے کہا اور شہناز سے بولا۔ ”تم نے کمپن خاور کے لئے کچھ ایصال

اس نے تھے خانے کا ذکر کیا اور جال کو کھینچ کر نیچے دھکیل دیا۔ فریدی اور حمید جال

انھے ہوئے سیڑھیوں سے لاحکتے ہوئے فرش پر آگئے..... اور پڑھکن بند کر دیا گیا۔ تھہنا

میں بالکل اندر ہرا تھا۔ چند لمحوں کے بعد جب اُن کی آنکھیں اندر ہیرے کی عادی ہو گئیں تو اُن

وہ شکلیں و کھائی دیں۔“

”شہناز.....!“ حمید چھینک۔

”مقصود تم بھی آپھنسے۔“ فریدی نے کہا۔ ”کھڑے دیکھتے کیا ہواں جال کامنہ کھولو۔“

”اوے اسپکٹر صاحب آپ۔“ مقصود تحریر آمیز لجھ میں جیخ کر آگے بڑھا۔ دوسرے

ساتھ کلب گئی..... وہاں ایک بیرے نے اُسے ایک چٹ دی..... وہ آپ کی طرف سے تھی۔

”میں فریدی اور حمید جال کے باہر تھے۔“

”اس گدھے کی بدولت مجھے یہ دن دیکھنا پڑا۔“ فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کر کے

سے کہا۔

”اب کیا کروں..... وہ کجھت چل ہی گیا۔“ حمید جھلا کر بولا۔

”خیر خیر بکو نہیں۔“ فریدی نے کہا اور مقصود کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ ”تم یہاں کیے پہنچے

”میں آپ کے حکم کے مطابق شہناز صاحبہ کے مقام کی گرفتاری کر رہا تھا کل شام کیٹھنا:

انہیں اپنے ساتھ کلب لے گیا..... میں ان کے پیچھے لگا ہوا تھا..... پھر وہ انہیں یہاں اپنے گمرا

میں پلٹ کر آپ کو فون کرنے ہی والا تھا کہ کسی نے پیچھے سے میرے سر پر کوئی وزنی چیز مارا

یہوں ہو گیا..... اور پھر جب آنکھ کھلی تو میں شہناز صاحبہ سیست اس تھے خانے میں تھا۔“

”تم اُس کے ساتھ کلب کیوں گئیں تھیں۔“ حمید شہناز کی طرف مزکر تحریر لجھ میں بولا۔

”اچھا میں بس فضول بکواس نہیں۔“ فریدی حمید کو گھور کر بولا۔

”مجھے دھوکا دیا گیا تھا۔“ شہناز بولی۔

فریدی اٹھ کر زینوں کی طرف چلا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک بار پولیس اس کی تلاش میں بھی دہان ضرور آئے گی۔ وہ اوپر کے آخری زینے پر بیٹھ گیا۔۔۔ گھری نے چھ بجائے اور وہ مایوس ہو کر لوٹ آیا۔۔۔ تہہ خانے میں بالکل اندر ہرا چھا گیا۔ فریدی نے دیا سلائی جلائی۔ طاق پر ایک مومن تھی تھی اس نے اسے روشن کر دیا۔

”رات بھی ہو گئی“ حمید مایوسی سے بولا۔

”اور صبح بھی ہو جائے گی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”آپ کو تہر وقت مذاق سوچتا ہے۔“

”اب یہاں اس حالت میں مذاق کے علاوہ اور چارہ ہی کیا رہ جاتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”تو آپ کو کوئی پریشانی نہیں۔“ شہناز نے پوچھا۔

”پریشانی کس بات کی۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہاں فرش پر سونے میں تھوڑی سی تکلیف ضرور ہوگی۔۔۔ اور شاید حمید کو بھوک بھی ستابے۔“

”ہم نے کل رات سے کھانا نہیں کھایا ہے۔۔۔!“ مقصود بولا۔

”یہ چیز تکلیف دہ ہے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ کسی نہ کسی وقت پولیس یہاں ضرور آئیں گے۔

”تہہ خانے میں۔۔۔!“ حمید نے چونک کر پوچھا۔

”ٹھہر و بجھے کچھ آہست معلوم ہو رہی ہے۔“ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ اٹھ کر آہستہ تہہ خانے کے زینوں پر چڑھنے لگا۔

اوپر کمرے میں کئی قدموں کی آہست معلوم ہو رہی تھی۔ حمید بھی فریدی کے پچھے پچھے چلا آیا۔

”کون ہو سکتا ہے۔“ حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

”کوئی بھی ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں یہ ڈھکن پیٹھے جا رہا ہوں اگر پولیس ہو گی تو ضرور اس طرف توجہ ہو جائے گی اور اگر مجرم ہوئے تو خیر۔۔۔!“

فریدی نے تہہ خانے کے ڈھکن کو دونوں ہاتھوں سے پیٹھا شروع کر دیا۔ قدموں کی آہست رک گئی۔۔۔ وہ بدستور اس تختے کو پیٹھا رہا۔۔۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اور سے بھی کوئی اسے پیٹھ رہا ہو۔

پھر وہ تہہ خانوں کے زینوں پر چڑھا اور تھوڑی دیر بعد پھر وہیں واپس آگیا۔

”میرا خیال ہے کہ تختے کیلوں سے ہڑ دیا گیا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ تو مہبہ نہ اہوا۔“ حمید بے بُسی سے بولا۔

”بلکہ بہت نہ مے سے بھی نہ اہوا۔“ فریدی نے داہنے شانے کو جنیش دے کر کہا۔

”اب کیا ہو گا؟“ حمید بے تابی سے بولا۔

”ہو گا یہ کہ تم تھوڑی دیر بعد فضیل کو بوڑھی کی طرح لکھا لکھا کر کوشا شروع کر دو۔“

## سر بنتھاں کی لاش

فریدی پر خاموشی کا دورہ پڑ گیا۔ شہناز حمید اور مقصود سر گوشیاں کرتے رہے۔ فریدی کو کرٹھنے لگتا اور کبھی بیٹھ جاتا۔ اس نے کئی بار تہہ خانے کا ڈھکن ہٹانے کی کوشش کی مگر ناکام

”آخر اس نے ہمیں کیوں اس چوہے داں میں بند کر دیا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”تکہ من مانی حرکتیں کر سکے۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہمارے خلاف کیپٹن خاور کی روپور تقویت دینے کے لئے ہمارے اس طرح غائب ہو جانے پر آفسروں کا شہبہ بھی یقین میں جائے گا اور وہ کیپٹن خاور کے صحیح قاتل کا پیچھا چھوڑ کر ہماری تلاش شروع کر دیں گے۔“

”کیا کیپٹن خاور کی کوئی روپورٹ آپ کے خلاف ہے۔“ شہناز نے پوچھا۔

”ہاں اس کا تعلق تمہاری ذات سے ہے۔ اس نے یہ روپورٹ کی تھی کہ تم اس کی نال بہن اور ملکیت ہو اور ہم لوگ تمہیں پریشان کرتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”اُف میرے خدا اس کے نے میری نادانشگی میں کیا کیا کر ڈالا۔“ شہناز دانت ٹیس کر لیا۔

”تم آخر اس کے ساتھ رہتی ہی کیوں تھیں۔“ حمید جھلا کر بولا۔

”پھر تم نے بکواس کی۔“ فریدی نے حمید کو گھوڑ کر دیکھا۔

”بکھا میں کیا کر سکتی تھی۔“

”نہیں۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بکواس کی۔

”پھر خاموشی چھا گئی۔۔۔“

"شاید مجرموں نے اس تختے میں کیلیں جو دی تھیں پولیس جنہیں اکھاڑ رہی ہے یا پھر کیلیں جو نا بھول گئے تھے۔ اب بڑر ہے ہیں۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو ہمیں کسی خاص بات کے منتظر رہنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

وہ دونوں یچے اتر آئے۔ بدستور ہتھوڑے چل رہے تھے اور پھر چڑاہٹ کی آواز آڑا چکل پڑا۔ زینوں پر کمی قد مون کی آہٹ سنبائی دی اور اسپکٹر جلدیش کا چہرہ دکھائی دیا۔

"اوہ میرے باپ۔" جلدیش چیخ کر بولا۔ "یہاں تو جانی پہچانی صورتیں نظر آرہی ہیں۔ فریدی آہٹ سے اٹھ کر آگے بڑھا۔

"ارے آپ بھی ہیں۔" جلدیش آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "جی....!" فریدی نے ہونٹ بھیچ کر کہا اور جلدیش کو اس طرح گھورنے لگا جیسے احمد کر بیٹھے گا۔ جلدیش لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"تم نے پہلی بار کس طرح ملاشی لی تھی۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔ "اچھی طرح....!"

"اسی طرح....!" فریدی نے شہناز اور مقصود کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "لیکن آپ لوگ یہاں پہنچ کیسے؟" جلدیش نے پوچھا۔

"اوپر چلو....!" فریدی نے کہا اور زینے کی طرف بڑھ گیا۔ کمرے میں پہنچتے ہی سب سے پہلے اس کی مذہبیہ اپنے بھگے کے پر نندھٹ سے کہنے صاحب پوست مارٹم کی روپرٹ کا کیا رہا۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"تمہارا خیال صحیح تھا۔" پر نندھٹ نے منہ سکوڑ کر کہا۔ "لیکن تم یہاں کیا کر رہے ہے؟" "کھیاں مار رہا تھا۔" فریدی سمجھدیگی سے بولا۔ "دفتر میں چونکہ کافی صفائی رہتی ہے؟" وہاں زیادہ تعداد میں کھیاں دستیاب نہیں ہوتی۔"

فریدی آگے بڑھا لیکن دوسرے ہی لمحہ میں اسے لوٹا پڑا۔ دوسرے کمرے میں اس کے ڈی۔ آئی۔ جی اور سول پولیس کے کچھ اعلیٰ افسر بھی موجود تھے۔

"اس کا مطلب....!" فریدی نے اس کمرے کی طرف اشارہ کر کے جلدیش سے پوچھا۔ "اوہ.... یہاں ایک لاش بھی ہے۔"

"لاش کس کی لاش....!"

"ایک خطاب یافتہ اور معزز انگریز سر بتحال کی۔" جلدیش نے کہا۔ "اوہ....!" فریدی نے آہٹ سے کہا۔ اس کی آواز میں مایوسی تھی۔

وہ سب دوسرے کمرے میں پہنچ۔

"ہیلو فریدی....!" ڈی۔ آئی۔ جی اس کی طرف بڑھا۔

"میں نے جو روپرٹ آپ کو دی تھی اس کے مطابق سب کچھ ہوا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن تم اس وقت یہاں کہا۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"یہی میں آپ سے پوچھنے والا تھا۔"

"سر بتحال کی لاش یہاں پائی گئی ہے۔"

"کہاں ہے۔"

"دوسرے کمرے میں۔"

"وہاں سے سب کو ہٹا دیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "اور مجھے تھا وہاں جانے دیجئے یا آپ بھی

میرے ساتھ چلے۔ آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

وہ دونوں اس کمرے کی طرف چلے گئے۔

جلدیش شہناز کا بیان لکھ رہا تھا۔ حمید اور مقصود نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ پر نندھٹ

نہ انہیں کر دیتے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

تو ہوڑی دیر بعد فریدی منہ لٹکائے ہوئے کمرے سے واپس آیا۔ اس کے چہرے پر مایوسی اور

اکھی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے آہٹ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی بے ولی سے بولا۔

"ویکھئے آخر میرا ہی خیال تھی لٹکانا....!" حمید چک کر بولا۔

شاگرد کس کے ہو۔ فریدی کھیلیں گئی کے ساتھ بولا۔ "اگر استاد نے لٹکست کھائی تو کیا ہوں۔"

وہاں ضروری کارروائی کے بعد یہ پارٹی سر بتحال کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گئی۔ ... شہناز گھر

جید خٹ کال کر بلند آواز سے پڑھنے لگا۔  
”پیارے فریدی....

مجھے امید ہے کہ تم ہوش میں آگئے ہو گے۔ یاد رکھو کہ میرے پچھے پڑنے کا  
تیجہ موت ہے۔ میں بہادروں کی قدر ضرور کرتا ہوں لیکن ایک حد تک.... جہاں  
کسی دلیر نے کم از کم میرے معاملے میں ان حددود سے قدم نکالا میں اسے معاف کرنا  
چھوڑ دیتا ہوں.... سر بیتحال کا حشر دیکھو اور عبرت پکڑو۔ اسے تو میں کسی حالت میں  
بھی معاف کریں نہیں سکتا تھا کیونکہ اسے روپاں کا راز معلوم تھا اور وہ اسے حاصل  
کرنے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ میں تمہارے ملک سے جارہا ہوں۔ بالکل اسی طرح  
یہاں سے نکل جاؤں گا جس طرح تمہارے سلطان تین تہہ خانہ سے نکل گیا تھا۔ اگر  
تمہیں میری قید میں کچھ تکلیف ہوئی ہو تو معاف کرنا.... مجھے افسوس ہے کہ تمہیں  
وہاں دن بھر بھوکارہتا پڑا۔

”فضیل“ (ایا جو کچھ بھی تم سمجھو)

نوٹ: واضح رہے کہ مصر کے جاسوس علی فضیل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔  
جید خٹ ختم کرنے کے بعد تحریر آمیز نظر وں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔  
”یہ چوٹ زندگی بھریا درہے گی۔“ فریدی نہ کر بولا۔  
”آخریہ فضیل ہے کون۔“ جید نے پوچھا۔

”خدا جانے.... لیکن ہے دلیر آدی.... لیونارڈ اور جابر کے بعد یہ دوسرا آدی ملا ہے جس  
نمیجھے اتنی ذہنی اور جسمانی ورزش پر مجبور کیا۔“ فریدی نے کہا اور اٹھ کر ٹیلی فون کے نمبر  
نے لگا۔

”نہیں.... کون بول رہا ہے.... اچھا.... جگدیش.... میں ہوں.... فریدی.... دیکھو  
کی اور اس کے لو اچھین کو سر بیتحال کے قتل کی خبر شائع ہونے سے پہلے ہی حرast میں لینے کی  
شکش کرو۔ ان سے سر بیتحال کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکیں گی.... اوه.... اچھا اگر  
لاؤ قت انہیں پکڑ سکو تو بہتر ہے.... میں صبح آؤں گا.... کم از کم انہیں رات بھر حوالات میں  
رور کھو.... اچھا شے۔“ فریدی نے رسیور رکھ دیا۔

فریدی سر بیتحال کی ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ بھی ہر  
کسر بیتحال کے ڈرائیکٹر روم میں آئی۔

”دو تین دن کے دوران شہر میں چار قتل ہو گئے۔“ ایس پی بولا۔ ”ہم ابھی عکس  
کر سکے۔“

فریدی سمجھ گیا کہ روئے خن کس کی طرف ہے۔ لیکن وہ خاموش ہی رہا۔  
”لیکن سر بیتحال یہاں کس لئے مقیم تھا۔“ محلہ سراغ رسانی کے ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا  
”وہ ہمارے ملک کے آثار قدیمہ کے متعلق ایک کتاب لکھ رہا تھا۔“ فریدی بولا۔  
آپ کی نظر دن سے اس کی کتاب Ruins of Egypt گذری ہو۔.... مصری آثار قدیمہ  
سے اچھی کتاب شاید ہی کسی نے لکھی ہو۔“

”اوہ.... ٹھیک ہے میں نے اس کتاب کی شہرت سنی ہے۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔  
اور پھر کچھ دیر کار دائی کے بعد وہ لوگ وہاں سے رخصت ہو گئے۔

فریدی راستے بھر خاموش رہا۔ جید بھی خاموش تھا۔ اسے سب سے زیادہ کار کے  
ہو جانے کا غم تھا۔ شاید فضیل ہی انہیں تہہ خانے میں بند کر کے ان کی کار بھی اڑا لے گیا  
وقت وہ ٹیکسی کر کے گھر جا رہے تھے۔ سر دی کی شدت سے ان کے دانت نج رہے تھے۔  
گئے تھے۔ شہر آہستہ سنسان ہوتا جا رہا تھا۔

جیسے ہی ٹیکسی کی ہیئت لائسٹ کی روشنی فریدی کی کوئی ٹھیکانے پر پڑی جید اچھا  
فریدی کی کار سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔  
دونوں ٹیکسی سے اتر آئے.... فریدی نے کار میں ہاتھ ڈال کر ہارن دیا اور چوپک  
چھانک کھول دیا۔

ٹھوڑی دیر بعد وہ دونوں ڈرائیکٹر روم میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔  
”فضیل کی دلیری پر حیرت ہوتی ہے۔“ جید بولا۔ ” غالباً ہماری کار وہی یہاں چھوڑا  
اور یہ خط بھی دیکھو! جو اگلی سیٹ پر پڑا ملا ہے۔“ فریدی نے ایک لفاذ جید کی طرف  
ہوئے کہا۔

”بھئی اب تو سونا چاہئے۔“ فریدی جائی لیتا ہوا بولا۔

”دوسرے دن صبح ہی صبح فریدی اور حمید کو تو اسی پہنچے۔ ٹیوی اور اس کی بیوی حوالات تھے۔“

”کیا ان کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا۔“ فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

”گھر میں بھی دونوں تھے۔“ جگدیش نے جواب دیا۔ فریدی ٹیوی اور اس کی بیوی کی متوجہ ہوا۔ ٹیوی کی بیوی حمید کو گھور رہی تھی۔

”کیا بھی وہ آدمی ہے جو اس رات تمہارے گھر کی لائن فیوز کر کے نکل بھاگا تھا؟“

”تھا۔“ فریدی نے اس سے پوچھا۔

”ہاں اس نے کہا تھا کہ وہ اپنے ایک دشمن کو لائے گا جسے مجھے حرast میں رکھنا پڑے گا۔“

”یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ جرم ہے تم نے ایسی حرکت کا ارادہ کیوں کیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”میں جرم کی سزا بھگتے کے لئے تیار ہوں۔“ ٹیوی بیزاری سے بولا۔

”تم کیا کرتے ہو۔“

”ایڈرسن ایڈر ایڈرسن میں فیجر ہوں۔“

”تمہاری بیوی کو تمہاری اس حرکت کی اطلاع تھی۔“

”نہیں....!“

”کیا تم یہ بتاسکتے ہو کہ سر بھحال کے قتل میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟“

”میں بھلا اس کے متعلق کیا بتاسکتا ہوں۔“

”اُس کا کوئی دشمن...!“

”میں یہ بھی نہیں جانتا۔“

”لیکن ابھی تم نے اس کے کسی دشمن کا تذکرہ کیا تھا۔“

”ہاں! لیکن میں نے پہلے ہی کہہ دیا کہ سر بھحال نے مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔“

”گھر تم نے ابھی اس کا اقرار کیا ہے کہ تم اسے کامن ہے پر لا د کر گھر میں لے جادہ ہے تھے۔“

”لیکن میں اس کی صورت نہیں دیکھ سکتا تھا۔“

”اوہ...!“

”لیفٹینٹ مار گن یہاں کب سے مقیم تھا۔“

”تم سر بھحال کو جانتے تھے۔“ فریدی نے ٹیوی سے پوچھا۔

”ہاں...!“

”وہ کون تھا۔“

”میں نہیں جانتا۔“

”کیا سر بھحال نے تمہیں اس کے متعلق کوئی اطلاع دی تھی۔“

”ہاں...!“

”کس وقت...؟“

”دوپہر کو...!“

”اس رات تمہارے گھر میں وہ دوسرے آدمی کون تھے.... اور وہ اب کہاں ہیں۔“

”لیفٹینٹ مار گن اور کپٹن خاور.... لیفٹینٹ مار گن کل انگلینڈ گیا۔“

”کس وقت...؟“

”شام کو...!“

”لیفٹینٹ مار گن سر بھحال کو جانتا تھا۔“

”ہاں...!“

”تمہارا سر بھحال اور ان دونوں سے کیا تعلق....؟“

خوبی دیر بعد اسے سپر شنڈنٹ نے بلوایا۔  
 «زیری کہاں ہے۔» سپر شنڈنٹ نے پوچھا۔  
 «محض علم نہیں۔»  
 «تم جانتے ہو۔»  
 «اب میں کس طرح عرض کروں۔»  
 «اس کیس کے چند ضروری کاغذات اس کے پاس ہیں۔»  
 «میرا خیال ہے کہ وہ تفیش ہی کے سلسلے میں کہیں گے ہیں۔» حمید نے کہا۔  
 «لیکن میں نے یہ کیس دوسروں کے پرد کر دیا ہے۔»  
 «لیکن فریدی صاحب کو اس کا کیا علم....!»

«اب ہو جائے گا علم۔» سپر شنڈنٹ ہونٹ بھیج کر بولا۔ «جاوہ جا کر اپنا کام کرو۔» تقریباً دو بجے فریدی آفس پہنچا۔ وہ بھی بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ سپر شنڈنٹ نے اسے اپنے لمرے میں طلب کر لیا۔

«اس کیس کے کاغذات داخل کر دو۔» سپر شنڈنٹ نے کہا۔  
 «میں آپ سے کمی بار عرض کر چکا ہے....»  
 «بس بس....!» سپر شنڈنٹ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ «میں ڈی۔ آئی۔ جی کے حکم کے مطابق ایسا رہا ہوں۔ لیو.... ان کی تحریر۔»

پر شنڈنٹ نے ایک کاغذ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔  
 «اہ....!» فریدی اسے پڑھنے کے بعد پر شنڈنٹ کی طرف دیکھنے لگا۔  
 پر شنڈنٹ طریقہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔  
 «یہ لجھے۔» فریدی نے کچھ کاغذات جیب سے نکال کر میز پر ڈال دیے۔  
 پر شنڈنٹ انہیں بنور دیکھنے لگا۔  
 فریدی کی جانے کے لئے اٹھا۔

«یہ جاؤ۔» سپر شنڈنٹ بولا۔ «اب تک کی تفیش کی روپورٹ کہاں ہے۔»  
 «انہیں کاغذات میں ہے۔»

“ایک ماہ سے۔”  
 “کیوں آیا تھا۔”

“مجھ سے ملنے... اور شکار کھینچنے۔”  
 «کیپشن خاور اور لیفٹینٹ مار گن کو سر بیتحمال کی اس رات والی حرکت کی اطلاع تھی۔»  
 “صرف لیفٹینٹ مار گن جانتا تھا۔”  
 “کیپشن خاور اس وقت تمہارے یہاں کیا کر رہا تھا۔”  
 “ہم تینوں فلاں کھیل رہے تھے۔”  
 “تم ایک دوسرے جرم کا اعتراف کر رہے ہو۔” فریدی مسکرا کر آنکھ مارتا ہوا بولا۔  
 خاموش ہو گیا۔

پھر فریدی اس کی بیوی کو الگ لے گیا اور کافی دیر تک اس سے گفتگو کرتا رہا۔ جب وہ  
 پھر بیوی کی طرف آیا تو بیوی نے پوچھا۔

“ہمیں حوالات میں کیوں رکھا گیا ہے؟”  
 «محض اس لئے کہ تم لوگ سازش کر کے ایک آدمی کو اپنے گھر میں بندر کھانا چاہتے  
 فریدی نے کہا اور کوتولی سے چل دیا۔ حمید کو حیرت تھی کہ آخر وہ اسے اپنے ساتھ کیوں  
 لے گیا۔ دس بجے حمید دفتر چلا گیا۔ وہاں بھی فریدی سے ملاقات نہ ہوئی۔ حمید کی سمجھ میں  
 آرہا تھا کہ فریدی اب کیا کر رہا ہے۔

شہر کے سارے اخبارات میں سر بیتحمال کے جیرت انگیز قتل کی واسτانیں شائع ہوئی  
 بعض اخباروں نے رومنا کا بھی حوالہ دیا تھا اور لکھا تھا کہ دلکشا ہوش سے لے کر سر بیتحمال  
 جتنے بھی قتل ہوئے ان کے پیچے ایک منظم سازش کام کر رہی تھی۔ پولیس دو افراد کی تلا  
 ہے۔ ایک جبار اور دوسرا ایک غیر ملکی جس کا صحیح نام پولیس کو بھی نہیں معلوم ہوا۔  
 اخباروں نے محمد سراج رسانی پر بھی بلکل پچھلی چوٹیں کی تھیں۔  
 پر شنڈنٹ صاحب کافی بشاش نظر آرہے تھے۔ انہوں نے ڈی۔ آئی۔ جی سے مشورہ  
 یہ کیس دوسرے انسپکٹر کے پرد کر دیا۔  
 حمید نے یہ چیز شدت سے محسوس کی۔ مگر وہ خاموش رہا۔ کہتی کیا سکتا تھا۔

”ہرے کیوں....؟“ حمید اچھل کر بولا۔  
”ہم اب اس ملکے میں کام نہیں کریں گے۔“  
”بھروسے!“

”پرانے کوٹوں کی تجارت کریں گے۔“ فریدی نے بڑی سمجھی سے کہا۔  
دفتر کے لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو گئے مگر وہ اوت پنال باتیں کر تاریخ

## حمید کی الجھن

حمد الجھن میں بٹلا ہو گیا۔ لیکن فریدی کے مجبور کرنے پر اسے استغفار کھٹا ہی پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اس وقت وجہ نہ بتا سکے گا اور جب وہ استغفار لے کر پرمنڈنٹ کے کرے میں گیا تو اس نے دیکھا کہ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا رہی طرح ہاپ رہا ہے۔

”ایا ہے۔“ اس نے گرج کر پوچھا۔

”استغفار!...!“ حمید نے کافند میز پر رکتے ہوئے کہا۔

”اٹ آٹ!...!“ وہ حلق کے مل چینا۔

حمد چپ چاپ کرے سے نکل آیا۔

دفتر کے سب لوگ تمیر تھے کہ معاملہ کیا ہے۔ انپرتوں جو فریدی سے حد رکھتے تھے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر متین خیر انداز میں مسکرا رہے تھے۔

فریدی اور حمید وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راستے میں حمید نے پوچھا۔

”آخو آپ نے کیا کیا....؟“

”چپ رہو!...!“ فریدی گزر کر بولا۔ ”جو میں نے مناسب سمجھا کیا۔“

حمد خاموش ہو گیا۔

”وکھوڑ خوردار!...!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”یہ دنیا سائے قافی ہے۔“

حمد حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں اب ان لفויות سے ننگ آگیا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”کچھ آرام بھی کرنا چاہئے۔“

”یہ روپورٹ تو نہیں۔“ پرمنڈنٹ ایک کافند فریدی کی طرف بڑھا کر بولا۔ ”محض ہیں۔“

”یہی میرا طریقہ کار ہے۔“ فریدی لاپرواٹ سے بولا۔ ”میں کسی کیس کو ختم کرنے کے لئے مکمل روپورٹ لکھا کرتا ہوں۔“

”اب تک کی رویداد لکھ دو۔“ پرمنڈنٹ بولا۔ فریدی نے اپنے لکھے ہوئے نوٹ والا کاغذ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور ایک سادے لکھنے لگا۔

”مکمل روپورٹ یہ ہے کہ اس کیس میں بڑی طرح ناکامیاں رہا۔... کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے کہ آیا ہے پر درپے قتل کے واقعات سے کوئی نسبت دی جاسکے۔... مجرم نے مجھے اور سارے حمید کو تھہ خانہ میں بند کر دیا تھا۔... اس سلسلے میں ایک مشکوک آدمی جبار خان کی مجھے تا تھا کہ فریدی اس وقت وجہ نہ بتا سکے گا اور جب وہ استغفار لے کر پرمنڈنٹ کے کرے میں گیا تو تھی..... اور مجرم جس نے مجھے تھہ خانہ میں بند کیا تھا کوئی غیر ملکی معلوم ہوا تھا۔“

فریدی نے روپورٹ لکھ کر پرمنڈنٹ کی طرف بڑھا دی۔

”بن!...!“ پرمنڈنٹ نے طنز آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”جی!...!“

”میں مفصل روپورٹ چاہتا ہوں۔“

”میں نے سب کچھ لکھ دیا ہے۔“

”تفصیل نہیں ہے۔“

”اور زیادہ کاغذ خراب کرنے سے کیا فائدہ۔“ فریدی نے سمجھی گی سے کہا۔ ”کہنے تو یہ لکھ دوں کہ اس تفتیش کے دوران میں بد تحریری برداشت نہیں کیا۔... ایک دن بھر کھانتا رہا۔“

”اوہ!...!“ پرمنڈنٹ میز پر پیپر دیٹ ٹھنڈ کر چینا۔ ”میں بد تحریری برداشت نہیں کر سکتا تو یہ میرا استغفاری حاضر ہے۔“ فریدی نے جیب سے ایک تھہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میز پر دیا اور مسکراتا ہوا کرے سے نکل گیا۔

”حید!...!“ وہ حمید کی میز کے قریب جا کر بولا۔ ”اپنا استغفاری لکھو۔“

بسا وقت کے لئے بچنے پرانے کوٹوں کی تجارت کافی معمول رہے گی۔

”میں... میں...!“ حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”خیر معلوم ہوا کہ تم کبکیوں کی تجارت کرتا چاہتے ہو۔“ فریدی نے کہا اور کارڈ کے سامنے کھڑی کر دی۔

”آؤ کافی پین گے۔“ فریدی نے کارڈ سے اترے ہوئے کہا۔

حمد نبی طرح جھلایا ہوا تھا۔ لیکن اس نے اپنی جھلائیت کا انہصار کرنا مناسب نہ نہ سوچا کہ کہیں فریدی یہ نہ سمجھے کہ اس نے اسے استغفار دینے پر مجبور کر کے بور کر حمید کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ اس نے استغفار دے دیا بلکہ الجھن اس بات کی تھی کہ آزادی کیوں گیا وہ اس کی وجہ جانا چاہتا تھا مگر فریدی کے روایے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس روشنی نہ ڈالے گا... آخر کیوں...؟

دونوں نے ہوش میں کافی پی۔ کچھ پیش ریاں کھائیں اور دری رک بیٹھے ادھر ادھر کرتے رہے۔ حمید نے بھی تھوڑی دیر بعد یہ ظاہر کرنا شروع کر دیا جیسے آج کوئی اہم بات نہ ہو۔

”آج میں نے ایک ہاتھی کو دیکھا جو ایک بوٹ میں گھنسنے کی کوشش کر رہا تھا۔“

”اچھا تم نے بھی دیکھا تھا۔“ فریدی سمجھی گی سے بولا۔ ”میں تو سمجھا تھا کہ صرف میں راز سے واقع ہوں۔“

”اگر مہادث کو دکر الگ نہ ہو گیا ہوتا تو وہ بیچارہ بھی بوٹ میں بیٹھ جاتا۔“ حمید۔

”اچھا۔“ فریدی نے اپنے چہرے سے تشویش کا انہصار کرتے ہوئے کہا۔ ”دیکھیں میں سیاست پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔“

شاید قطب شامل میں ہندو مسلم اتحاد ہو جائے۔ حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی اسے آنکھ مار کر مسکرا دیا اور حمید نے کسی عصمت ماب عورت کی طرح سر جھکایا۔ ... دونوں کافی دیر رک بیٹھے بے سر پا باتیں کرتے رہے۔

”مگر بچنے کر جید اپنامان اکٹھا کرنے لگا۔“

”یوں بھی یہ کیا کر رہے ہو...؟“ فریدی نے پوچھا۔

”گھر جا رہا ہوں جو کچھ پیں انداز کیا ہے اس سے چند بھینیں خرید کر دودھ کا کاروبار کروں گا۔“

”چھ... تمہارے یہ نرم و نازک ہاتھ بھینیوں کا گوبرنٹ صاف کر سکیں گے۔“ فریدی

کہا۔ ”مجھے ایک پرائیوریٹ سیکریٹری کی ضرورت ہو گی۔“

”کتنی تجوہ دیں گے آپ...؟“

”سب کچھ تمہارے ہے پیارے۔“ فریدی نہیں کر بولا۔ ”میں واقعی سمجھدہ ہوں... میں نے

کی سایت کا پروگرام بنایا ہے ایسی صورت میں مجھے ایک پرائیوریٹ سیکریٹری کی ضرورت ہو گی۔“

حمد چمک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”دنیا کی سایت۔“ حمید نے آہستہ سے دہرا دیا۔

”ہاں... سب سے پہلے ہم مصر چلیں گے۔“ فریدی ادھر ادھر دیکھ کر آہستہ سے بولا۔

”اوہ... تو یہ کہنے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ ”لیکن کس طرح۔“

”بھری راستے سے۔“

”لیکن اگر وہ ہوائی جہاز سے چلا گیا تو۔“

”وہ اتنا حقن نہیں ہے۔“

”یوں اس میں حماقت کی کیا بات ہے۔ ممکن ہے وہ بہاں سے جائے ہی نہیں۔“

”بات دراصل یہ ہے کہ اب میں نے اس کا خیال ہی چھوڑ دیا ہے۔“

”مگر...؟“

”مجھے دیکھا ہے کہ علی فضیل کی موت کن حالات میں ہوئی تھی۔“

”لیکن علی فضیل کے متعلق بھی آپ کو اسی سے معلوم ہوا تھا۔“ حمید نے کہا۔ ”کون جانے

سنانے یہ بات بھی غلط کیوں ہو۔“

”نہیں مجھے اس میں شبہ نہیں۔ حینہ علی فضیل ہی کی لڑکی تھی۔ آج ہی مصر سے میرے

ارکا جواب آیا ہے اور اسی سے معلوم ہوا ہے کہ علی فضیل کے ایک ہی لڑکا تھا، جو اس کے قتل۔

کے کم و بیشان بعد قتل کر دیا گیا تھا۔“

"تو پھر استغفاری دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

"مصلحت....!" فریدی نے کہا۔ " مجرم خطرناک ہے آسانی سے دھوکا نہیں کھا سکتا"

" تو کیا پر نہذنٹ سے آپ کی لڑائی بھض دکھاوا تھی۔"

" وہ بتچارہ تو یہی سمجھا ہے کہ وہ سو فیصدی حقیقت ہے۔"

" بہر حال اب تو آپ استغفاری دے ہی پچک۔" حمید بولا۔

" اس میں کسی شبے کی گنجائش نہیں۔" فریدی نے کہا۔

" تو پھر اب آپ یہ سب دردسری کوں مول لے رہے ہیں۔"

فریدی جواب دینے ہی والا تھا کہ نوکر ایک کارڈ لے کر اندر آیا۔

" اوہ....!" فریدی کارڈ کیکے کر بولا۔ " بیچ دو۔"

تحوڑی دیر بعد ایک وجہہ آدمی کرے میں داخل ہوا۔ اس کے سہرے ملامم اور شکل پیشانی پر لا رہے تھے۔ لیاس اس نے اچھا پہنچ رکھا تھا۔ لیکن اس کی بے ترتیبی سے ظاہر ہوا کہ وہ حدود رجلا پرواہ واقع ہوا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر ایک قسم کی مکراہست تھی۔ ایسی مکراہست زہر خندہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ حمید نے اسے دیکھ کر نفترت سے منہ سکوڑ لیا۔ اس برخلاف فریدی کے لجھ میں تپاک تھا۔

" آؤ.... آؤ.... انور.... مجھے توقع تھی کہ تم ضرور آؤ گے۔"

انور نہ کرایک صوفی پر بیٹھ گیا۔

" غالباً تم استغفاری دینے کی وجہ پر چھنے آئے ہو۔"

" اور آپ صحیح و جب کبھی نہ بتائیں گے۔" انور نہ کر بولا۔ " لیکن تم اس طرح بھی صحیح و معلوم کر سکو گے۔"

انور ہنسنے لگا۔

" بہر حال تم نہیک موقع پر آئے۔" فریدی بولا۔ " میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے اخبار میں مگر اس قسم کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔ لیکن آج تک کوئی میرا کچھ نہ بگاڑ سکا۔"

" چھوڑو.... چھوڑو.... ان فضول باتوں کو۔" فریدی اکتا کر بولا۔ " مکام کی بات کرو۔ دیکھو

" بس بس میں سمجھ گیا۔" انور نے کہا۔

" اسی لئے میں کہتا ہوں کہ تم بہت ذہین ہو۔" فریدی بولا۔

" مگر ایک چیز...! " انور بولا۔ " یہ جبار کہاں سے آکوڈا۔"

فریدی نے جبار والا واقعہ بھی اُسے بتادیا۔

" اس کیس کے متعلق میں نے پوری داستان خود یہی مکمل کی ہے۔"

انور جیب سے کچھ تہہ کئے ہوئے کاغذات نکال کر بولا۔ " آپ دیکھئے کہ میں کہاں تک ایسا بھاول۔"

فریدی کاغذات کو پڑھتا رہا۔ درمیان درمیان وہ سر اٹھا کر حیرت زدہ نظر وہ اور کی لرف دیکھ لیتا تھا۔

" واقعی تم ایک کامیاب کرامہ رپورٹ ہو۔" فریدی نے کہا۔ " اس میں بعض جگہ تم نے بھض نیس سے کام لینے کی کوشش کی ہے۔ خیر میں ٹھیک کئے دیتا ہوں۔"

فریدی ایک سادے کاغذ پر کچھ لکھنے لگا۔ تحوڑی دیر بعد اس نے وہ کاغذ اسکی طرف بڑھا دیا۔

" اوہ تو اس کا یہ مطلب کہ میری رپورٹ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ تو آپ کو اُسی غیر ملکی مجرم نے تہہ خانے میں بند کیا تھا۔"

" ہاں....!"

" اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

" چھلا دا ہے۔" فریدی بولا۔ " اس قسم کے کروڑ صرف جاؤسی نادلوں ہی میں نظر آیا کرتے تھے۔"

اور آپ کیا فرماتے رہے ہیں۔ انور نے طنزیہ انداز میں مکرا کر حمید کی طرف اشارہ کیا۔

" دیکھو تم مجھ سے نہ البتا۔ ... ورنہ....!"

ورنہ آپ رو دیں گے۔" انور نے جملہ پورا کر دیا۔

فریدی ہنسنے لگا۔

" خیر خیر اگر کبھی میری گرفت میں آگئے تو بولیاں اڑا دوں گا۔" حمید جھلا کر بولا۔

" تم پورا عالی کیا محصر ہے۔" انور نہ کر بولا۔ " اس شہر کی پولیس کے سارے ناکارہ آفیسر مجھے

ناکاری کی ایک لمبی چھوڑی داستان چھاپ دو۔"

" چھوڑو.... چھوڑو.... ان فضول باتوں کو۔" فریدی اکتا کر بولا۔ " مکام کی بات کرو۔ دیکھو

اپنے مکون میں میری جتنی بھی تو یہی ملکن ہو اس سے باز نہ آتا۔"

”یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔“ انور جلدی سے بولا۔ ”میرے دل میں آپ کیلئے برا احترام ہے۔ لیکن یہ تم میری اجازت سے کر دے گے۔“ فریدی نے مسکرا کر آکھ مارتے ہوئے کہا۔ چاہتا تھا۔ حمید کو بولنا پڑا۔ ایک واقعی ضرورت ہے۔“

”غیر جیسا آپ کہیں۔“ انور نے کہا۔ تھوڑی دیر تک ادھر اور ہر کی گفتگو کرتے رہے۔ دونیں سینے کے عادی نہیں۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ فریدی صاحب اس محلہ میں محض شوق بعد انور چلا گیا۔

”بہت کام کا آدمی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”بلکہ اذیں ہے۔ اسے ایک بہترین جا سوں بنانے کا بھری داشتہ ہے۔“ اور میں نے کیوں استغفار دیا یہ ایک دن بھری داشتہ ہے۔“

”کیوں تم نے کیوں استغفار دیا۔“ جملہ نے پوچھا۔

”میں اب شادی کرنا چاہتا تھا۔“ حمید نے سمجھ گی سے کہا۔

”تو اس سے استغفار دینے سے کیا مطلب۔“ جملہ نے پوچھا۔

”میری مغتیر طالازمت کوئی سمجھتی ہے۔“ حمید بولا۔ ”وہ چاہتی ہے کہ میں دودھ کی تجارت اور مشکل ہی ہے۔ بیہاں کے سارے آفسروں کی دکھتی ہوئی رگوں پر اس کا۔“

”تو کیا دودھ والی ہے۔“ ایک صاحب نے پوچھا۔

”میں نہیں میرے بچوں کو دودھ پلانے والی ہے۔“

اس پر تقدیر پڑا۔۔۔ اور حمید انگوٹھا جو نہ لگا۔

تھوڑی دیر بعد یہ مجھ بھی برخواست ہو گیا۔

”اب کیا کرنا چاہئے۔“ حمید نے کہا۔

”تم آخر اس طرح الجھ کیوں رہے ہو۔“ فریدی نے پوچھا۔

”کمال کیا آپ نے؟“ حمید جلا کر بولا۔ ”بھروسی کی بات ہی ہے۔“

”قطیعی بھروسی کی بات نہیں۔“ فریدی نے کہا اور انٹھ کر ٹھیلنے لگا۔

”تھوڑی دیر بعد میں فون کی گھنٹی بھی اور فریدی کسی سے گفتگو کرنے لگا۔ تقریباً دس بجے

اتک تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد فریدی نامعلوم اشخاص کو فون کر تارہ۔ حمید نے کچھ

چھٹا چلا گیا۔ فریدی کے رویے نے اسے باز رکھا۔ وہ اس کی سرنشست سے اچھی طرح واقف تھا۔

نبہ وہ کچھ تھا جاہتا تو خود ہی اگل دیتا۔ ویسے لاکھ سر پتختے دیواریں قبول سکتیں تھیں لیکن فریدی

”آخر آپ نے اسے اس قدر منہ کیوں لگا کر ہے۔“ حمید جلا کر بولا۔

”کہاں کام کا آدمی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”بلکہ اذیں ہے۔ اسے ایک بہترین جا سوں بنانے کا کام کیے تھوڑی سی ٹریننگ کافی ہو گی۔“

”میں اسے اچھا نہیں سمجھتا۔“ حمید نے کہا۔

”میا اس لئے کہ وہ پولیس والوں سے اپنا حق وصول کرتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”کہاں کی دن گردن نب جائے گی۔“ حمید نے کہا۔

”اور مشکل ہی ہے۔ بیہاں کے سارے آفسروں کی دکھتی ہوئی رگوں پر اس کا۔“

”..... شام کی کوئی اسے چھیرنے کی ہست کر سکے۔“

”مجھے اس نے کبھی چلتی نہیں کیا۔ ورنہ میں مرا چکھا دیتا۔“ حمید نے کہا۔

”غیر غیر چھوڑو بھی کہاں کی باتمی نکال بیٹھے۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ تمہیں چھیرنے کیوں لگا۔“

”کیا آپ نے اس وقت اس کا انداز نہیں دیکھا۔“ حمید نے کہا۔

”بھی وہ ہے تھی اس قسم کا۔۔۔ بڑی زہر لی باتیں کرتا ہے۔۔۔ میں اس کی چچلی زندگی۔ واقف ہوں۔۔۔ اسے بہت ستایا گیا ہے۔“ تم نہیں جانتے جب کوئی ذہین اور تعلیم یافتہ آدمی مل کا میوں سے نکل آ جاتا ہے تو اس کی ساری شخصیت صبر کی تکنیکوں میں ڈوب جاتی ہے۔“

”غیر چھوڑیے۔“ حمید اکتا کر بولا۔ ”ہمارا دوسرا قدم...!“

”حالات پر منحصر ہو گا۔“ فریدی نے کہا اور سرکار سلاکا کر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

شام تک فریدی کے گھر پر اچھا خاصاً مجھ اکٹھا ہو گیا۔۔۔ اس میں سرکاری اور غیر سرکاری

تم کے لوگ تھے۔ وہ فریدی کے استھنے دینے کی معقول وجہ جانا چاہتے تھے۔۔۔ فریدی انہیں ہا

”اور اس کے بعد۔“

”بھماری پوچا کی جائے گی۔ آرتی اتاری جائے گی۔ پھول چڑھائے جائیں گے۔ فریدی بھینگنگر بولا۔ حمدناک بھوں سکیٹر کر اٹھا۔

اور تھوڑی دیر بعد اس کے منہ سے بکلی بکلی چینیں نکلنے لگیں۔ فریدی اس کے رخساروں کو طرح کھرج رہا تھا۔

”عیب نکلے آدمی ہو۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”میں ذرا خوبصورت قسم کا میک اپ کرنا تماہول اور تم مرے جا رہے ہو۔ تمہیں شاکد نہیں معلوم کہ میرے گلوں سے تقریباً ایک اک غبان نکل جکائے۔“

جید خاموش ہو گیا اور جب وہ آئینے کے سامنے گیا تو اپنی صورت دیکھ کر جھیک پڑا۔ وہ ایک بیرون کا انگریز معلوم ہو رہا تھا۔

”لیکن تم انگریز نہیں ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”جنوبی امریکہ کے باشندے ہو.... رویڈی جیز و کے رہنے والے۔“

”نہیں میں ریوڈی ڈان کچھ اکیاٹ کارہئے دالا ہوں۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ اور  
وہ فریضہ اٹھا کر، ”

ایک حلقہ تذکرہ کرتا "فیروز مسکرا کے نوازا" "اس دلائک" "پوری سر ہیر امدادی"۔

اور حضور کا پیشہ۔ "حمد نے آہستہ سے بوچھا۔

”ایک ایسا یار یہ یو سٹ ایجاد کرنے کا چکر جس میں مرغخ کے باشندوں کی آوازیں سنی گئیں۔“ فریدی بولا۔

“کن بگزیر!“

..... حضرة کاظم

صور کوئی سیدھا سا.... میں خود یہ نام بھول جاؤں گا۔“

”مکلارنس...!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”زبان کو فہی بولنی رہے گی۔“

انگریزی ...!

”لہجہ کہاں سے آتا ہے“

نہیں۔ وہ ساری رات حمید نے الجھوں میں گذاری۔ بظاہر وہ سارا دن ہستار ہاتھا لیکن اس کا ذکر جانے کتنی جھلاہٹوں کا شکار تھا۔ سراغِ رسانی کا یہ طریقہ کم از کم اُس کے لئے بالکل یعنی تھا۔ میں استغفار ہینے کی کیا ضرورت تھی۔

دوسرے دن وہ دن بھر گھر ہی پر رہا اور فریدی نہ جانے کہاں مارا مارا بچرا۔ گھر  
آکر اس نے کوئی معقول بات نہیں کی۔ حمید کے کسی سوال کا کوئی تشفی بخشن جواب نہیں دیا۔  
علوم ہوڑا تھا جیسے وہ خود بھی کسی شدید قسم کے ذہنی اضطراب میں جتنا ہوا اور بعض اوقات  
محسوس ہوتا کہ وہ بالکل خالی الذہن ہے..... دو دن اسی طرح گزر گئے۔ اس دوران میں اگر  
ملنے کے لئے آجاتا تو اس سے کہلوادیتا کہ فریدی گھر پر موجود نہیں ہے۔ حمید سب کچھ دیکھ رہا  
اور الجھ رہا تھا۔ فریدی کا مودعا تنا خراب تھا کہ کچھ پوچھنے کی ہمت ہی نہیں پڑتی تھی۔ آخر حیر  
بینقدیر ہو کر بیٹھ رہا اور اس کے علاوہ چارہ ہی کیا تھا۔

چرمی ہند بیگ

اچانک ایک رات فریدی نے سامانِ اکٹھا کرنا شروع کیا۔ چار پانچ بڑے بڑے سوٹ کیہا میں کپڑے رکھے گئے۔ اس میں حمید کے بھی کپڑے شامل تھے۔ نئے نئے ہولڈال نکالے گئے۔ کے علاوہ اور بھی بہتیرا تیمتی سامان اُس پر رکھا گیا اور گازی چلی گئی۔ حمید نے کچھ پوچھتا چاہا۔ جواب ندارد۔

تقریباً ایک بجے رات کو کسی نے حمید کو جگایا اور حمید اتنی رات گئے اپنے کمرے میں اب  
غیر ملکی اجنبی کو دکھ کر بھو نہ کارہ گیا۔

”ڈر و نہیں میں پروفیسر لائلکلی ہوں۔“ اس نے کہا اور حمید اس کی آواز بچان گیا۔  
”آف میں کیا کروں۔“ حمید اپنے زانو پر ہاتھ مار کر بولا۔

”جلدی کرو! تھمارے میک اپ میں بھی تقریباً ایک گھنٹہ لے گا۔“

”مگر... پھر کیا ہو گا؟“

”ہکا کر بولنا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور پھر تمہیں زیادہ بولنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“  
”لیکن ایک دوسری دشواری۔“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔  
”میا...!“

”میں سوتے وقت اردو میں بڑھانے کا عادی ہوں۔“

”اور میں ایسے موقعوں پر تمہارا گلا گھونٹ دینے کے امکانات پر غور کرنے لگتا ہوں۔ فریدی جھلا کر بولا۔

”چنان کہاں ہو گا۔“

”جہنم میں۔“ فریدی نے کہا۔

”خیر چلنے دروازے تک آپ کو پہنچا کر لوٹ آؤں گا۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہمارا جہاز...! صبح آٹھ بجے روانہ ہو جائے گا۔“ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

”بہاڑ...!“ حمید اچھل کر بولا۔

”ہاں ہم مصروف ہے ہیں۔“

”اور آپ نے اب بتایا ہے۔“ حمید جھلا کر بولا۔

”کیوں کیا شہر بھر سے گلے کر رخصت ہونے کا ارادہ تھا۔“ فریدی طریقہ انداز میں بولا۔

”مگر یہ بھی... کوئی...!“

”بکومت...!“

”میں یہ کہہ رہا تھا کہ پاسپورٹ وغیرہ۔“

”اس کا میں انتظام کر چکا ہوں۔“

”کہاں سے انتظام کر لیا ہے.... پاسپورٹ پر تصویریں بھی تو لگائی جاتی ہیں۔“

”کیا یہ مفلکارنس کی تصویر نہیں ہے۔“ فریدی نے حمید کی گردن پکڑ کر کہا۔

”تمہاری دیر بعد دونوں باغ کی دیوار کی ڈیڑھ فٹ اوپری بدر دیسے باہر نکل رہے تھے۔ یہیے

”آپ بھی بس مجرمے دکھایا کرتے ہیں۔“ حمید نے پلٹ کر کہا... لیکن فریدی کرے میا

”نہیں تھا۔

”حید ایک کرسی پر بیٹھ کر پاپ لے گانے لگا۔

”اتنے میں فریدی اندرا آیا۔“

”سنوا ہمارے مکان کی نگرانی ہو رہی ہے۔“ فریدی بولا۔

”لیکن کس کی طرف سے۔“

”یہ میں نہیں جانتا۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ممکن ہے کوئی سرکاری جاسوس ہو۔“

”سرکاری جاسوس...!“ حمید نے حیرت کا انہدما کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں... ہمارے پرشنڈٹ سے کچھ بید نہیں۔“ فریدی بولا۔ ”اتنا حق آدمی میں نے آنکھ نہیں دیکھا۔“

”تو پھر اب کیا کیجئے گا۔“

”میں نے ابھی چھانک کے سامنے ایک آدمی دیکھا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں نہ ہم کسی کے تک کو اس نے پیچھے لگادیں۔“ حمید نے کہا۔

”میں یہ نہیں چاہتا۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”پرشنڈٹ کی یہ حرکت ہمارے حق میں بُری نہیں اور پھر ممکن ہے کہ وہ مجرموں ہی کا آدمی ہو۔“

”پھر کس طرح باہر چلے گا۔“ حمید بولا۔

”باتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں بنے تو کروں کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ ہماری عدم موجودگی میں ہمارے متعلق کسی کو کوئی تشکیل بخش جواب نہ دیں۔“

”اس سے فائدہ۔“

”اس سے یہ فائدہ ہے کہ مجرم ہمارے متعلق کسی خاص سمت میں گھوڑے نہ دوڑا سکیں گے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اچھا آؤ جلدی کرو۔ ہم باغ کے پشت والی بدر دیسے فریبیے باہر نکلیں گے۔“

”لا ہول ولا قوۃ۔ یہ مجھ سے نہ ہو گا۔“

”ہو گا کیسے نہیں۔“ فریدی نے حمید کی گردن پکڑ کر کہا۔

”تمہاری دیر بعد دونوں باغ کی دیوار کی ڈیڑھ فٹ اوپری بدر دیسے باہر نکل رہے تھے۔ یہیے عافریدی نے باہر سر نکالا ایک سایہ سامنے سے ہٹ کر دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔

”میں پہنچاں گیا...!“ فریدی نے باہر نکل کر کہا۔ ”چھپنے کی ضرورت نہیں۔“

”حمد بھی باہر نکل آیا...“ فریدی ایک آدمی کے پیچھے دوڑ رہا تھا... حمید نے ریو اور نکال

لیا۔ چند لمحوں میں فریدی نے اسے جالیا۔

”اور تم اتنے چالاک نہیں ہو کہ مجھے دھوکا دے سکو۔“ فریدی نے بھاگنے والے کو روکر ”آپ نے اندر ہرے میں مجھے کیسے پہچان لیا۔“ اور بولا۔

”پہچان لیا کسی طرح۔“ فریدی نے کہا۔ ”پھاٹک کی طرف کون ہے۔“

”کوئی ہے.... میں نہیں جانتا۔ میں سمجھتا تھا کہ اس کی موجودگی میں آپ میں کسی راستہ کریں گے۔“ اور نے کہا۔

”خبر یاد رکھو کہ اس کے متعلق اگر تمہارے اخبار میں ایک لفظ بھی چھپا تو اچھا نہ ہوا۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ میں اخبار کے لئے نہیں بلکہ اپنی معلومات کے لئے کر رہا ہوں۔“ اور نے کہا۔

”خیر.... مگر مجھے یہ مت پوچھنا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔“ فریدی بولا۔

”میں جانتا ہوں۔“ اور نے کہا۔

”جو کچھ بھی جانتے ہو اپنے ہی تک مدد و رکھنا۔“ فریدی نے کہا۔

”اور اگر ہو سکے تو میری عدم موجودگی میں اپنے اخبار کے ذریعہ مجرموں کو غلط راستے کی گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا تھا لیکن وہ موسم لگانے کی کوشش کرنا۔“

”اواس کی قیمت....؟“

”واپسی پر ادا کروں گا۔“ فریدی نے کہا۔

”بہت اچھا... گذشت۔“ اور نے فلکت ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکایا اور تھوڑی دورہ اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

”کولبیا یونیورسٹی کا ایک پروفیسر....!“ فریدی نے جواب دیا اور پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”تم نے خصوصیت سے اسی کے متعلق کیوں پوچھا... اور غالباً اب تم مجھے اس کے چری ہینڈ کے متعلق پوچھو گے۔“

”جید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

چاروں طرف تار کی چھلی ہوئی تھی۔ سردی بیٹیوں میں گھستی محسوس ہو رہی تھی۔ دونوں ہندرہ کوٹ کے کارکھڑے کر لئے، فلکت ہیٹوں کے گوشے چہروں پر جھکا لئے۔ سنان سڑک کا اُن کے قدموں کی آواز دور تک چھلتی معلوم ہو رہی تھی۔ دونوں اس وقت بندرگاہ پر پہنچا۔

”تو پھر آپ اس بوڑھے اگریز میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔“ جید نے پوچھا۔

”محض تمہارے لئے۔“ جہاز کی روائی میں صرف پندرہ منٹ رہے گئے تھے۔ انہیں اپنے کیben تلاش کرنے میں زیادہ تر:

موت کی آندھی

بلد نمبر 4

پروفیسر نے کہا۔ ”سنو... میرا ایک دوست ریڈیو میں کچھ نئے تجربے کر رہا ہے۔ اچاک

”ٹھیک فرمایا آپ نے۔“ حمید جل کر بولا۔ ”آپ مجھے اس قابلِ رہنے ہی کب دریں کہی گوئا بنا دیا اور کبھی ہکلا۔“

فریدی نے تھوڑہ لگایا۔

”اوہ ج....!“ فریدی نے اسامنہ بنا کر بولا۔ ”میں سمجھا تھا شائد کوئی خاص بات ہو گی۔“

”خاص بات....!“ پروفیسر نے حریت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ کوئی خاص بات ہی نہیں۔“

”باکل نہیں....!“ فریدی نے پتہ چھکتے ہوئے لاپرواٹی سے کہا۔ ”کوئی تمہارے دوست کو

قریب ہی کی ایک میز پر بیٹھا کافی بی رہا تھا۔ اُس کے سامنے ایک کانفذ پڑا تھا۔ جسے ”اے یو تو فی بارہا ہے۔“

”کیا مطلب....!“

”اُرے جتاب۔“ فریدی نے میز پر پتے رکھ دیے اور پروفیسر کی کی طرف مڑ کر بولا۔ ”میں

لے اپنی عمر جھک مارنے میں نہیں گذاری۔“

”میں یہ نہیں کہہ رہا۔“ پروفیسر مسکرا کر بولا۔

”کیا آپ کا دوست کی اوچی جگہ رہتا ہے۔“

”ہاں وہ میکیکو میں رہتا ہے۔“

”نہیں تو وہ کسی کی منتشر کی ہوئی ریٹیلیاٹی لہروں سے یہ قوف بن رہا ہے۔“

”لیکن اس کے بیان کے مطابق وہ لہرس اور کی میں۔“

”یقیناً اور پر کی ہوں گی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اے مطلع کر دو کہ ابھی نئے تجربوں کے

چکر میں نہ پڑے۔ وہ ابھی شائد کچھ نہیں جانتا۔ اس کی قیام گاہ سے تمیں یا چالیس میل کی دوری

پر اگر کوئی ناقابل انتشار اور جوڑہ سمت میں چلنے والی شعائیں اور کی طرف چھکے تو وہ اُس کے

یہ ستر پتھر ڈگری کے زاویے سے گر سکتی ہیں اور وہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ اسے اوپر سے کوئی اشارہ

موصول ہوا ہے۔ مرخ خالی اتنے چند نہیں کہ انہیوں کو اشارے کیا کریں۔“

”اوہ....!“ پروفیسر مسکرا کر بولا۔ ”میں اس سائنس سے نادا قف ہوں.... کیا تم میرے

لئے اپنی دمل لکھ سکتے ہو۔“

”لکھو... میں بوتا ہوں۔“ فریدی نے پتے سمیتے ہوئے کہا۔

”اوہ.... قلم.... میں اپنا قلم بھول آیا ہوں۔“

”میرے لئے کیوں۔“

”بات یہ ہے کہ اس میں کچھ نوجوان لڑکیاں بھی دلچسپی لتی ہیں۔“

فریدی نے تھوڑہ لگایا۔

”تمہارے لئے یہی بہتر ہوتا ہے۔ ورنہ تم سارا بھائیا پھوڑ دو۔“ اس نے کہا۔ اُسی

فریدی حمید اور وہ بوڑھا انگریز ریشور ان میں بیٹھے برج کھیل رہے تھے۔ کولمبیا یونیورسٹی کا

قریب ہی کی ایک میز پر بیٹھا کافی بی رہا تھا۔ اُس کے سامنے ایک کانفذ پڑا تھا۔ جسے ”اے یو تو فی بارہا ہے۔“

تمہوڑے و قلنے کے بعد ہاتھ میں اٹھا کر دیکھنے لگا تھا۔

”مسٹر مارٹن....!“ وہ بوڑھے انگریز کو مخاطب کر کے بولا۔ ”ایک دلچسپ خدا کیوں پروفیسر...!“

فریدی سر ہلانے لگا۔

”اگر تمہارے ریڈیو سیٹ میں کچھ عجیب و غریب اشارے پیدا ہونے لگیں تو تم اے گے۔“ کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر نے کہا۔

”ہمگی....!“ بوڑھے نے پتہ چھک کر فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اوہ....!“ فریدی چوک کر بولا۔ ”ریڈیو سیٹ پر عجیب و غریب اشارے.... کیا مطلب

”میرے ایک دوست نے اطلاع دی ہے۔“ کولمبیا والے پروفیسر نے کہا اور کہا اور کہا سوچنے لگا۔

فریدی بے چینی سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کچھ کہو بھی پروفیسر.... تم نے مجھے ایجنٹ میں ڈال دیا ہے۔“ فریدی مضطربانہ انداز میں

”کیا تمہیں اس قسم کی چیزوں سے دلچسپی ہے۔“ اُس نے پوچھا۔

”پروفیسر فضول وقت مت بر باد کرو۔“ بوڑھا جھلا کر بولا۔ ”یہ خود بھی ایک نئے قدم ایجاد کرنے کی فکر میں ہے۔“

”اوہ.... اچھا.... تو تم اس کے متعلق زیادہ بہتر بتا سکو گے۔“

”خیر کوئی بات نہیں۔ لو قلم یہ رہا۔“ فریدی نے اپنا قاؤنٹین پن اس کی طرف بڑھا دیا  
اس نے قلم لے کر اپنا چمی ہینڈ بیگ کھولا اور اس میں سے کاغذ نکالنے لگا۔ فریدی کو  
سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اس نے ایک گہری سانس لی اور پتہ پھینک کر بوڑھے مارا  
طرف دیکھنے لگا۔

فریدی بولتا رہا اور کولبیا یونورسٹی کا پروفسر لکھتا رہا۔

”شکریہ۔“ اس نے فریدی کا قلم واپس کیا۔

”کوئی بات نہیں۔“ فریدی نے کہا اور کھیل میں مشغول ہو گیا۔  
حیدر جہت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”تم دیکھتے کیا ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”واغ مختدار کر کھیلو۔... کیا وہ سکی نے تمہاری  
ہی چوپٹ کر دی ہے۔“

”گک.... کیم.... کاف.... کاف....!“ حیدر کلایا۔

”شٹ اپ....!“ فریدی چیخ کر بولا۔ ”چکاڑ کی طرح.... چکاڑ کہیں کے۔“  
حیدر خاموش ہو گیا۔... اس کے جھرنے پر بے بی چھاگی۔

”بوائے....!“ بوڑھا مارٹن چیخا۔ ”رم لا ذرم....!“

”میں رم نہیں پیتا۔“ فریدی ہوتے سیکڑ کر بولا۔

”تو پھر کیا پیو گے۔“

”گلدھی کا دودھ۔“ فریدی نے جھلا کر کہا اور پتہ میز پر ٹھنڈیے۔

”کیوں کیا باب نہیں کھیلو گے۔“

”نہیں....!“

”سونا چاہتے ہو۔“

”نہیں۔“

”پھر کیا چاہتے ہو۔“

”نہیں منی پریاں.... ساز کی لہروں پر چکتی ہوئی رنگیں مجھیں۔“ فریدی اس کے پر  
کے سامنے انگلی پچا کر بولا۔

”ہب چہ رہی ہے۔“ بوڑھا مارٹن قہقہہ لگا کر بولا۔

”سنوارا!“ فریدی میز پر جھک کر آہستہ سے بولا۔ ”کیا نام ہے اس کا.... نیلی فراں  
کورنیا....!“

”اوہ کورنیا.... کتنا حسین نام ہے.... کورنیا۔“

”کیوں؟ کیا بات ہے۔“ مارٹن نے آنکھ مار کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں.... کچھ نہیں.... ابھی تک تمہاری رم نہیں آئی.... میں مارٹنی پوں گا۔“

بڑی رات گئے تک وہ تینوں ریشوراں میں بیٹھے خوش گیاں کرتے رہے۔ کولبیا یونورسٹی کا  
فیر جاپا کتا۔.... تھوڑی دیر بعد فریدی اور حیدر بھی اپنے کیبینوں کی طرف لوئے۔

راتے میں حیدر نے کچھ بولنا چاہا۔ فریدی نے اُسے چپ کر دیا۔

”خاموش رہو۔ کل بات کریں گے پروفیسر میرا امتحان لے رہا تھا۔ اُسے ہم پر شہر ہو گیا  
ہے۔“ کم از کم آج رات بھر میرے پیچھے لگا رہے گا اور خدار اتم رات بھر سونا نہیں.... اگر کہیں  
دوں بڑوانے لگے تو سب چوپٹ ہو جائے گا۔“

حیدر خاموشی رات جاتا رہا۔

دوسرے دن صبح ناشتے کے بعد وہ دونوں عرشے پر نکل آئے۔... یہاں کچھ عجیب بیجان برپا  
ہا۔ ایک کشی کھو گئی تھی جس کی تلاش جاری تھی اور تھوڑی دیر بعد یہ اطلاع ملی کہ کولبیا  
یونورسٹی والا پروفیسر بھی غائب ہے۔

”وہا پاہا جری ہینڈ بیگ ضرور ساتھ لے گیا ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔

”کیا مطلب....!“ حیدر نے چوک کر کہا۔ ”کیا وہ کچھ فرار ہو گیا۔“

”معلوم تو ہی ہوتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور اب مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا ہے....  
لرافسوس وہ نکل گیا۔“

”صاف صاف کہئے۔“ حیدر الجھ کر بولا۔

”اُس کا چمی یہیک میرے پاس ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ہو گا....!“ حیدر نے غصہ سے کہا اور دوسرا طرف دیکھنے لگا۔

”اچھا.... اچھا شاکنڈ تم پوری داستان سننا چاہتے ہو۔“ فریدی نے کہا۔

حید نے کوئی جواب نہ دیا۔

”کل جب وہ اپنے پینڈ بیگ سے کانٹہ نکال رہا تھا تو میں نے اس میں ایک تہہ کیا ہوا رومال دیکھا تھا اور ایک رومال میز پر پڑا تھا جس سے وہ اپنا منہ پوچھتا تھا۔... کیا سمجھے... را بار بار میرے کیمین میں مجھاںک رہا تھا۔ غالباً تمہاری طرف بھی گیا ہو گا۔ تم شاید جاگ رتے... ہاں تو مجھے اُسی وقت سے نکل ہو گئی سنگھی کہ کسی طرح اس کا چیزی بھی اپنے اڑاکر میں نے ایک بار محسوس کیا کہ وہ میرے کیمین میں سنگھی کے سوراخ سے مجھاںک رہا ہے۔ میں گیا۔ حوزہ دیر بعد میں بھی کیمین سے نکلا اور غسل خانے کی طرف چلا گیا۔... واپسی میں نے اُسے پھر اپنے کیمین کے پاس دیکھا۔ لیکن میں نے جان بوجھ کر سیئی بجائی شروع کر دی کی آواز سن کر وہ چھپ گیا۔ میں کیمین میں لوٹ آیا۔ پھر مجھے ایک تدیر سوچ گئی۔... میں ایک مومن تھی نکالی اور اُس طرف چلا گیا۔... وہ خالی بیجیان رکھے ہیں۔... ان پیپوں کے جاکر میں نے مومن تھی روشن کی۔ وہ میرے چیچپے لگا ہوا تھا... میری اس حرکت پر اُس کا نہ ضرور بڑھ گیا ہو گا۔ مومن تھی میں نے وہیں رکھ دی۔... اور پیپوں کی آڑ لیتا ہوا دوسرویں نکل گیا۔... میں نے دیکھا کہ وہ پیپوں کے اباد سے لگا بیٹھا دوسروی طرف جھاکنے کی کو کر رہا ہے۔ اس کی پیچھے میری طرف تھی۔ میں وہاں سے سیدھا اس کے کیمین میں پہنچا اور اس بیک اڑا لیا۔... اور پھر اسے سلپنگ گاؤن کے پیچے چھپائے ہوئے پھر پیپوں کی طرف لوٹا۔ ابھی تک اُسی حالت میں بیٹھا پیپوں کے پیچے کا حال معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔... میں مومن تھی بھائی اور پیپوں کی آڑ سے نکل آیا۔... اپنے کیمین میں آکر میں نے ایک کتاب اٹھا پھر میں بھی رات بھر جا گئی تھا۔

”تو وہ رومال آپ کو مل گیا۔“ حید نے جلدی سے پوچھا۔ ”کیا ہے۔“

”معمولی جیسے سب ہوتے ہیں۔ ایک کونے پر حسینہ کا نام کڑھا ہوا ہے۔“

”لیکن وہ بھاگ کیوں گیا۔“ حید نے پوچھا۔

## حیرت انگیز انکشاف

”اس کے چیزی بیگ میں اُس کی ڈاڑھی بھی تھی۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس ڈاڑھی سے اس کی نہیت کا راز افشاء ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا راز تو مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا۔“

”وہ کون تھا۔“ حید نے بے ساختہ پوچھا۔

”سر بیٹھاں...!“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ... حیدا چھل پڑا۔

”کیوں مذاق کرتے ہیں۔“ وہ پس کر بولا۔ ”اس کی تواش...!“

”ہاں ہاں اس کی لاش ملی تھی۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور وہ لاش اس کی نہیں بلکہ جبار کی تھی۔

”رہنمائل بھلا اُسے کیوں زندہ چھوڑتا۔“

”جبکہ بھلا سر بیٹھاں کیسے ہو سکتا ہے۔“

”چیزے میں پروفسر رابرٹ لاسکلی ہو سکتا ہوں.... جیسے تم مکار نس ہو سکتے ہو.... رہنمائل ہے فضیل ہو سکتا ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کیا ایک لاش کا میک اپ نہیں کیا جاسکتا۔... میں نے لاش کوڈی۔ آئی۔ جی کے نامنے دیکھا تھا اور اسے یہ بھی نکتہ سمجھا دیا تھا۔ کیا نہیں یاد چھیں کہ لاش والے کمرے میں ڈی ب آئی۔ جی اور میں تھا تھا۔ اس وقت صحیح معنوان میں اس کیس کی اہمیت سے آگاہ ہوا تھا اور پھر میں نے وہ پلات بیٹھا جس سے سر بیٹھاں آسانی سے دھوکا لھا گیا۔ بھر حال کہنے کا یہ مطلب کہ میری اور تمہاری ملازمت بدستور برقرار ہے.... البتہ پچارے پر شنڈنٹ کو اس راز کے ظاہر ہوتے ہی بڑی کوفت ہو گی۔“

”تو آپ نے یہ مجھے پہلے ہی کیوں نہیں بتا دیا تھا۔“ حید نے کہا۔

”محسن احتیاط کی ناطر۔“

”تو کیا آپ مجھ پر اعتبار نہیں کرتے۔“

”یہ بات نہیں پیدا۔ تم اکثر نادانشگی میں غلطیاں کر جاتے ہو۔ مثلاً کل ہی کو جب میں اسے ریڈیو والا مسئلہ سمجھا رہا تھا تو تم اعتمدوں کی طرح میری طرف تک رہے تھے۔“

حید خاموش ہو گیا۔

”سر بیتحال کی ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اس رومنل کی اہمیت سے واقع ہے.... اور وہ کسی کے لئے کام کر رہا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”بہر حال ہمیں ہوشیار ہنا چاہئے۔“ حید نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ اس جہاز نہیں تھا۔ کونکہ چلتے جہاز سے کشی اتنا نا اور پھر اس میں بیٹھ کر نکل جانا کسی اکیلے آدمی کے روگ نہیں۔“

”تمہارا خیال درست ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”بلکہ مجھے تو اسی میں شہمہ ہے کہ وہ جہاز گیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔“ حید نے کہا ”اور پھر ایسی صورت میں جب کہ وہ بھیں بدلتے؛ مہارت رکھتا ہے۔ اسی قسم کی توقع رکھنی چاہئے۔“

”بہر حال ہمیں اب اور زیادہ محاطر ہنا پڑے گا۔“ فریدی نے کہا۔

”میں نے کل رات، ہی کو دیسا ایک دوسرا رومنل تیار کر لیا ہے اور وہ اس وقت اس میں موجود ہے اور پہنچ بیک کی بن میں ہے.... اور ہم کسی نئی واردات کے منتظر۔“

”کیا مطلب....!“ حید چونک کر بولا۔

”کچھ نہیں۔ فی الحال کچھ کہا نہیں جاسکتا۔“ اور پھر دونوں ریسٹوران کی طرف گئے۔ جہاز سمندر کا متلاطم سیند چیر تاپکولے لیتا اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ کی کرنیں چاروں طرف پھیلی ہوئی لہروں پر چکنڈار جال بن رہی تھیں۔ سر پر نیلا آہ

حد نظر بیک پہلیا ہوا پانی.... حید منظر کی یکسانیت سے آتا گیا تھا۔ اس دوران میں دو ایک کی طبیعت بھی خراب ہو گئی تھی۔ لیکن فریدی کی احتیاطی تدبیر نے بیماری کو آگے نہ

دیا۔ ہمیں دو دن کا سفر اور باقی تھا.... اور یہاں کوئی گھس آیا۔“

”اوپر فرور ہجھتا ہوا پکستان کے کیبن کی طرف چلا گیا۔ مجھ اس کے پیچے تھا۔“

”آخر یہ کیا نہ تھا ہے۔“ وہ پکستان کو مخاطب کر کے چینا۔

”یا یا ہے۔“

”بھرے کیبن میں چور گھسا تھا۔“

”چور....! پکستان چونک کر بولا۔“ کیا مطلب۔“

”سرو ہے مارٹن کو چھیڑ چھیڑ کر خود بھی قیقہے لگا رہا تھا.... دو تین لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ حید اس وقت لڑکیوں میں دلچسپی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

”کیوں کے....!“ فریدی حید کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ ”تم اس وقت کچھ اداں نظر

ہے ہو۔“

”م... م... مف... مف...!“ حید ہکلایا۔

”شش اپ....!“ فریدی زور سے چینا۔ پھر قیقہہ مار کر ہٹنے لگا.... لڑکیوں نے بھی اس ساتھ دیا اور حید خون کے گھوٹکی پی کر رہا گیا۔

”بچا رہکاں کے....!“ ایک لڑکی اس کے چہرے کے قریب انگلی چما کر بولی۔ حید پہلے تو لیا، لیکن پھر مسکرا کر اسے آنکھ مار دی۔

”کچھ بھی ہو۔ یہ محبت کرنا جانتا ہے۔“ فریدی حید کی پیچھے ٹھونکتا ہوا بولا۔

”اس سے تو کوئی پاگل اور لکھنچی لڑکی ہی محبت کر سکتی ہے۔“ ایک لڑکی نے کہا۔

حید خاموش رہا.... فریدی لڑکیوں کے مذاق میں دل کھول کر حصہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد یہ کوئی اس پر غصہ آنے لگا۔ آخر کوئی حد بھی ہے لا پرواہی کی۔.... یہ جانتے ہوئے بھی کہ بیتحال تینیں کہیں قریب ہی موجود ہے وہ کوئی احتیاطی تدبیر نہیں کر رہا۔ معلوم نہیں اس کا اگلا کام کیا ہو گا۔ مگن کے چھپ کر کسی وقت حملہ کر بیٹھے۔

آخر کار فریدی اٹھا.... اور دونوں اپنے کیبوں کی طرف آئے.... اور دوسرے لمحے میں یہ کی نئی طرح گرج رج رہا تھا.... کیبن میں سوت کیس کھلے پڑے تھے۔ بتر کی تمیں الٹ پلٹ لی گئی تمیں بہر جال سارا سامان بے ترتیب سے بکھرا پڑا تھا۔ فریدی نے چیز چیز کر سارا کیبن سر پر بالا۔ ابھر اُدھر کے سافر اکٹھا ہو گئے۔

”یہ دیکھو....!“ ذرا یہ بد انتظائی دیکھو۔ جہاڑوں پر بھی چور گھنے لگے۔“ فریدی مجمع کی رف مخاطب ہو کر چینا۔ ”میں ریسٹوران میں تھا.... اور یہاں کوئی گھس آیا۔“

”اوپر فرور ہجھتا ہوا پکستان کے کیبن کی طرف چلا گیا۔ مجھ اس کے پیچے تھا۔“

”آخر یہ کیا نہ تھا ہے۔“ وہ پکستان کو مخاطب کر کے چینا۔

”یا یا ہے۔“

”بھرے کیبن میں چور گھسا تھا۔“

”چور....! پکستان چونک کر بولا۔“ کیا مطلب۔“

”آپ پور کا مطلب نہیں جانتے۔“ فریدی مجھ کو مخاطب کر کے طنزیہ انداز میں بولار اور تھوڑی دیر بعد پکتان فریدی کے سینے میں اس کا بیان قائمبند کر رہا تھا.... کیونکہ بھی سینے میں موجود تھے۔

”میں کل رات کو عرشے کے ویران حصے میں بیٹھا تھا۔“ فریدی کہنے لگا۔ ”اس رہ جہاں خالی بیپوں کے ڈھیر ہیں۔ میں وہاں تقریباً آدھے کھٹکے تک رہا۔... جب وہاں سے واپس بیہاں میں نے ایک چرمی ہینڈ بیگ دیکھا جو میرا نہیں تھا۔ کچھ تو نئے کی جھونک اور کچھ نیز میں میں نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور سو گیا۔... مجھ میں نے خیال کیا کہ اسے آر ہوا لے کر دوں گا لیکن بھول گیا۔... اچانک ریستوران میں مجھے یاد آیا کہ اس پینڈ بیگ کو آفس میں دے دوں۔... اور جیسے ہی میں سینے میں آیا تو یہ حالت دیکھی۔... وہ پینڈ بیگ غائب ہے۔ مجھ بھی میں نے اسے دیکھا تھا۔“

”اوہ بیک میں کیا تھا۔“ کیپشن نے پوچھا۔

”مجھے اچھی طرح یہ نہیں۔ لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اسکیں کوئی قابل ذکر چیز نہیں اے۔“ عجیب معاملہ ہے۔“ پکتان نے کہا۔... اس کی آنکھوں سے بے انتہائی ظاہر ہو رہا ”آج نہ جانے کتنی حیرت انگیز باتوں کا سامنا کرتا پڑے گا۔... کوئی بہت عجیب اسرار۔... یہ تو بتائیے کہ آپ رات کو وہاں بیپوں کے پیچھے کیا کرنے گے تھے۔“

”اپنے بناۓ ریڈیو سٹ کے مرکز پر مرنگ کے باشندوں کے پیغامات سننے کی کوشش کر رہی تھیں۔“ فریدی نے کہا۔

”ایک اور حیرت انگیز اکشاف۔“ پکتان نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”اوہ تو شاید تم مذاق سمجھتے ہو۔“ فریدی غصے سے بولا۔ ”مکار انس کہاں ہو، اداہ کہاں مر گیا۔ شہر و میں دکھاتا ہوں تھیں۔...!“

”فریدی نے ایک سوت کیس کھول کر ایک عجیب قسم کی مشین نکالی جس میں بے شمار شیشے کی تلکیاں گلی ہوئی تھیں۔... اور پھر اسے ایک بیٹری سے فسلک کر دیا۔... دیکھ ادھر اور ادھر کے۔... مشین میں پہلے تو گھر گھراہٹ بیدا ہوئی۔... پھر ”چوں چوں۔...!“ چوں چوں۔...“ کی آوازیں آنے لگیں۔ لیکن یہ آوازیں کسی جاندار شے کی تھیں۔...!

”لوگ حیرت سے کبھی مشین کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی فریدی کی طرف۔“

”درکار کیا کہاں۔“ فریدی فخریہ انداز میں بولا۔ ”کسی دن یہ ”چوں چوں“ ایک صاف سنائی

بینے والے چیفام میں تبدیل ہو جائے گی۔“

فریدی نے بیٹری کا تار الگ کر دیا اور آواز آئی بند ہو گئی۔

”بہت اچھے پروفیسر لا سکلی۔“ بوڑھا مارٹن پر جوش آواز میں چینا۔

کپتان کچھ متاثر ہو تا نظر آئے تک۔ فریدی اسے قہر آکوڈنگا ہوں سے گھور رہا تھا۔

”کوئی چیز چوری ہو گئی۔“ کپتان نے پوچھا۔ اس کے لمحے میں ندامت تھی۔

”بھی تو حیرت انگیز بات ہے۔“ فریدی بولا۔ ”عجیب بد تیزی چور ہے۔ جب اس نے کوئی چیز

چالی نہیں تھی تو پھر اس نے خواہ خواہ میر اسماں کیوں بکھر دیا۔... اور پھر وہ ہینڈ بیگ کیسا تھا، جو

پھر اسرا طریقے پر غائب بھی ہو گیا۔“

”لیکن وہ تمہارے اس ریڈیو سٹ کے چکر میں نہ آیا ہو۔“ کپتان نے کہا۔

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”مگر وہ ہینڈ بیگ۔“

”بھی میں بھی سوچ رہا ہوں۔“ کپتان نے کہا۔

”قوڑی دیر بعد مجھ برخاست ہو گیا۔“ فریدی اور حیدر تھارہ گئے۔

”حیدر نے کچھ نہ کچھ بولنے کی کوشش ہی کی تھی کہ فریدی نے اسے ڈانٹ دیا۔“

”پھر آہستہ سے بولا۔“ عرشے پر چلو۔“

عرضے پر پہنچ کر دوں رویلگ سے نک گئے۔

”ہم وہاں کوئی گھنٹو نہیں کر سکتے تھے۔“ فریدی بولا۔ ”ہماری گھرانی ہو رہی ہے۔“

”آخر آپ نے یہ ڈھونگ کیوں پھیلایا ہے۔“ حیدر نے کہا۔

”میں نے جو کچھ سوچا تھا وہی ہوا۔ سر بیتحال جہاز ہی پر موجود ہے۔... گھبراہٹ میں وہ

روپٹی ہو گیا۔ لیکن اب اسے افسوس ہو رہا ہو گا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو وہ رومال کے

معاملے میں دھوکا کھایا ہو گا۔“

”لیعنی۔...!“

”اگر وہ حقیقت رومال کے راز سے خود دا قف نہیں ہے تو میرا بنا یا ہوا نقلي رومال جو میں نے

اُس کے پینڈ بیگ میں رکھ دیا تھا۔ اُسے مطمئن کر دے گا۔۔۔ میں نے اس کی ذرا سی بھی انہیں دیکھا ہے۔۔۔ کیوں؟“ کیا اس لئے نہیں کہ میری صحیح شخصیت کے متعلق معلوم کر سکے۔۔۔ مگر رہنے والی دلیل ہے۔۔۔ اس طرح وہ کم از کم مجھ پر شہبہ کرتا چھوڑ دے گا۔۔۔ مگر نہیں اس نے اپنا انہیں دھوکا دینے کی کوشش کی اور یہ ظاہر کر کے کہ وہ جہاز سے فرار ہو گیا ہے۔۔۔ پھر بیگ نکال لے گیا۔۔۔ بہر حال اب یہ دیکھنا ہے کہ میرے اس بیان سے جو میں نے کپتان کو دیا۔۔۔ اس پر کیا اثر پڑتا ہے۔۔۔

”پہلو پروفیسر۔۔۔!“ بوزہamarثن بولا۔۔۔ اس چوری کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔۔۔

”کچھ بھی میں نہیں آتا۔۔۔“ فریدی نے کہا۔۔۔

”کوئی بیباونیورسٹی کا پروفیسر غائب ہے۔۔۔“ مارٹن نے کہا۔۔۔

”کہاں غائب ہے۔۔۔“ فریدی نے حیرت کا انہصار کرتے ہوئے کہا۔۔۔

”میں سے غائب ہے اور ایک کشتی بھی غائب ہے۔۔۔“

”یعنی۔۔۔!“ فریدی چوک کر بولا۔۔۔

”کل رات وہ تم سے مرخ والوں کے اشاروں کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔۔۔“

بوزہamarthn آنکھ مار کر بولا۔۔۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہی تمہارا ریڈیو چرانے کی نیت سے

تمہارے کہیں میں داخل ہوا ہو۔۔۔“

”لیکن ریڈیو سیٹ تو محفوظ ہے۔۔۔“ فریدی نے کہا۔۔۔

”ممکن ہے کوئی ادھر آنکلا ہو اور اسے چڑائے بغیر ہی وہ نکل گیا ہو۔۔۔“

”مگر تم کہتے ہو کہ ایک کشتی بھی غائب ہے۔۔۔ ظاہر ہے وہ دن کو تو فرار ہو نہیں سکتا۔۔۔ اور

چور دن میں گھسنا تھا۔۔۔“ فریدی نے کہا۔۔۔

”چور شام درات ہی کو گھستا۔۔۔ مگر تم نے اس کا موقع نہیں دیا۔۔۔“ مارٹن بولا۔۔۔

”ورات کو تمہارے کہیں میں اپنا ہینڈ بیگ چھوڑ گیا تھا۔۔۔ اسے تو قع تھی کہ تم اس پینڈ بیگ

کو اس وقت کپتان کے پاس لے جاؤ گے اور اسے تمہارے کہیں میں گھسنے کا موقع مل جائے گا۔۔۔ لیکن

تم نے ایسا نہ کیا۔۔۔ رات بھر وہ تمہارے کہیں ہی میں رکھا رہا۔۔۔ لہذا صبح جب تم رسٹو، ان میں

جسے تو وہ تمہارے کہیں میں گھسا لیکن تاکامیاب ہونے پر اپنا ہینڈ بیگ لے کر نکل گیا۔۔۔“

”لو۔۔۔!“ فریدی مارٹن کو تحریر آمیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔۔۔ تم واقعی ایک اچھے

”مگر یہ مشین کہاں سے نکل پڑی تھی۔۔۔“ حمید نے پوچھا۔۔۔

”بھی اسے بنانے میں میرا ایک دن بر باد ہو گیا تھا۔۔۔“ فریدی نے کہا۔۔۔ بہر حال اسے کرنے کا موقع جلد آگیا۔۔۔ میں جو روول ادا کر رہا ہوں آخر اس کا کوئی میکنیکل ثبوت نہیں ہوتا چاہئے۔۔۔“

”اور وہ آواز... جو!“ حمید نے پوچھا۔۔۔ وہ تحقیقتاً کسی ذری روح کی آواز معلوم ہوتی تھی۔۔۔

”وہ ذری روح ایک اٹم رسیدہ چوہا ہے۔۔۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔۔۔ جو اس مشین میں بند ہے۔۔۔

میں نیٹری لگاتے ہی اس کی دم دوچھیوں کے نیچے میں دبنے لگتی ہے اور وہ چیختا شروع کر دیتا ہے۔۔۔

حمدیبے اختیار بنس پڑا۔۔۔

”اور اس طرح مرخ کے باشندوں کی آواز ہم تک پہنچتی ہے۔۔۔“

فریدی اسے آنکھ مار کر مسکرا تاہو ابولا۔۔۔

”آپ نے اپنا سارا اپروگرام مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔۔۔“ حمید نے منہ بننا کر کہا۔۔۔

”تم تو بعض اوقات کسی خیر خواہ یوں کی طرح احتساب کرنے لگتے ہو۔۔۔“ فریدی نے کہا۔۔۔

”کر کہا۔۔۔ بس دیکھتے جاؤ۔۔۔ مداری کے جھولے سے ابھی اور کیا کیا نکلتا ہے۔۔۔“

”تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سر پنچال اس سے مطمئن ہو گیا ہو گا۔۔۔“ حمید نے کہا۔۔۔

”اگر مطمئن نہ ہوا ہو گا تو ابھی میں ضرور پڑ جائے گا۔۔۔ اب میری باری آئی ہے۔۔۔“

فریدی نے کہا اور سکار سکانے لگا۔۔۔

”ابھی میں کیوں پڑ جائے گا۔۔۔“ حمید نے پوچھا۔۔۔

”محض اس لئے کہ اگر میں نے اس کا ہینڈ بیگ اڑایا ہو تو اس کے متعلق کپتان کو کہا تھا۔۔۔ اور نہ اتنی لاپرواںی سے کہیں میں ڈال دیتا۔۔۔“ اس نے میرا سماں الٹ پک

ہولی سار دیاں اور بس.... لیکن اسے ایک امید تھی وہ یہ کہ مصر کا ملکہ سراغِ سر افی اس مسئلے پر  
وشنی ضرور ڈال سکے گا۔

قاہرہ بھیج کر وہ ایک ہوٹل میں نظر ہبھرنے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ ان کا تناوب کیا جا رہا  
ہے.... اب اس کی سمجھ میں آیا کہ سر بیتحال غائب کیوں ہو گیا تھا اور پھر اسے اپنا یہ خیال بدلت دینا  
اکر وہ ان کے مختلف علاط بھی میں جتنا ہو گیا تھا۔ لیکن رومال کا مسئلہ ابھی تک الجھن کا باعث بنا  
راہت۔ اگر سر بیتحال کو اپنی غلطی کا علم ہو گیا ہے تو وہ ضرور حملہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ ایسی  
ورت میں انہیں کافی حفاظت رہنے کی ضرورت ہے اور وہ رومال.... اس رومال کی حفاظت بھی  
روزی تھی۔ فریدی اسے ہر وقت اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔

ایک دن انہوں نے آرام کیا اور پھر دوسرے دن سے فریدی نے اپنی تیقیش کا سلسلہ شروع  
رہا۔ وہ ایک مصری کے بھیس میں ہوٹل سے تھا۔ انکل جاتا اور پھر کافی رات گئے واپس آتا۔ اس  
دوان میں حید کرے میں پڑے پڑے یا تو کتابیں پڑھتا یا پھر کارٹون بناتا رہتا۔

ایک رات جب فریدی واپس آیا تو چھرے سے ایک نئے قسم کا جوش ظاہر ہو رہا تھا۔ آنکھوں  
لہو ہی پرانی چمک عود کر آئی تھی جو اکثر کسی ناقابلی حل میکلنے کے آسان ہو جانے پر پیدا ہوا کرتی  
تھی۔ وہ آتے ہی پلٹک پر گرفڑا۔

"حید!...! وہ آہستہ سے بولا۔ " دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے ان پر سیاہ پردے کھینچ دو۔  
"خیریت!...! حید چمک کر بولا۔

"جلدی کرو۔"

حید نے دروازے اور کھڑکیاں بند کرے سیاہ پردے کھینچ دیئے۔  
"بکس سے ہیڑ نکالو۔"

حید نے تیل کی۔ فریدی نے ہیڑ کا پلٹک سوچ بورڈ میں لگادیا۔  
"کیا جائے ہائیے گا۔" حید نے مسکرا کر کہا۔ "کیوں نہ میں ویٹر کو بلا کر نیچے سے چائے  
نکھلوں؟"

"بکومت!...!" فریدی نے کہا۔ "قریب آؤ...!"

فریدی نے جیب سے حسینہ والا رومال نکالا اور اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ہیڑ سے

جا سوں ثابت ہو سکتے ہو۔"

"خی... خی... خلیل.... خلیل....!" حید ہکلایا۔

"شٹ آپ!...!" فریدی جھنجھلا کر چینا۔

مارٹن بے ٹماشہ ہنسنے لگا.... حید کا نچلا جبراً بھی تک متھر کھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا  
کچھ کہنے کی کوشش کر رہا ہو.... فریدی نے غصہ سے گھوڑ کر اسے دیکھا اور حید کے ہر  
حرکت اچانک بند ہو گئی۔ اس نے اپنے دانت بھینچ لئے تھے۔

"بیچارہ مکار نس!... بھو!...!" مارٹن بولا۔

حید قہر آسود نظروں سے اسے گھوڑ نے لگا....

"تو وہ میر ایسٹ چانا چاہتا تھا.... میں اس کا سر توڑوں گا۔" فریدی مٹھیاں بھینچ کر  
سے بڑیا۔

"بہتر یہ ہے کہ اس کی حفاظت کر۔" بوڑھا مارٹن مسکرا کر بولا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا اور سوچنے لگا۔

## رومال کاراز

پھر بقیہ سفر میں کسی قسم کا کوئی خاص و اقدام پیش نہیں آیا۔ البتہ جہاز میں کشتی اور کولبیا  
پر فیسر کی گلشنگی کی وجہ سے بیجان ضرور رہا۔ حید کو افسوس تھا کہ سر بیتحال اس طرح ہاتھ  
نکل گیا۔ لیکن فریدی کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اسے تودرا میل اس رومال کاراز معلوم کرنے  
تھی جس کی بدولت اتنے قتل ہوئے تھے اور یہ بھی اس کے ذہن نشین ہو چکا تھا کہ سر بیتحال  
اس کے راستے سے واقف ہے۔ لہذا اسے اب اسی سُتی کی فکر تھی جس نے سر بیتحال کو  
حاصل کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ سر بیتحال کی ڈاڑھی سے یہ بات واضح ہو گئی تھی۔ وہ پہلا  
اور کے لئے کر رہا تھا۔ اس کے اچانک غائب ہو جانے سے فریدی پھر اندر ہیرے میں اپنے  
ماننے پر مجبور ہو گیا.... ابھی تک اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ آئندہ وہ کیا کر  
رومال اب بھی اس کے پاس تھا لیکن بیکار.... بھلا اس رومال سے وہ کیا حاصل کر سکتا تھا۔

آدھے بالشت کی اوچائی پر تان دیا۔

اور حمید کے دیکھتے ہی دیکھتے رومال کی سفید سٹھ پر سیار گکی لکریں ابھرنے لگیں  
”ارے یہ کیا...“ حمید اچھل کر بولا۔

”چخو نہیں.... آہستہ بولو۔“ فریدی نے کہا۔

حمدی سوالیہ نگاہوں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”برخوردار یہ طریقہ اتفاقیہ دریافت ہو گیا۔“

”لیکن ہے کیا بل۔“

”کوئی نقش.... کسی خاص جگہ کا۔“ فریدی نے کہا۔

”میں ایسا نہیں سمجھتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”پھر...!“

”ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔“ فریدی نے رومال پر ابھری ہوئی نئی لکریوں کی طرف  
کہا۔ ”یہ کتنے کاسرو دیکھ رہے ہو۔“

حمدی جھک کر دیکھنے لگا۔ ایک، کتنے کاسرو جس کامنے کھلا ہوا تھا۔ ایک کتنا جو آسان کی  
سر اٹھائے بھوک رہا تھا۔ پھر اس کے نیچے ایک نقش تھا۔ اور ایک جگہ ”۹۷۵“ ہند  
ہوئے تھے۔ حمید نے پھر استھنامیہ نظریوں سے فریدی کی طرف دیکھا۔ فریدی نے رومال  
کر کے جیب میں رکھ لیا۔ ہمیر ہنادیا گیا۔ ”کچھ سمجھ میں آیا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن آپ کو یہ تدبیر کیسے سوچ گئی۔“

”اتفاقیہ راز معلوم ہو گیا۔ آج شام کو تھک کر ایک پارک کے ویران گوشے میں  
تھا۔ یہ رومال میرے زانوں پر پھیلا تھا۔ اور ہاتھ میں سگار تھا۔۔۔ شاید سگار کا جلا۔“  
رومال کی سٹھ سے قریب تھا۔۔۔ دفعتاً میری نظر رومال پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ ایک  
سیاہ لکریں ابھر آئی ہیں۔ پہلے تو مجھے حیرت ہوئی لیکن پھر سارا معاملہ سمجھ میں آگیا۔ میں  
جگہ سگار کے جلتے ہوئے حصے سے اسی طرح لکریں ابھاریں اور پھر رومال کو جیب میں

سیدھا دھر ہی چلا آیا۔۔۔ اور اب دوسرا الجوبہ دیکھنا چاہئے ہو؟“

فریدی نے حمید کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے رومال جیب سے نکلا اور جی  
سامنے پھیلادیا۔

”ہرے وہ نقشہ کہاں گیا۔“ حمید حیرت سے بولا۔

”غائب ہو گیا۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”جب تک رومال گرم رہتا ہے لکریں دکھائی  
نی ہیں اور ٹھنڈا ہوتے ہی غائب ہو جاتی ہیں۔۔۔ میرے خیال میں یہ علی فضیل ہی کی جدت  
علوم ہوتی ہے۔۔۔“

”میں مطلب....!“

”یہ نقشہ اسی نے تیار کیا تھا اور شائد اسی کی وجہ سے اس کی جان بھی گئی۔“ فریدی نے کہا۔  
”یعنی آپ کا یہ مطلب ہے کہ اس وقت جو لوگ رومال میں دلچسپی لے رہے ہیں وہی علی  
ضیل کے بھی قاتل ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”قلعی حالات بھی کہتے ہیں۔“

”کیسے حالات....!“ حمید نے پوچھا۔

”چھوڑو بھی.... ابھی میں نے کھانا نہیں کھایا۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ سیاہ پر دے اب  
ٹاؤ۔۔۔ ہم لوگ اس وقت بیہل کرے میں کھانا کھائیں گے۔“ فریدی نے میلی فون پر ہیڈ ویز

کر کے یہی میں کھانا بھجوانے کا آرڈر دیا۔۔۔ اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر اونگھنے لگا۔

حمدی کا اختراب لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جا رہا تھا۔ لیکن اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ فریدی کھانے  
سے پہلے ایک لفظ بھی نہ بتائے گا۔۔۔ اس کے کروڑ کی ایک نیلگا خصوصیت تھی کہ جوز بان سے  
تاتاکی پر اڑ جاتا۔

کھانے کے دوران میں فریدی بالکل خاموش رہا۔ حمید نے کئی بار گفتگو چھیڑنے کی کوشش  
ماں گین فریدی صاف ٹال گیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ آخر حمید نے بھی طے کر لیا کہ اب وہ اس کے  
تعلیم ایک لفظ بھی نہ پوچھے گا۔

کھانا کھاچنے کے بعد فریدی نے سگار سلاکیا اور کمرے میں ٹھیکنے لگا۔ حمید سونے کی تیاری  
رنے لگا۔ فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ حمید شب خوابی کا لباس بھیں رہا تھا۔ فریدی کے ہونتوں پر  
زراحت آئیں مگر کراہت نمودار ہوئی۔

”اور بکاریا یہ تجھ بخیز بات نہیں کہ علی فضیل کے سر کے قریب قتل کر دیا گیا۔“ فریدی  
اہم سے بڑی لیا۔

”کیا....؟“ حمید بے ساختہ بولا۔ ”کتے کے سر کے قریب۔“ لیکن پھر اسے اپنی گاہ احساس ہوا.... لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ فریدی نے اسے دوبارہ دچپی لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ ”ہاں.... میں نے علی فضیل کے قتل کے متعلق ساری تفصیلات معلوم کر لیں۔“ ایک ایسے علاقہ میں قتل کیا گیا تھا جو بروحوں کا مسکن بنایا جاتا ہے۔ وہ بیہاں سے انہارہ بیالیا... لیکن وہ ابھی سختی سے بھی نہیں پایا تھا کہ اس پر نہ جانے کا دھر سے دو آدمی ثوٹ پڑے۔....“ دوری پر سمندر کے کنارے کا علاقہ ہے اور اس علاقے کا نام ہے ”کلب الشیاطین“، یعنی شیطاناً کرتا۔“ حمید بولا۔ ”اسی بناء پر آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ کتے کے سر کے قریب قتل کیا گیا تھا۔“ ”نہیں.... یہ بات نہیں۔ وہاں بچ چکے کا سر موجود ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔“ حمید نہ اسامنہ بنا کر بولا۔

”حمدی تھیں ہوش تو آیا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔  
”ہم کہاں ہیں۔“ حمید گھبرا کر بولا۔

”جہاں تھے۔“ فریدی نے کہا۔ ”مگر اور نہیں سب خیریت ہے.... بس ذرا اٹھ کر مجھے کھول دیں۔.... سر بیتحال کے ہاتھوں یہ تیسری چوٹ ہے۔ اس کے ساتھ پانچ آدمی اور تھے.... خیر دیکھا بائے گا۔“

”حمدی نے اٹھ کر اسے رسیوں کے بیچ و خم سے آزاد کیا۔  
”رمالاں....؟“ حمید نے پوچھا۔

”وہ لوگ لے گئے۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔  
”پھر اب کیا ہو گا۔“

”کچھ نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ اس نتیجے کو میرے ذہن سے نہیں مٹا سکتے۔“  
”مگر یہ ذلت....؟“

”لوہ....“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”مارنے والے کبھی پٹ بھی جاتے ہیں.... کون جانے کل ہم اسے صاف ہی کر دیں۔ خیر ہاں تو میں تمہیں کتے کے سر کے متعلق بتا رہا تھا.... ساحل سے اُتر جاتی فرلانگ کے فاصلے پر سمندر میں کچھ چنانیں ابھری ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک بالکل کتے کے سر سے مٹا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی دیوبیکر کتاب سمندر کی سطح پر آسان کی طرف منہ اخراۓ بھوک رہا ہو.... اسی لئے وہ ساحتی علاقہ کلب الشیاطین کے نام سے مشہور ہے۔ قدیم سر بیتحال نے کہا۔ ”رمالاں نکالو۔“

”حسینہ والا رومال نکالو۔“ اس نے آہتہ سے کہا۔ فریدی خاموش رہا۔  
”میں نہیں چاہتا کہ ہوٹل میں پسول کا دھماکہ گو نجھ۔“ سر بیتحال نے آگے بڑھتے آہتہ سے کہا۔ ”اگر تم نے اسی پر مجبور کیا تو۔“

”اوہ بیٹھو!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اتی بھی کیا عجلت.... تمہارے لئے وہ سکی منگاولی یا لے۔“  
”یکومت.... جلدی کرو۔“  
”مگر تم مر گئے تھے۔“ حمید نے کہا۔  
”تمہاری ہی وجہ سے مرتا بھی پڑا تھا.... لیکن شائد اب کی تمہاری ہی باری۔“  
”تو واقعی اس وقت تمہارا موڈ بہت خراب ہے۔“ فریدی نے کہا۔

ہوئی بیوت نہیں۔“

”بھر...!“

”اُرے بھتی اس کے علاوہ وہ اور کہہ بھی کیا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی انسان سے اس کی تو ق نہیں کی جاسکتی۔“

”عجیب و غریب ملکہ ہے۔“ حمید نے کہا۔

”علی فضیل یہاں کا بہترین دماغ تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن آخسر سر بیتحال اس میں کیوں دلچسپی لے رہا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”بیسی تو دیکھنا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ سر بیتحال بھی آدھا جرمن ہے اور علی فضیل کچھ بھاگے ہوئے جرمنوں کا پتہ لگا رہا تھا۔“

”بہر حال یہاں اُنک تو کچھ کڑیاں ملتی ہیں۔ لیکن انہیں ملانا پڑے گا۔ اس ایک روایال کے لئے

اتے قتل ہو گئے.... آخر.... کیوں....؟ اس روایال میں کلب الشیاطین کا پوشیدہ نقشہ ہونا کیا

”نہیں.... یہ محض اطلاعات ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن کل ہم اذر چلیں گے۔ معنی رکھتا ہے۔“

فریدی کسی گھری سوچ میں ڈوب گیا۔ حمید بھی خاموش ہو گیا۔

”کیوں نہ ہم اس وقت کے حدائقے کی اطلاع ہوئیں کے خبر کو دے دیں۔“ حمید نے کہا۔

”لیکن حرکت بھی نہ کرتا.... نہیں تو بڑی پریشانی میں جاتا ہو جائیں گے اور جس کام کے

لئے آئے ہیں وہ دھراہی رہ جائے گا۔“

”کیوں....!“

”اُرے میاں.... اتنی معمولی سی بات نہیں سمجھتے۔ اس کی اطلاع پولیس میں ہو گی اور پھر

لکا جاؤ جام ہو گا۔ اسے بتانے کی ضرورت نہیں.... خواہ مخواہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔“

”بہر حال ہمیں اپنی حفاظت کے لئے کچھ نہ کچھ کرتا ہی پڑے گا۔“ حمید نے کہا۔

”اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم یہاں بھی رہیں ہو شیار رہیں۔“ فریدی بولا۔

”ہم کہیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”سر بیتحال ہمیں نہایت آسانی سے قتل

را کر سکتے ہیں۔“

”لیکن یہ نہ بھولو کر وہ خود بھی اب معاملات کو طول نہیں دینا چاہتا۔ ورنہ اسی وقت وہ ہمیں

زمانے سے یہ روایت چلی آرہی ہے کہ وہ پہنچانیں خبیث روحوں کا مسکن ہے.... یہ اطلاع

یہاں کے محلہ سراغ رسانی سے ملی ہیں.... ہاں تو اس علاقے میں ماہی کیروں کا ایک گما

ہے.... ہاں کے باشدے آئے دن طرح طرح کی افواہیں اڑاتے رہتے ہیں۔ ان کا کہا

اکثر اس پتھریلے کتے کے منہ سے بھوت نکل کر ساحل پر ٹھلا کرتے ہیں.... کبھی کبھی اس

کے منہ سے گرم ہوا کے جھونکے نکلتے ہیں، جو اکثر اتنے تیر ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی میں کوئی چیز بھی سوکھے پتے کی طرح اڑتی چلی جاتی ہے.... یہ بھی سنا جاتا ہے کہ پچھلے سال

کے منہ سے اتنی شدید آندھی چلی تھی کہ پورا گاؤں جاہ ہو گیا تھا۔ اکثر لوگ اب بھی اس

کی آندھی کے نام سے یاد کرتے ہیں.... علی فضیل کا قتل اسی علاقے میں ہوا تھا اور یہ تھی

کہ کسی نے اس کی دونوں ناگنس پکڑ کر چیر ڈالی تھیں.... اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ،

دوران میں دوسری جنگ عظیم کے کچھ نکلست خورده جرمنوں کی علاش میں تھا....“

”واقعی اس بار بڑے عجیب و غریب واقعات پیش آرہے ہیں۔“

”نہیں.... یہ محض اطلاعات ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن کل ہم اذر چلیں گے۔“

خیال ہے کہ یہ میرا شاہکار کیس ہو گا۔ ”فریدی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔

”اچھا یہاں کے محلہ سراغ رسانی والوں کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔“

”کچھ نہیں وہ اُسے محض ضعیف الاعتقادی قرار دیتے ہیں.... پچھلے سال والی آندھی

متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ سائیکلوں تھا.... اور اس قسم کے چھوٹے موٹے واقعات کو بھی

تم کے سائیکلوں ہی سے تبیر کرتے ہیں۔“

”اور علی فضیل کی موت....؟“ حمید نے پوچھا۔

”اس کے متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ کسی درندے کا شکار ہو گیا۔“

”میرا خیال ہے کہ ہاتھی کے علاوہ کوئی جانور اس طرح ناگنس نہیں چر سکتا۔“ حمید۔

”تو پھر وہاں ہاتھی کے بیرون کے نشانات ضرور پائے گئے ہوں گے۔“

فریدی ہنسنے لگا۔

”نہیں ہاتھی کے بیرون کے نشانات نہیں پائے گئے۔“ فریدی نے کہا۔

”پھر اس کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ وہ کسی درندے کی حرکت تھی۔“

ٹھکانے لگا دیتا۔

”میرا خیال ہے کہ اس وقت اس نے بیگانے کے خیال سے ایسا نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ آواز سے لوگ اکھا ہو جاتے اور انہیں بیہاں سے نکل جانے میں دشواری ہوتی۔“ حیدر ”ہم قبضی اس کے قابو میں تھے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر وہ چاہتا تو ہمارا لگا گھونٹ کر آسانی سے ہمیں ٹھنڈا کر دیتا اور کسی کو کافیوں کان خبر بھی نہ ہوتی۔“

## کلب الشیاطین

”جع کریں گے۔“  
”ہم سے کیا مطلب ہے آپ کا۔“ حیدر نے چوک کر پوچھا۔  
”میں چنان کے اندر جائیکارستہ ملاش کرنا۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ نقشہ اُسی سے متعلق تھا۔“  
اور پھر دونوں ساحل کی طرف روانہ ہو گئے۔ آفتاب آہستہ آہستہ ان کے سروں پر آ رہا تھا۔  
در کے پانی کی بسائد فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ علاقہ سر بزر و شاداب تھا۔۔۔ ریت کے تدوں  
یہ در میان بے شمار چھوٹی چھوٹی ہری بھری جھائیاں تھیں اور ان کا سلسہ ڈھلوان زمین تک  
ہاں سمندر کی لہریں نکراتی تھیں چلا گیا تھا۔۔۔ دور سمندر میں ابھری ہوئی چنانوں کے کئی سلسے  
نہیں۔ اور پھر انہیں کلب الشیاطین نظر آگیا۔۔۔ قدرت کی نشاٹی کا یہ نمونہ بالکل کسی آدمی کا  
رامہ معلوم ہوتا تھا۔ بیہاں کے باشندوں کا خیال تھا کہ وہ قدرتی ہے۔ وہ کہتا کہ عظیم الشان سر  
ی آدمی کی کار گیری نہیں بلکہ دست قدرت کا کرشمہ ہے۔ ”میں یہ نہیں مان سکتا کہ یہ قدرتی  
ہے۔“ حیدر نے کہا۔  
”ہو یا نہ ہو ہمیں اس سے غرض نہیں۔ اس سوال کو کسی ماہر آثار قدیمه کے لئے چھوڑ دو۔“  
ریدی نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ابوالہول ہی کی طرح کسی آدمی کا کار نامہ ہو۔۔۔ ممکن ہے  
بے ہزار سال قبل بیہاں سمندر نہ رہا ہو۔۔۔ لیکن ہمیں اس سے غرض نہیں۔۔۔ ہمیں تو یہ  
یکجا ہے کہ اس کے اندر ہے کیا۔“

حیدر خاموش ہو گیا۔ وہ غور سے چنان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اسے ایسا  
گھوٹ ہونے لگا جیسے وہ پتھریلا اور دیو پیکر کتامہ چھائے ہوئے ان کی طرف آ رہا ہے۔ حیدر گمرا  
لر پیچھے ہٹ گیا۔

”اُرے۔۔۔ وہ ادھر آ رہا ہے۔۔۔!“

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ ”احمق ہو۔۔۔ چاروں طرف پھیلا ہوا سمندر دیکھ کر تمہیں چکر  
اکھا رہے۔“

”وٹاگرم ہو لکا ایک شدید جھونکاں کے جسم سے نکرا یا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گئے۔“

”خکھلایہ اس کے منہ سے نکلا ہے۔“ حیدر چیخا۔

”الا۔۔۔ میں نے بھی محسوس کیا ہے۔۔۔ لیکن یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ممکن ہے اس

دوسرے دن فریدی اور حیدر مختصر سماں کے ساتھ کلب الشیاطین کے علاقے کی روانہ ہو گئے۔۔۔ وہ دونوں مصر کے شہری باشندوں کے بھیں میں تھے۔ حیدر کو پھر گھوڑا کیوں کوکہ وہ مصری زبان سے قبضی ناپبلد تھا۔ خود فریدی کو بھی بیہاں کی زبان بولنے میں تھوڑی وقت ضرور ہوتی تھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ الفاظ کا تلفظ تھا۔ بیہاں کی زبان عربی ضرور، لیکن فرانس اور اطالیہ کے قرب نے اُسے خاص عربی نہیں رہنے دیا تھا۔۔۔ اور الفاظ کے تباہی اطالوی اور فرانشی نے گہر اثر ڈالا تھا۔ لہذا بیہاں فریدی کو ہو کلاب نہ تاپ۔

ساحل سے دو میل ادھر ہی کلباس کا قصبہ تھا۔ غالباً بھی اس کا نام کلب الشیاطین ہی رہا، لیکن بعد کی نسلوں نے ازرا و داش مندی اس کے مخفف ہی پر قناعت کی اور اسے کلبش لگ۔۔۔ فریدی اور چمد ایک سرائے میں اترے۔۔۔ سرائے کے مالک نے اس کا نام پوچھا، ہکلانے لگا۔ آخر سرائے کے مالک نے اس کی طرف کاغذ اور پشن بڑھاویا۔ فریدی نے اپنے ”جیل“ لکھا اور حیدر کا ”سہیل“، ”گمل“ و ”سہیل“ سرائے کا مالک سرہلا کر بولا۔

انہیں ایک کوٹھری مل گئی۔

”دیکھا تم نے مشرق اور مغرب کے ناجائز تعلق کا متعجب۔۔۔!“ فریدی نے حیدر کے لوگ جیل کو گمل بولنے لگے ہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ جنت کو گنٹ اور جہنم کو گھنٹ کہتے ہوں گے۔“ حیدر نہ کر بولا۔

”کیوں نہ ہم لوگ ایک نظر اس چنان کو دیکھ آئیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور کام تورات۔“

چنان میں چونے کی کان ہو اور سمندر کا پانی و قیاقو مقام کے اندر جا کر اسے کھولادیتا ہو۔ ”اور آپ اس کھولتی ہوئی چنان کے اندر مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔“ حمید نے خیر مرنا تو ہم دونوں کو ساتھ ہی ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔“ میں بھی کوئی کام چھوڑنے کا عادی نہیں۔“

”بھی بایوی...!“ حمید نے انجان بن کر پوچھا۔ ”یہ آئینہ دیکھ رہے ہو۔“ فریدی نے دیوار پر لٹکے ہوئے آئینے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”نہار اچھا ہاں میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔“ ”اوہ تو آپ بھی اُسی کے چکر میں تھے۔“ حمید نہ س کر بولا۔“ اسی لئے میں نے ہاتھ پر بٹ لئے۔“

”میرے بچے میں یہاں عیاشی کے لئے نہیں آیا۔“ فریدی نے کہا اور سیاہ رنگ کی ریشی ریں تھے کہ کے ایک طرف ڈال دیں۔ حمید جلا کر ایک طرف بیٹھ گیا۔۔۔ وہ سوچ رہا تھا کہ زندگی میں ایک بار سمندر پار آنے کا قابلہ تباہی پر بند پوس کے ساتھ۔۔۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔

آنٹے بچے رات تک فریدی بالکل تیار ہو گیا۔ کھانا ختم کر کچنے کے بعد وہ ضروری سامان لے برائے سے روانہ ہو گئے۔ فریدی نے سرائے والے کو اتنی رقم پیشی دے دی تھی کہ اُسے اس کی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ اُس نے فریدی کو اطمینان دلایا تھا کہ وہ رات کو جس تک بھی آئے گا سرائے کا چھانک کھول دیا جائے گا۔

رات تاریک تھی۔ خلاف موقع مطلع ابر آلوہ ہو جانے کی وجہ سے ستاروں کی روشنی بھی لی تھی۔ کچھ دور چل کر انہوں نے احتیاط ساہ رنگ کی چادریں اوڑھ لیں۔

”75“ کامل تک کسی طرح حل نہیں ہوتا۔“ فریدی نے آہتہ سے کہا۔

”میں نہیں سمجھا۔“ حمید نے کہا۔

”یا تمہیں یاد نہیں کہ یہ عدروں والے نقشے میں تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”تو کیا قبیرہ نقشہ آپ کی سمجھ میں آگیا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”قریب قریب....!“

”دونوں خاموش ہو گئے۔ وہ کھنی جہاڑیوں سے بچتے تیز تیز قدم اٹھاتے ساصل کی طرف لایا تھا۔ حمید بالکل خالی الذہن تھا۔ بس وہ چل رہا تھا۔ اسے کیا کرنا ہو گا اس سے قطعی بے خود فریدی کی بھی یہی حالت تھی۔ اس کے ذہن میں صرف ایک چیز تھی وہ یہ کہ انہیں ایک شکن حاصل کر کے چنانوں کے سلسلے تک پہنچانا ہے۔“

حمدید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کو اس کے ارادے سے باز رکھنا ممکن ”میرا خیال ہے کہ یہ بھی گیردوں کی کشتیاں ہیں۔“ فریدی کچھ دور دریت پر اونٹھی پڑا چند کشتیوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”آج رات ان میں سے ایک ہماری مدد کرے گی۔“ پھر وہ لوگ وہاں سے لوٹ آئے۔ آنے سے قبل فریدی کچھ دری کنارے پر کھڑا چنانوا سلسلے تک پہنچنے کے امکانات پر غور کرتا رہا۔ سرانے والپس آکر کھانے کے بعد وہ من انتظامات میں مشغول ہو گیا۔

سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف بچک رہا تھا۔ سرانے کے باور بھی خانے سے کے تیل میں تی جانے والی مچھلی کی خونگوار اور اشتها انگیز خوبصورت کرضاں میں منتشر ہو رہی صحن میں دو چار میلے کچھ بچھے اچھل اچھل کر کوئی دیہائی گیت گارہ ہے تھے۔ ان کے قریب و خارش زدہ کلتا پڑا ونگھہ رہا تھا۔ سرانے کا مالک ایک چوکی پر برآمدے کے ستون سے نیک اس عکھیں بند کئے بیٹھا تھا، بھی کبھی وہ ایک آنکھ کھول کر شور مچاتے ہوئے بچوں کی طرف لا سے دیکھتا اور پھر اوٹھنے لگتا۔ اس کی بیوی جو اس کے مقابلے میں کافی کسن تھی اور بار بار بخانے کی کھڑکی میں آکر انگلیوں سے اپنے بالوں میں کنکھی کرتی اور کبھی کبھی شور مچاتے، بچوں میں سے کسی ایک کاتام لے کر پکارتی اور اسے گھونساد کھاتی ہوئی پھر لوٹ جاتی۔ حمید کا اس میں دلکشی ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر محض اس لئے اس سے نفرت کرنے پر مجھ کہ وہ اس کی زبان نہیں سمجھ رہا تھا۔۔۔ ایک بار اس نے طوعاً و کرہاً آنکھ بھی ماری لیں کوئی رد عمل نہ دیکھ کر اسے اور زیادہ نفرت ہو گئی۔۔۔ وہ مسکرائی نہ شرمائی اور نہ نیخ اظہار کیا۔۔۔ گویا حمید نے اسے آنکھ مارنے کے بجائے اپنی ناک کھجلائی تھی۔ آخر دہانہ کھڑکی سے ہٹ گیا۔۔۔

”آخر بایوی کامنہ دیکھنا پڑتا...!“ فریدی مسکرا کر بولا۔

اس وقت کتے کا سر تاریکی میں اور زیادہ خوفناک معلوم ہو رہا تھا۔ حمید کے جسم کا کھڑے ہو گئے۔ اس چنان کے گرد و پیش کی فضائی اسرار اور ڈرائی فلٹ۔ چاروں طرز سناتا تھا۔ کبھی کبھی کسی آپی جانور کی آواز سکوت کو چیرتی دور تک لہراتی چلی جاتی۔ فریدی کے جسم کی کپکلپاٹ محسوس کر لی۔

”کیوں کیا بات ہے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔  
”لک کچھ نہیں.... میں سوچ... رہا تھا۔“ حمید ہکلایا۔

لیکن پھر سوچنے لگا کہ کیا کہے دفعتاً سے سر پتھال یاد آگیا اور وہ بولا۔ ”ایک بات نہیں آتی کہ سر پتھال نے خود کو ظاہر کیوں کر دیا۔ وہ فضیل کی شکل میں بھی ہو ٹل میں آتا۔ ”محض ہمیں ڈرانے کے لئے، وہ سمجھا تھا کہ ہم اُسے بھوت سمجھ کر غش کھا جائیں فریدی نے کہا۔“ لیکن تم نے یہ بات خواہ مخواہ چھیڑی ہے.... کیوں کیا ڈر لگ رہا ہے۔“

”ڈر.... لا حول ولا قوہ....!“ حمید اکٹھ کر بولا۔ ”لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس سے چیخ نکل گئی۔ فریدی بھی چونکہ کچھے ہٹا۔ سامنے پھر میلے کتے کے پھیلے ہوئے جبرا ہرے رنگ کی روشنی نکل رہی تھی۔ کچھ دھواں بھی تھا۔ پھر زنائے کی آواز آئی اور کوئی چ طویل و عریق تھی کتے کے منہ سے نکل کر فضائیں تیرتی ہوئی ساحل کی طرف آتی دکھلا ”بھاگو....!“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”دونوں نے پوری قوت سے دوڑنا شروع کر پھر انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی ان کے پیچھے دوڑ رہا ہو۔ فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک آدمی جس کی اوچائی دس گیارہ فٹ سے کم نہ رہی ہو گی۔ ان کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔ نے ریو اور نکال کر فائز کیا۔ گولی اُس کے جسم سے ٹکرائی اور ایسا جھنا کا پیدا ہوا جیسے ٹھوٹا۔ پھر گراہو.... وہ اب بھی لے لے ڈگ بھرتا ہوا اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

”حید جھاڑیوں میں....!“ فریدی نے کہا.... اور وہ جھاڑیوں میں گھس گئے۔ ”چادر اوڑھ لو جلدی کرو.... لیٹ جاؤ.... چادر تان لو... وہ آگیا۔“ دونوں نے اسیہ چادریں تان لیں.... آسان کھل گیا تھا۔.... ستاروں کی چھاؤں میں فریدی نے اغیر معمولی اوچائی والا آدمی ان کے قریب ساکت و سامت کھڑا تھا۔ فریدی نے چادر نکالنے کی بھی ہمت نہ کی۔ وہ اپنی گولی کا انجمام دیکھ چکا تھا۔ کئی منت گزر گئے۔ وہ اسی جگہ پ

درک کھڑا تھا۔ کیا وہ کوئی آدمی تھا؟ فریدی کے ذہن میں سوال پیدا ہوا؟ لیکن کوئی آدمی نہ تو اتنا لباوں سکتا ہے اور نہ فضا میں اڑ سکتا ہے.... پھر.... کیا وہ کوئی مافق الفطرت ہستی تھی....؟ نہیں یہ بھی غلط ہے....؟ اگر ایسا ہوتا تو وہ اس طرح خاموش کیوں کھڑا رہتا۔ کیا ایک سیاہ چادر اور رات کی تاریکی انہیں اس کی نظروں سے چھپا سکتی ہے؟ پھر.... آخر وہ کیا تھا....؟ آدمیوں کی طرح اس کی دو تا انکیں تھیں۔ جن سے وہ ان کے پیچھے دوڑا تھا.... دوہاتھ تھے اور شانوں پر فریدی نے چادر سے سر نکالا اور اس عجیب الخلق تھی کہ اسی نے ایک قدم بڑھایا۔.... فریدی نے جلدی سے منہ اوڑھ لیا.... اس کا وہ پیر اٹھا ہی رہ گیا۔ اب وہ ایک پیر اٹھائے بے حس و درک کھڑا تھا.... فریدی نے آہستہ سے سیٹی بجائی.... لیکن اس کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسی حالت میں کھڑا رہا۔

”ویکھو....! اخبار! تمہارے جسم کا کوئی حصہ چادر کے باہر نہ لکنے پائے۔“ فریدی نے کہا۔ حمید کی گھنٹھی بندھ گئی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن وہ سب کچھ سن رہا تھا۔ اس نے چادر کے کونے چاروں طرف سے اپنے جسم کے پیچے دبائے.... دفعتاً ہوا کا ایک زور دار جھونکا آیا۔.... ”ہوشیار رہنا.... چادر اڑنے نہ پاۓ۔“ فریدی نے پھر کہا ”ورثہ ہمارا بھی وہی حرث ہو گا جو علی فضیل کا ہوا تھا۔“

ہوا کے چھوٹا لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتے جا رہے تھے۔ فریدی برابر کہہ جا رہا تھا۔ ”چادر کو مضبوطی سے دبائے رکھو۔“

”وہ لمبا رنگا آدمی اپنی ایک ناگ اٹھائے ہوئے اب تک اسی طرح کھڑا تھا.... تھوڑی دیر بعد ہوا کے جھوکے ختم ہو گئے۔ اس نے جست لگائی اور فضا میں تیرتا ہوا سمندر کی طرف واپس چلا گیا۔

”چپ چاپ لیئے رہو۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”چادر بٹھنے نہ پاۓ۔“ اور پھر کچھ دیر بعد قریب کے ٹیلوں کے درمیان نارچ کی روشنی نظر آئی اور ایک چڑا اگرا۔.... یہ سر پتھال تھا۔ وہ میلے کی اوٹ سے سر نکالے نارچ کی روشنی اور ہر اور ڈال رہا تھا۔

”یہ اب زندگہ نہ چھوڑے گا.... کاش میرا نکانہ خطا نہ کرے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور ریو اور نکال کر فائز کر دیا۔.... گولی تھیک نشانہ پر لگی اور سر پتھال جیخ مار کر اٹ گیا۔

وسمیات کے ماہرین نے اُسے سائیگلون ہی قرار دیا۔ البتہ قصہ میکے لوگ اسے کلب الشیاطین کی رہی ہے تپیر کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس میں بننے والی خبیث روحیں وہاں قبصے کی جائے ویرانہ چاہتی ہیں۔

حید کا بیر مفترضی طبی امداد سے ٹھیک ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی وہ درد کی وجہ سے نفل و حرکت محدود تھا۔ اس رات کی خوفناک یاداب تک بھی اس کے ذہن پر مسلط تھی۔ وہ زیادہ تر اموش زننے لگا تھا۔ اس کے برخلاف فریدی کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ پیلے یہی طرح سوچتا، نہ تا، مسکراتا اور بات بات پر حید کا مختکہ اڑاتا رہتا تھا۔ لیکن اس دوران میں وہ کوئی کام کر تاہم تھا۔ حید اس کی حمافتوں اور خلل دماغی پر محمول کرنے کے علاوہ کوئی بر منی نہیں پہنچا سکا۔ فریدی نے کپڑے کے دو قبیل آدم مجسے تیار کئے تھے۔ ایک پر اس نے سیاہ پیشی چادر کا غلاف چڑھایا اور دوسرے کو یوں نہیں رہنے دیا۔ لیکن وہ بھی تھا تو کالا لیکن سوتی کپڑے اور آخر ایک دن حید پوچھ ہی بیٹھا۔

”آخر یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ کیا آپ پر بھی کسی خبیث روح کا سایہ ہو گیا ہے؟“

”نہیں میں ان خبیث روحوں کو گرفتار کرنے کی تدبیر کر رہا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”وو گویا بھی آپ ان کے وجود سے منکر ہیں۔“

”اگر سر عتمصال کی لاش غائب نہ ہو گئی ہوئی تو میں ضرور قائل ہو جاتا۔“

”بھلا اس میں کون ساکن ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”تکمک کہ بھوتوں نے اس کی لاش غائب کیوں کر دی اور وہ وہاں اس وقت کیا کر رہا تھا۔“

”مگر ان ہے کہ وہ بھی ہماری ہی طرح اس کا راز جاننے کی کوشش کر رہا ہو۔“ حید نے کہا۔

”اگر ایسا ہے تو اس لیے ترکے بھوت نے اس کا تعاقب کیوں نہیں کیا۔“

حید خاموش ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کردار کا غازی ہونے کے ساتھ ہی ساتھ گفتار کا بھی نائزی ہے۔

اور پھر وہ بھوت ہمیں کپڑے کیوں نہیں پاتا۔ ہم نے دور یشی چادر میں اوڑھ لی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ان چادروں پر نہ تو نقش سلیمانی بتا چاہا اور نہ ہی وہ کسی عالم کا عطیہ تھیں۔ ... میں نے انہیں محنل لباس اس شبروی کے طور پر استعمال کرنے کے لئے خریدا تھا اور پھر تمہیں یاد ہو گا میرے من

”اب نکل چلو....!“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ... دونوں پوری وقت سے قبے کیا بھاگ رہے تھے.... ایک جگہ حید نے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا۔ ... فریدی نے رک رک اٹھایا۔ ... لیکن شاید حید کے پیر کی بڑی ٹوٹ گئی تھی۔ فریدی نے اسے کانڈھے پر لا دا دوڑنا شروع کر دیا۔ ... قبے میں داخل ہوتے ہوئے اچانک آندھی آئی۔ ... آندھی قیامت.... جھوپڑوں کی چھتیں اڑنے لگیں.... کمزور دیواریں گرنے لگیں.... ہر طرز قیامت بربا تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ کئی جگہ آگ لگ گئی۔ ... نہ جانے کتنے ہی گرتی ہوئی دیواروں کے نیچے دبے چیز رہے تھے۔ آندھی تھی کہ لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی فریدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ بھی اب اپنا توازن قائم نہ رکھ سکے گا.... وہ قبے سے نکل کر جنگل کی طرف بھاگا۔ ... کئی درخت جسے اکھڑ گئے تھے.... اس نے اس طرف اکر غلمہ تھی۔ وہاں سے وہ اس لئے بھاگا تھا کہ کہیں مکان کی دیوار نہ آرہے۔ لیکن یہاں درختوں کے دب کر مر جانے کا خطرہ تھا.... پھر بھی شاند قدرت اس پر مہربان تھی۔ جیسے ہی اس نے دیکھنے کے لئے تارچ جلانی اسے ایک عارد کھائی دے گیا۔ دوسرے لمحے میں وہ حید سمت غار اندر تھا۔ حید تکلیف کی وجہ سے بیہوش ہو گیا تھا.... فریدی نے اسے ایک طرف ناڈا دیا۔ ہورہا تھا آندھی آہستہ کم ہوتی جا رہی تھی۔ فریدی پھر لوٹ کر حید کے قریب آیا۔ ... جھک کر اس کی تانگیں دیکھنے لگا۔ ... یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ بڑی ثوٹی نہیں بلکہ پیر میں آگئی ہے۔ اس کے دامنے پنج میں خاصاً ورم تھا.... خود اس نے اس کا جو تباہ اور تھوڑی ماش کرنے کے بعد پیر میں رووال باندھ دیا۔ حید ابھی تک بیہوش تھا.... فریدی پھر غار دہانے کے قریب آیا۔ آندھی تھم گئی تھی۔ لیکن قبے کا شور بدستور قائم تھا۔

## خطرناک تجربہ

دوسرے دن دوپہر کو قبے میں سر کاری مدد پہنچ گئی اور فریدی حید کو لے کر پھر شہزادہ آگیا۔ اخبارات میں کہا جا سکی اس ٹریجیڈی کی خبر شائع ہوئی تھی۔ میں آدمی ہلاک اور بھی زخمی۔ ... اٹھارہ پچھتہ مکان منہدم ہو گئے تھے اور جھوپڑا تو ایک بھی نہ رکھ سکا تھا۔ اس بد-

کھونے پر اس نے ایک قدم اٹھایا تھا..... جو منڈھاک لینے کے بعد بدستور اٹھا ع رہا... اس کی سمجھتے ہو۔

لی بھیں نہیں آرہا تھا کہ آخر اس کا نجام کیا ہو گا۔ کیا اس بار فریدی کی دلیری کام آئے گی؟ کیا

ایک انگی قوت کا مقابلہ کر سکے گا جوانانی دسترس سے باہر ہے؟ کہیں یہ اس کا آخری کارنامہ تو

حمد نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ یہ مسئلہ اس کی الجھن کا باعث بھی بن چکا تھا۔

فریدی اسی دن شام کو قاہرہ سے کلب الشیاطین کے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ رات

پہنچنے بڑے کرب اور بے چینی کے ساتھ گذاری، رات بھروسہ سکا۔ صبح دس بجے تک وہ

فریدی کا انتشار کرتا رہا۔ اور پھر اچانک اس کا اضطراب بڑھ گیا۔ فریدی نے گیارہ بجے تک لوٹ

مکرا کر بولا۔ ”اگر تم واقعی خوفزدہ ہو تو میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلنے پر مجبور نہیں کر دوں گا“

”آپ تو خواہ مخواہ بد گمان ہو جاتے ہیں۔“ حمید جھنگلا کر بولا۔ ”مجھے آپ کی بھی ز

عزیز ہے.... کیوں نہ اس معاملے میں یہاں کے حکام کی بھی مددی جائے۔“

”بھی نہیں.... اپنے اطمینان کیلئے میں ایک تجربہ اور کرتا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا

”کب....؟“

”آج ہی....!“

”میرا پیر تو ٹھیک ہو جانے دیجئے۔“

”نہیں میں تمہیں نہ لے جاؤں گا۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں....؟“

”ممکن ہے کہ تمہیں سنبھالنے میں خود میں ہی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔“

”بہر حال میں آپ کو تھا نہیں جانے دوں گا....؟“

”نہیں بھی تم سمجھتے نہیں ہو۔“ فریدی نے آتنا کر کہا۔ ”میں اس نے ایسا نہیں کر رہا

ڈر رہا ہے.... حالانکہ یہ بھی غلط ہے کہ تم ڈر پوک ہو۔.... وہ معاملہ ہی ایسا تھا کہ ایجھے

سورما کے پیرا کھڑ جاتے....!“

”پھر آخر آپ مجھے کیوں نہیں لے جانا چاہتے۔“ حمید نے پوچھا۔

”ممکن ہے اس بار اور زیادہ بد حواسی کے عالم میں بھاگنا پڑے اور ہم دونوں ایک دی

سے الگ ہو جائیں.... ایسے معاملات میں تھا آدمی اپنا پیاڑ کر سکتا ہے۔“

”حید نے بہت کوشش کی کہ فریدی کو اس ارادے سے باز رکھے لیکن کامیاب نہ۔“

”جید نے بہت کوشش کی کہ فریدی کو اس ارادے سے باز رکھے لیکن کامیاب نہ۔“

نہیں آیا... کھواب کیا کہتے ہو....! ”  
”یعنی وہ خبیث روئیں ریشم سے ڈرتی ہیں۔“ حمید نے کہا۔

“نہیں بلکہ اس کے کپیٹ میں بیٹھی ہوئی خبیث شخصیت کو ریشم دکھائی نہیں دیتا۔”

”معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ایک آدھ اسکر و ضرور ڈھیلا ہو گیا ہے۔“ حمید جھینپ کر  
”خیر معلوم ہوا کہ تم بڑے گاؤ دی ہو گئے ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”مجھے اس سے بہر  
تو قع تھی۔“

”بہت جلد سمجھ جاؤ گے۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن اطمینان رکھو وہ کوئی آئینی خلل نہیں ہماری تمہاری جیتنی جاگتی دنیا کی بات ہے۔“

تھوڑی دیر بعد کافی آگئی۔ فریدی نے دو تین گھونٹ لینے کے بعد سگار سلکا گیا۔  
”ماں تو بھی تحریر کامام رہا اور دلچسپ بھی۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں نے یہیں

”نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ حمید اکتا کر بولا۔

”میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمہیں تربیت سے دکھاؤں گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”زراfon کر کے اور ملکواؤ۔“

بہرے پر بڑوں سی جوں درج دل رکھے تو اسیں رکھ کر میرے بڑے گھر میں پہنچا۔

ج ۔ زیستہ اٹھ کے فوائنا کا

۱۰۷۳ کا نامہ کا ایک ایجاد کرنے والے مکالمہ تھا۔

میڈپ پر اس روز یہ نکلے

میرا پیچھا رہا۔ اس کار میں سیاہ چادر اور وہ مریٹ لیا اور وہ میرے سریب ہی اس

”اس میں الجھن کی کوئی بات نہیں..... میں نے حقائق تمہارے سامنے رکھ دیئے۔ اب تم غر کے ساتھ کچھ کہنا کر شکر کے ساتھ کچھ کہنا۔“

پھر میں نے وہ جسم سے اس کے سامنے پھینک دیا۔ جو سوی پڑے کا تھا۔ وہ حیرت الائیز ساتھ چھکا اور جسم کی تالگیں چیر کر پھینک دیں.... اُف کتنی درندگی تھی.... اس وقت

دیورے اس سے وسیل رہے ہی تو بس برو۔ لوئی حلق بات بیکر۔  
بڑی کنے کھا اور آرام کری پر لیٹ گیا۔ حمید بھی کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

فریدی نے مکس کھول کر اُس مجھے کے دونوں ٹکڑے نکالے اور حمید کے سامنے رکھ دیے۔ اس لصور سے کانپ اٹھا تھا۔

## کتے کے پیٹ میں

”درستہ دن فریدی مصر کے محلکہ سراج رسانی کے دفتر میں بیٹھا گئے کے ڈائریکٹر ضر عام  
ثائے گئے تو کوئی رہا تھا۔

”میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔“ حمید نے اس سے کہا۔  
 ”خیر، خیر میں بھی ابھی اس مسئلے پر روشنی ڈالنا نہیں چاہتا۔ لیکن میں نے جو اندازہ

”میر فریدی مجھے افسوس سے کہ ہم آپ کا ہدایہ کر سکتے گے۔“ باشانے کیا۔

غلط نہیں ہو سکتا۔ ہاں تو پھر میں نے اس مجسمے کو حاضر کے اندر کھینچ لیا۔ وہ قطعی بے حر

لیکن میرے ملک کا حکومت نہ آئی کا حکومت سو خواست کیا آ کرنا

کھٹا اپھا۔ تھوڑی دل بعہاد، نوجست (گاؤں) اور پھر کتے کرنے کا طرف روانہ ہو گیا

دامت اس کے لئے احکامات ملیں جائیں ہیں۔

جلدی جلدی مجسمے برکار یشمی غلاف اتارا اور اسے جسم رہاں طرح منڈھ لیا کے کوئی

”میک ہے۔ پاشا بولا۔“ مجھے اس سے کب انکار ہے.... آس شخص کا چیز نشان بتائیے،

رہے اور پھر میں ساحل کی طرف آیا۔۔۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک کھڑا رہا لیکن کوئی نا

جو آپ کی حکومت کا مجرم ہے۔ ہم اسے گرفتار کر کے آپ کے حوالے کر دیں گے۔ لیکن یاد کریں کہ بھی سمجھتا تھا کہ مجموعی طور پر ان کی اتنی ہی تعداد ہوئی ضروری نہیں لیکن نبڑے نہیں۔

ایشیاطین والا واقعہ خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔

لیکن میں نے جو کچھ آپ کو بتایا ہے اسے خواب نہیں کہا جاسکتا۔ فریدی نے کہا۔ ”ممکن ہے آپ درست کہتے ہوں۔“ پاشانے کہا اور خاموش ہو گیا۔

فریدی سمجھ گیا کہ وہ اس سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ وہ وہاں سے ناکام لوٹا۔ لیکن اس نے دال دیا۔

ہمت نہ ہاری تھی۔ اب اس نے اپنی حکومت کے سفارت خانہ کارخ کیا۔ سفیر اس سے اس کارناموں کی بناء پر اچھی طرح واقعہ تھا اور اسے حکومت کی طرف سے پہلے ہی فریدی کیا۔ ”پان کرتے چلو۔“ فریدی نے لاپرواںی سے کہا۔ ”میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ انہیں پڑھ ادا کے لئے ہدایات مل بچی تھیں۔ اس نے فریدی سے وعدہ کیا کہ وہ قاہرہ کے پولیس کشم دیں۔“

کہاں کے رہے ہے دیہاتیوں نے بھی قصہ چھوڑ دیا۔ ”حمدی نے کہا۔“ کل رات ساحل پھر دو دن بعد اسے اطلاع ملی کہ پولیس کمشز بھی تضییح اوقات کے لئے تیار نہیں۔ از

خیال کے مطابق عملہ کا کوئی آدمی کلب ایشیاطین کے اندر رکھنے کی بہت نہیں کرے گا۔ ... کہ ان آدمیوں کی لمبائی دس فٹ سے کم نہیں تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح لڑتے رہے فریدی نے فیصلہ کیا کہ وہ بذات خود پولیس کمشز سے ملاقات کرے گا۔ لیکن اس کی یہ کوشش راتے ہوئے کلب ایشیاطین کی طرف پلے گئے۔ دیکھنے والوں کا خیال ہے کہ وہ اس پتھر لیے کتے بار آور ثابت نہ ہوئی۔ ... پولیس کمشز نے اسے بتایا کہ آسی خلل سے قطع نظر کر کے ہمیں جاتا پسند نہ کرے گا۔ اس نے بھی فریدی کے قائم کردہ خیالات کا مظہک اڑایا۔

اور پھر فریدی کو اپنی ہی قوت بازو پر بھروسہ کرنا پڑا۔ ... اس نے چھوٹی سی روپی کی خریدی اور اس پر ریشم کا خلاف چڑھایا۔ ... دو ہلکے ہلکے چوار بنائے اور ان پر ریشم کیڑا دیا۔ ... اپنے اور حمید کے لئے ریشم کا ایسا لباس تیار کرایا جس سے جسم کا کوئی حصہ کھلا سکے۔ ... آنکھوں کے حصوں پر ریشم ہی کی باریک جالی لگاؤ۔

حمدی ان سب تیاریوں کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ پکا تھا کہ اس آخری کارنامہ ہے۔

لیکن وہ فریدی کی مخالفت نہیں کر سکا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے اس سلسلے میں ایک منہ سے نکالا تو فریدی اکیلا ہی چلا جائے گا اور یہ چیز اسے کسی طرح گواہانہ تھی۔

اس دوران میں وہ کئی ہوٹل تبدیل کر چکے تھے۔ انہیں ذر تھا کہ کہیں مجرم ان کا کارہنا۔ انہیں اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش نہ کریں۔ فریدی نے اس رات سر بیٹھاں کے ساتھ

”لے گا... دیکھا جائے گا۔“

فریدی اللہ کر بتا بانہ انداز میں ٹہلنے لگا۔

"میں ایک بار پھر آپ کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کروں گا۔" حید نے کہا  
"مشکل ہے۔" فریدی پلٹ کر بولا۔ "میں سب کچھ سمجھ چکا ہوں..... میں کلب پھر  
اسی طرح چھینا چاہتا ہوں جیسے ایک شرمند عرصہ تک شراب نہ ملنے کے بعد یوں کل پر جو ہوا  
میں اب انتظار نہیں کر سکتا..... اگر تم نہیں جانا چاہتے تو میں تھا جاؤں گا۔"

"آپ پھر میرا مطلب غلط سمجھے..... میں تو....؟"

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔" فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔

حید خاموش ہو گیا..... وہ جانتا تھا کہ اب ساری کوشش بیکار ہیں۔  
اسی شام کو وہ دونوں کلب اس کی طرف روانہ ہو گئے۔ فریدی نے سارا ضروری سامان  
لے لیا تھا۔ تیکی ڈرائیور پر انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ کسی اخبار کے نامہ نگار ہیں۔ تیکی ای  
نے دیران حصے سے آدھ میل ادھر ہی چھوڑ دی۔

تاریکی پھیل گئی تھی۔ وہ قصبے کی ایک دیران مکان میں حکس گئے۔ یہاں چاروں طرف  
تھا۔ گاؤں میں ایک تنفس بھی نہیں رہ گیا۔ سائیں سائیں کرتی ہوئی سیاہ رات نے قصبے کی  
میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آواز خاموشی کے اتھا ساری میں کھڑ  
پیدا کر کے کہیں غائب ہو جاتی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ تم غافل نہیں ہو۔" فریدی نے حید سے کہا۔

"قطعی نہیں! بشر طیکہ اپنے جیسے انسانوں سے مقابلہ کرتا پڑے۔"

"طمثمن رہو..... اس کے آگے جھیس سوچنا ہی نہ چاہئے۔"

"اوہ..... آپ تو مجھے اس طرح بہلا رہے ہیں جیسے میں نے اس طویل القامت دیکو کہا  
نہ ہو۔"

"گھبراو نہیں..... آج رات اس سے مقابلہ کی توقع نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" حید نے آتا کر کہا۔

ایک گھنٹے کے بعد ساری تیاریاں مکمل کر لینے کے بعد وہ ساحل پر کھڑے تھے۔ کالا!  
گذر گیا۔ لیکن کلب الصیاطین کی خاموشی میں فرق نہیں آیا۔ حید کو فریدی کی پیشیں گئی،  
ہونے لگی اور فریدی نے ربر کی کشتی سندھر میں ڈال دی۔ وہ آہستہ آہستہ کلب الصیاطین

رن بڑھ رہے تھے..... حید کی نظریں کتے کے پچھے ہوئے دہانے کی طرف گئی ہوئی تھیں۔ "وہ  
باقی اخاکیا واقعی یہ سیاہ ریشم کا باس سحر زدہ ہے اور پھر ان کی کشتی چٹانوں کے سلسلے سے مکرائی۔  
یہی کاہر پکڑ کر اپر چڑھ گیا۔ حید نے بھی اس کی تقلید کی اور اس کے بعد کشتی اور پھر سختی گئی۔  
پہنچانوں پر قدم رکھتے ہی لرز اٹھا۔ یہاں کا پرس اس نامہ مصروف قدیم کے خوفناک جادو گروں کی یاد  
پہنچانوں اور وہ مقبرے بھی یاد آئے جن میں ہزاروں سال سے انسانی لاشیں محفوظ تھیں۔ مخفی  
انے لگا اور وہ مقبرے بھی یاد آئے جن میں ہزاروں سال سے انسانی لاشیں محفوظ تھیں۔ مخفی

لہام پر کہ ایک دن ان کی بھکتی ہوئی رو حیں اپنے جسموں میں لوٹ آئیں گی۔

چٹانوں کا سلسلہ تقریباً دو تین فرلانگ تک چلا گیا تھا۔ جس چٹان پر یہ لوگ کھڑے تھے کلب  
بیاطین کا ایک حصہ تھا۔ فریدی نے جیب سے تاریق نکالی اور آہستہ آہستہ ایک طرف بڑھنے لگا۔  
بدرہ میں منٹ کی جدو جہد کے بعد بھی وہ کوئی ایسا راستہ نہ معلوم کر سکے جس کے ذریعہ اندر پہنچ  
سکے۔ پھر انہوں نے دوسرا را اختیار کی۔ فریدی میں کتے کے سر کے نیچے آکر کھڑا ہو گیا۔ جس  
لاؤچائی چائیں فیٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی۔ حید پر ایک بار پھر بیت طاری ہو گئی۔ خود  
زیدی نے بھی ایک بار جھر جھری سی لی۔

اور ہر بھی کسی طرف سے کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ اس وقت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ  
فریدی اپنی تاریق کا آزاد اس تعمیل نہیں کر رہا تھا۔ دفتاؤ وہ دابنے طرف کے نیبیں میں اتر گیا۔  
حید نے بھی اس کی تقلید کی..... اور ہر چٹان کا پھیلاؤ زیادہ تھا۔ ایک جگہ اچاک فریدی رکا اور جھک  
لرز میں کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ نشانات دیکھ رہے ہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "بھکتے ہوئے بیرون کے نشانات۔"

اور وہ آہستہ نشانات کے ساتھ آگے بڑھنے لگا اور پھر وہ ایک بار کتے کی گردن سے  
قریب تھا گئے۔ یہاں آگر بیرون کے نشانات غائب ہو گئے۔ فریدی نے تاریق روشن کی۔ اسے  
غلط فہمی ہوئی تھی۔ بیرون کے نشانات یہاں غائب نہیں ہوئے تھے بلکہ چند ابھرے ہوئے  
چھوٹے چھوٹے پھر وہ پندرہوں پر نظر آرہے تھے۔

"آخر ان پھر وہ پر چلنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ چٹان کا ایک حصہ پاٹ اور مسطح  
ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "یہ چیز واقعی دلچسپ ہے۔" حید بولا۔

فریدی کی ان پھر وہ کو دیکھنے لگا۔ ہر ٹکڑے پر یہی کا ایک نشان موجود تھا اور اس کے بعد مسطح

چنان پر کوئی نشان نظر نہ آیا۔

”لو بھی اس خبیث کا پیٹ تو پھٹ گیا۔“ فریدی حید کی طرف مزکر آہستہ سے بولا۔  
اس نے اس اچانک نمودار ہونے والے غار کے دہانے میں تارچ کی روشنی ڈالی۔ اندر بالکل  
اور دہانے کے سرے سے آٹھ دس زینے تھے تک پلے گئے تھے۔ دونوں غار میں بہ آنکھی  
بیسے ہی انہوں نے فرش پر قدم رکھا اور دہانے کا منہ بند ہو گیا۔

”یہ کیا ہوا۔“ حید اور پر کی طرف دیکھ کر گھبرائے ہوئے لجھ میں بولا۔

”نہ ہو...!“ فریدی نے کہا اور زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔ آخری زینے پر پیر کھتھی  
پھر کھل گیا۔ فریدی لوٹ آیا۔ اور دہانہ بند ہو گیا۔

”غصب کی کارگیری ہے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ بھوت اس وقت کہاں سور ہے ہیں۔“ حید نے کہا۔  
”وہ مطمئن ہیں کہ کوئی ان تک چکنچھی کی ہمت نہ کر سکے گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”پھر ہم  
قطیعی نہ کھائی دیتے ہوں گے۔“

”ہم نے جادوالی لباس جو پہن رکھا ہے۔“ فریدی ہنس کر بولا۔

”معلوم نہیں کہ آپ کے ذہن میں کیا ہے۔“ حید نے کہا۔

”جو کچھ ہے ابھی سامنے آ جاتا ہے۔“ فریدی نے کہا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔  
کمرے میں کھڑے تھے جس میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ان کا دم گھٹنے لگا اور  
زینوں پر چڑھ گئے۔ غار کا دہانہ کھل جانے کی وجہ سے انہیں اس گھٹن سے نجات ملی۔ فریدی  
نے پھر تارچ کی روشنی میں اس کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا اسکی نظریں سامنے کی دیوار سے زیاد  
پڑیں۔ یہ تین الگ الگ سیر ہیاں تھیں جن کا درمیانی فاصلہ ایک فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔

”ذرا ان زینوں کو دیکھو۔“ فریدی بولا۔ ”بھلان ان تین زینوں کا کیا مطلب ہے اور یہ  
سوچو کہ ان کے سرے پر دروازے بھی نہیں ہیں۔ پھر ان کا کیا مقصد ہے.... اور یہ... حید  
پہلے زینے کی سیر ہیاں تو گنو۔“

”تو ہیں۔“ حید بولا۔ ”دوسرے میں سات اور تیسرے میں پانچ ہیں۔“

”اچھا تو وہ روماں والا عدد کیا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”تو سو پھتر...!“ حید نے کہا۔

”تو سو پھتر نہ کہو۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”بلکہ نو۔ سات۔ پانچ کہو...!“ لو بھی تو سو  
نہ کا مسئلہ بھی پچکی بجا تے حل ہو گیا۔ قدرت کچھ مہربان معلوم ہوتی ہے۔“

”آجھا تم تینیں ٹھہر و تاک دہانہ کھلا رہے ہے.... میں ذرا ان زینوں کو دیکھتا ہوں۔“ وہ آخری  
نے پرے نیچے کو دیکھا۔ اب وہ سامنے والی دیوار کے زینوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ پہلے وہ نو  
رمیوں والے زینے پر چڑھا۔ پھر اس پرے سے ہو کر سات سیز ہیوں والے زینوں سے گذرتا  
باہیج آیا۔ اور پانچ سیز ہیوں والے زینے پر چڑھتے لگا۔ جیسے ہی وہ آخری سیز ہی پر پہنچا  
پار کا ایک حصہ ایک طرف ہٹ گیا اور دوسرا طرف عجیب قسم کی گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی  
ہے۔ فریدی نے حید کو اشارے سے بلایا۔ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ یہاں بالکل تاریکی  
لی۔ فریدی نے تارچ روشن کی اور آگے بڑھنے لگا۔

”یہ آواز کیسی ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”کسی میشن کی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”میشن...!“ حید چوچک کر بولا۔

”اہاں خاموشی سے چلے آؤ۔“ فریدی بنے کہا۔ وہ ایک تک و تاریک راستے سے گذر رہے  
تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک کمرے کے سامنے کھڑے تھے جس کے دروازہ پر سیاہ پرده پڑا تھا  
اور روشنداں سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ دونوں پہ آہنگی دروازے سے ہٹ کر ایک کنارے  
کرے ہو گئے۔ فریدی نے روشنداں سے جھاک کر دیکھا۔ اندر چار آدمی ایک میز کے گرد بیٹھے  
ثراب پا رہے تھے۔ ان میں ایک بوڑھا تھا جس کے چہرے پر ٹھنڈی اور سفید ڈاڑھی تھی۔  
پالوں یو روپیں معلوم ہوتے تھے۔ فریدی نے حید کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

”ویکھا تم نے.... یہ ہیں تمہارے بھوت.... اس بوڑھے کو پہچانتے ہو.... کہیں تصویر تو  
دیکھیں یہو گی۔“

”میں نہیں پہچاتا.... لیکن....!“

”ٹھہر...!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”اُس طرف داہنے کونے میں دیکھو۔“

”حید لا کھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔“

”اُرے یہ تو... وی...!“

”لیکن ڈرو نہیں... یہ اس وقت بالکل بے جان ہیں۔“ فریدی نے کہا اور جیسے

بالکل لیا۔ حمید نے بھی اپنے روپ اور کادستہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

”یہ بوڑھا جرمی کا مشہور سائنس دان ولین ہے، جو ہٹلر کی موت کے بعد پر اسرار پر غائب ہو گیا تھا... اور اب یہ یہاں اس دیرانے میں کسی نئے تباہ کن تھیمار کا تم بھی ہے... خیر آؤ... لیکن ہوشیاری سے۔“

فریدی پرده اٹھا کر کمرے میں داخل ہو گیا... وہ چاروں اسے دیکھتے ہی بوكھلا کر ہو گئے۔

”تمہارے وہ دیوبنکر بھوت یہی ہیں۔“ فریدی ایک طرف کھڑے ہوئے چارپائیں لو ہے کے سوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ولین نے کوئی جواب نہ دیا۔

”میا تم یہ جانتے تھے کہ تمہاری مشین کی شعاعیں ریشم کے لباس سے نہیں گزرا سکتیں۔“

فریدی نے پوچھا۔

”ہاں لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ مشرقی سور ہی اتنے ذہین ہو سکتے ہیں۔“ ولین درود سے

”پہنڈاپ...!“ فریدی گرج کر بولا۔ ”اگر کوئی اپنی جگہ سے بلا تو شوت کر دوں گا۔“ چاروں نے اپنے ہاتھ اور اٹھائے۔ وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے ان دونوں سیاہ پوچھل رہے تھے...“

”تم کون ہو...!“ بوڑھا سائنس دان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”تمہاری مشین آندھی کے شکار دو دیہاتیوں کے بھوت۔“ فریدی قبیہ لگا کر بولا۔

کی اطلاع تمہارا اٹھا دیڑھن سیٹ بھی نہ دے سکا۔“

بوڑھا آہستہ آہستہ دیوار کے قریب رکھی ہوئی ایک مشین کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس

میں ایک شیشہ لگا ہوا تھا۔ جس میں پورا ساحل کا علاقہ صاف نظر آ رہا تھا۔ حمید تھیر تھا کہ آ

بند کرے میں رکھی ہوئی مشین میں باہر کے مناظر کس طرح دکھائی دے رہے ہیں اور ا

لحوں کے بعد سارا معہ حل ہو گیا... اسی مشین کے ذریعہ وہ ساحل پر لوگوں کی نقل و خ

جائزوں لیا کرتے تھے... فریدی بوڑھے کی حرکت دیکھ رہا تھا... اس نے پستول گھما کر مش

شیشے پر گولی چلا دی۔ شیشہ ایک چھٹا کے کے ساتھ ثوٹ گیا... بوڑھا جنپ مار کر فریدی کی

چہنہ... فریدی کے پستول سے پھر ایک شعلہ لکھا اور بوڑھا چھل کر دیوار سے بک گیا۔

کے منہ سے چھینیں نکل رہی تھیں۔ اس کا ایک پیر زخمی ہو گیا تھا۔

”حمدان تیوں کے ہاتھ پر جکڑو...!“ فریدی نے کہل ٹور میں اس بوڑھے سے سمجھتا

فریدی نے حمید کا پستول بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ایک پستول کا رخ بوڑھے کی طرز

پلے کر کو اور باقیں بتانا چاہتا ہوں... مجھے یہاں سے کوئی قوت زدہ نہیں لے جاسکتی۔“

بوزھے نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے غش آگیا ہو۔ وہ گرنسٹھاکر فریدی نے آگے بڑھ کر اُسے سنبھال لیا۔... حمید جو بقیہ تینوں آدمیوں کو باندھ کر ڈال پکاتا۔... فریدی کی مدد کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی زیر اور اس کے دونوں پستول بوزھے ولین کے ہاتھوں میں تھے۔

”کیوں سورا باب بتاؤ۔“ بوزھا ولین قہقہہ لگا کر بولا۔

”اچھا تو کیا تم ہمیں بیہاں اکیلے سمجھتے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”مت بھولو کر میر جیسے نہ جانے کتنے سیاہ پوش اس کے پیٹ میں موجود ہیں۔ اسی لئے میں نے آتے ہی پہلے تمہاری مشین بر باد کر دی تھی۔... تم اس وقت ہم دونوں کو مار سکتے ہو لیکن اس کر تھوڑی بھی دور کھڑے ہوئے پچاس آدمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔“

”دیکھا جائے گا۔“ ولین آہستہ سے بولا۔ ”تم اٹھ کر میرے ساتھیوں کو فوراً کو درنہ۔...!“

فریدی آہستہ سے اٹھا۔ ولین نے حمید کو بھی اشارہ کیا۔ دونوں بندھے ہوئے آؤ کھونکے گے۔ ولین دیوار کے قریب جا کر روشنداں سے جھاٹکنے لگا لیکن وہ فریدی اور طرف سے غافل نہیں تھا۔ فریدی نے چیخنا چاہا۔ ”خبردار....!“ ولین آہستہ سے بولا۔

سے آواز لٹلی تو شوت کر دوں گا۔“ اسے باہر کہیں کھڑے ہوئے خیالی آدمیوں کا خوف خدا

اس بار جیسے ہی اس نے روشنداں کی طرف منہ پھیرا۔ فریدی نے پھرتی سے ایک اٹھا کر اس پر بھیک مارا۔ دونوں ایک ساتھ زمین پر آ رہے۔... دو فاٹر ہوئے۔... اور کرے میں گونج انھیں۔ گرتے گرتے ولین کے ہاتھوں میں دبے ہوئے دونوں پتوں گئے۔... فریدی اور حمید ان کی طرف چھپئے۔... ایک پستول کی گولی ولین کی تھوڑی بجا سر سے نکل گئی تھی اور دوسری اس کے ساتھی کے سینے سے پار ہو گئی تھی۔

”اوه یہ تو بہت بُرا ہوا....!“ فریدی بے ساختہ بولا۔ ”میں اس بوزھے کو زندہ رکھا چاہتا تھا۔“ حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔... ولین کے دو ساتھی زمین پر بندھے پڑے۔... ان دونوں کو چیخ چیخ کر گایاں دے رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید تھے۔... دوسرے حصوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ بیہاں ان لوگوں نے اچھا خاصا کار خانہ قائم کر رکھا۔

ایک چھوپا سماجی گھر بھی تھا جس کی قوت سے مشینیں چلانی جاتی تھیں۔ حمید نے لوہے کے ان نہ اور آدمیوں کو قریب سے دیکھا جنہیں وہ بھوت سمجھے ہوئے تھا۔

”ایک بدی خوفناک چیز مٹ گئی۔“ فریدی نے کہا۔ ”درنہ کسی اگلی جنگ میں یہ لوہے کے آدمی انہوں کے مقابلے میں استعمال کئے جاتے۔“ حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر ابھی تک جوت طاری تھی۔ کبھی وہ ان لوہے کے آدمیوں کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی فریدی کی طرف۔... شاید وہ دونوں کا موازنہ کر رہا تھا کہ ان میں زیادہ خوفناک کون ہے۔ فریدی یادوں کے بھوت۔

”آفس کی یہ مشین بر باد ہو گئی۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن بہت اچھا ہوا۔ درنہ کوئی اور اسے اپنے پاک ارادوں کے لئے امن پسند دنیا کے خلاف استعمال کرتا۔ بہت اچھا ہوا۔ بہت اچھا ہوا۔“

دوسرے دن کلب کلباش کے علاقہ میں ایک ہم غیر لگا ہوا تھا۔ پچھے پچھے پر پولیس اور فوج کے سپاہی نظر آرہے تھے۔ کلب الشیاطین کی خبیث روحیں وہاں سے ہٹائی جا رہی تھیں۔ فریدی ساحل پر ایک بنی مسلم کے اعلیٰ حکام سے لفٹگو کر رہا تھا۔ وہ انہیں شروع سے ساری داستان سنارہ تھا۔

”اور پھر جب میں نے دیکھا کہ ریشمی چادر کے سامنے اس دیو پیکر کی ساری قوتیں بیکار ہو جاتی ہیں تو میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ وہ آدمی کوئی ما فوق الفطرت ہستی نہیں بلکہ کسی مشین کا تالع تھا اور اس مشین کی پیدا کردہ شعاعیں ریشم کی سطح سے نہیں گلرا تھیں۔... اس کے لئے میں نے ایک درس انجربہ کیا۔“

اب فریدی نے انہیں کپڑے کے قد آدم بھروسیوں والے تجربہ کے متعلق بتایا۔

”واقعی مسٹر فریدی تم نے اسی پسند دنیا پر ایک احسان عظیم کیا ہے۔“ قاہرہ کا پولیس کشر بولا۔ مجھے اب آفس کی خوبی ہو رہا ہے کہ میں نے تمہارے مشورے پر عمل کیوں نہیں کیا تھا۔“

”خود میں بھی شر مندہ ہوں۔“

”خیر جو کچھ بھی ہوا ٹھیک ہوا۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرا مقصد حل ہو گیا۔“

”اُف میرے خدا۔ ایک آفیسر بولا۔“ ہم لوگ بھی کتنے احتیت تھے کہ ان جاہ کن آندھیوں کو مار لیکوں سمجھتے رہے اور عموم کی خبیث روح کا کار نامہ۔“

اکی دن اخباروں کے غیر معنوی شمارے دھڑا دھڑ فروخت ہو رہے تھے۔... ان میں کلب الشیاطین کی اوارداتوں کے متعلق خبریں شائع ہوئی تھیں۔ فریدی اور حمید کی کار گزاریوں کو کچھ

اور بھی زیادہ بڑھا پڑھا کر پیش کیا گیا تھا۔

اور وہ دونوں شام کو ایک گناہ سے ہوٹل میں بیٹھے کافی پر رہے تھے۔ اپنے ہوٹل سے والوں کے خوف سے نکل جا گئے تھے۔ آج صحیح سے آنونگراف لینے والوں کی کاپیوں پر کرتے کرتے ان کے ہاتھ دکھنے لگے تھے۔ اخباروں کے نامہ نگاروں نے الگ نگل کر رکھا تو بھر انہوں نے جان بچانے کے لئے رہائشی ہوٹل سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔

”حمد! ایک چیز مجھے ہیش ابھسن میں ڈالے رہے گی۔“ فریدی نے کہا۔

”وہ کیا...!“

”کلب الاقیاطین....!“ فریدی آہتہ سے بولا۔ ”آخر ولین اس کے راز سے کیے واہ ہو گیا۔ جب کہ یہاں کے باشندے بھی اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے اور نہ کسی تاریخی کتاب سے اس کے وجود پر روشنی پڑتی ہے.... اور یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا کہ وہ آج کی کار گیری اے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ابراہم اور ابو ہلول سے بھی پہلے کی چیز ہو۔ معلوم نہیں کہ یہ جرمن اس اندر کس طرح پہنچ گئے۔ ولین کے ساتھیوں سے معلوم ہوا کہ ولین ہی نے اس کا پتہ لگایا تھا؟ وہ بھی نہیں بتا سکے کہ اس کا حال کیسے معلوم ہوا تھا۔“ حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاہر سے کافی پر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔

”خیر یہ سب سوچنے کے لئے زندگی پڑی ہے۔ یہ بتائیے کہ اب کیا پروگرام ہے۔“

”میں اب کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں۔ کیا ہمارا ملکہ اس خطرناک مہم کے بعد ہمیں پلا سال کی چھٹی بھی نہ دے گا۔ میں تمہیں سیاحت کے بہانے لایا تھا۔ لہذا سیاحت ہو گی۔ رپورٹ اور چھٹی کی درخواست جلد ہی سفارت خانے کے پرداز کے ہم یورپ کی طرف ہو جائیں گے اور پھر واپس پر تمہاری شادی کیا سمجھے۔“

”اور اپنے متعلق کیا کہتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”کیا ایک دوست کی بیوی میرے لئے کافی نہ ہو گی۔“ فریدی مسکرا یا۔ ”کافی ہا۔ کافی... بواۓ کافی اور لاو۔“ حمید صحیح کر بولا اور دانت نھال کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

ختم شد

## جا سو سی دنیا نمبر 13

# ہمیرے کی کان

(مکمل ناول)

طرف مراجعاً بھی سک گھوڑے جا رہی تھی۔  
”میں کہتا ہوں آخر اس قسم کی کتابیں چھاپنے سے فائدہ؟“ وہ چند لمحے بے خیالی میں رشیدہ  
طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”تور میں کہتی ہوں آخر تہاری زندگی سے فائدہ۔“ رشیدہ منہ بنا کر بولی۔  
”میں نے ابھی سک اس پر غور نہیں کیا۔“ انور نے آہستہ سے کہا اور کتاب پر نظریں

اڈیں۔  
رشیدہ نے زمین پر پڑا ہوا فلک اٹھا کر صاف کیا اور میز پر رکھ دیا پھر کچھ دیر سک منہ بنا کے  
چاروں طرف دیکھتی رہی۔

”تم نے پھر کتابیں ادھر اور ہر چھیلا دیں۔“ رشیدہ تیز لمحے میں بولی۔  
انور نے کتاب میز پر رکھ کر ایک طویل انگرائی میں اور پیشانی پر بکھرے ہوئے بال ہٹا کر کھڑا  
جھوول گئی تھی۔ فلک ہیئت پیشانی پر تھی اور بکھرے ہوئے بال بھنوں پر لمبارہ ہے تھے۔ اس

”تمہارے پاس کچھ پیے ہوں گے؟“ اُس نے رشیدہ سے پوچھا۔  
”کیوں...؟“

”تجھے ایک بیکٹ سگریٹ لادو۔“  
”تمہارا یہ پوچھنے آئی تھی کہ ہم لوگ دوپہر کا کھانا کہاں سے کھائیں گے؟“  
”منہ سے۔“

”تفصیل پاتیں نہیں کرو، ہمارے پاس اتنے پیے نہیں ہیں کہ دوپہر کا کھانا کھایا جاسکے۔“  
یہ جھوٹا کر بولی۔

”بل اتنی کی بات؟“ انور مسکرا کر بولا۔ ”اس کی نہایت آسان تدبیر بتاتا ہوں وہ پرانے  
بادلوں کا ذمہ ہے اسے بچ کر تم کم از کم دس روپے حاصل کر سکتی ہو۔“

”جنہیں مسلسل گئے اخبارات....!“ رشیدہ جھنجلا کر بولی۔ ”تم اپنی تجوہ ختم کر دیتے ہو میری تجوہ  
یہاں حصہ بھی تم پر ہی صرف ہوتا ہے اور پھر بھی آخر میں میں اس کی نوبت آ جاتی ہے۔“

”بیخ جا ف۔“ انور سمجھی گی اور فرمی سے بولا۔ رشیدہ ایک کری پر منہ پھیلائے ہوئے بیٹھ  
لے اور تمہروں دیر سک اس کی طرف دیکھتا ہا پھر اچاک بولا۔

## پریشان حال عورت

انور اپنے فلک کے ایک کمرے میں بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا وہ ایک آرام کر سی میں  
ہوا تھا۔ ایک چیر سامنے والی میز پر تھا اور دوسرا پھیلی ہوئی ٹانگ پر، ٹائی کی گردہ ڈھیلی ہو کر  
جھوول گئی تھی۔ فلک ہیئت پیشانی پر تھی اور بکھرے ہوئے بال بھنوں پر لمبارہ ہے تھے۔ اس  
آج صح بھی شیو نہیں کیا تھا اس لئے سرخ و سپید رخساروں پر ہلکی ہلکی بزری کچھ عجیب ہی الگ  
تھی۔ اس کمرے میں کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ الماریوں میں کتابیں، میز پر کتابیں، کرسی  
کتابیں فرش پر کتابیں، آرام کر سیوں کے چڑھے ہتھوں پر کتابیں، دو ایک کتابیں اُس کی گو  
بھی پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے میں کچھ عجیب قسم کی بے ترتیبی تھی۔ فرش پر سگریٹوں کے  
ٹکڑے اور جلی ہوئی دیا سلاپیاں بکھری ہوئی تھیں۔ کتابوں کے درمیان الماریوں میں کھنڈ  
میلے اور پھٹے پرانے موزے گھسے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ لکھنے کی میز پر سگریٹوں کی  
ڈبیاں، ڈاڑھی بنا نے کا سامان، کچھ تھے اور پرانے رسالے، دو ایک چائے کی پیالیاں جنہیں  
سرخ رنگ کے دھبے تھے۔ ایک دو میلے کچھ رومال اور نہ جانے کیا کیا الباڑا ڈھیر تھی۔ دو یاد  
دو ایک کیلنڈر تھے جن میں پچھلی تاریخیں اب سک لگی ہوئی تھیں۔ انور نے کتاب پڑھنے  
سر اخیاں اور فلک ہیئت پیشانی سے سرک کر بیچے فرش پر آ رہی۔ اس نے برا سامنے بیٹھا  
پیچھے کی طرف اچھاں دی پھر ایک نسوی چیخ سنائی دی۔ انور مڑا دروازے میں رشیدہ کھڑکی  
رہی تھی۔ کتاب اس کے پیچے سے ٹکرائی اس نے جھک کر کتاب اٹھائی اور انور کو گھوڑے  
انور نے اپنی گود میں پڑی ہوئی کتابوں میں سے ایک کتاب اٹھائی اور درق گردالی کر  
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ پھر اُس نے وہ کتاب بھی میز پر بیٹھ دی۔

فی رشیدہ بھی اسی کی طرح دنیا میں تھا تھی اُس نے اپنے متعلق اُسے کبھی کچھ نہیں بتایا۔ قبیل تو ہے کہ انور نے کبھی کچھ پوچھا ہی نہیں۔ ان دونوں میں دو چیزیں مشترک تھیں۔ پہلی تو کہ دونوں اس و سعی دنیا میں تھا تھے دوسری یہ کہ دونوں کارناتے پسند کرتے تھے۔ دونوں دلیر تھے، دونوں کو پرانے سماج سے نفرت تھی۔ متوسط طبقے کی صاف ستری لیکن گھناؤنی زندگی ناپسند تھی۔ انور خاموش ہو گیا اور اُس نے پھر ایک کتاب الہامی۔ وہ پھر آرام کری پر دھنستاہ میں ڈوب گیا تھا۔

رشیدہ کی بھنوں چڑھ گئیں، پیشانی پر سلوٹس ابھر آئیں، آنکھیں سرخ ہو گئیں؟ چند ہی لمحوں میں اُس کے تھنھے پھٹکنے لگے اور وہ اس طرح آنکھیں پھٹانے لگی جیسے آنکھ کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک بیٹھی بورتی رہی پھر اٹھ کر پیر پختی ہو کر کرے نکل گئی۔ انور بدستور مطالعے میں مشغول رہا۔ وہ ایک اخبار میں جرامم کا نامہ نگار تھا اور اس میں مستقل طور پر قسط وار جاموسی ناولیں لکھا کرتا تھا۔ صحیح معنوں میں اس اخبار کا سب تھا۔ اگر وہ ادارے سے الگ ہو جاتا تو دوسرے ہی دن اخبار کی تعداد اشاعت آدمی سے جاتی۔ سبھی وجہ تھی کہ ایڈیٹر سے لے کر پروپرائزٹر تک اُس کی مٹھی میں تھے۔ وہ ایک جاسوس بھی تھا۔ شہر کا شاید ہی کوئی ایسا پولیس آفسر رہا ہو جس کے دوچار راز اُسے معاہدوں نے بس یہ سمجھنا چاہئے کہ اُن کی دلکشی رگیں اُس کے ہاتھ میں تھیں۔ شاید ہی کوئی پا ایسا رہا ہو جو اس نوجوان بے باک اور ٹلر کرامہ پورٹر سے جلتا ہو۔ اُس نے بھیرے میں پولیس کی رہنمائی بھی کی تھی اور خصوصاً انپکٹر فریدی کی عدم موجودگی میں تو اُس کی تھی۔ محکمہ سراج غرسانی والے بھی اُس کے ہاتھوں کھلوتا بن کر رہے گئے تھے۔

”تم سے ایک عورت ملنا چاہتی ہے۔“ رشیدہ نے دروازے میں آکر کہا۔  
”لیکن میں کسی عورت سے ملا نہیں چاہتا۔“ انور نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔  
”عنہوں نہ تھیں جانتی ہے۔“  
”مجھے بھیری عورتی جانتی ہیں۔“  
”تو میں اُسے کیا کہہ دوں....؟“  
”کہہ دو کہ میں نہیں ملنا چاہتا۔“ انور نے کہا۔

رشیدہ جلی گئی لیکن تھوڑی دیر بعد ایک جوان عورت کمرے میں داخل ہوئی۔ ظاہری حالت

”کون انوکا پھٹا تم سے کہتا ہے کہ تم اپنی تھنوا مجھ پر خرچ کر دیا کرو۔ آخر تم میری ہو کر دیتا ہوں اگر تمہاری ایک پائی بھی مجھ پر آتی ہو تو بتاؤ۔“

انور خاموش ہو گیا اور اُس نے پھر ایک کتاب الہامی۔ وہ پھر آرام کری پر دھنستاہ میں ڈوب گیا تھا۔

رشیدہ کی بھنوں چڑھ گئیں، پیشانی پر سلوٹس ابھر آئیں، آنکھیں سرخ ہو گئیں؟ چند ہی لمحوں میں اُس کے تھنھے پھٹکنے لگے اور وہ اس طرح آنکھیں پھٹانے لگی جیسے آنکھ کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک بیٹھی بورتی رہی پھر اٹھ کر پیر پختی ہو کر کرے نکل گئی۔ انور بدستور مطالعے میں مشغول رہا۔ وہ ایک اخبار میں جرامم کا نامہ نگار تھا اور اس میں مستقل طور پر قسط وار جاموسی ناولیں لکھا کرتا تھا۔ صحیح معنوں میں اس اخبار کا سب تھا۔ اگر وہ ادارے سے الگ ہو جاتا تو دوسرے ہی دن اخبار کی تعداد اشاعت آدمی سے جاتی۔ سبھی وجہ تھی کہ ایڈیٹر سے لے کر پروپرائزٹر تک اُس کی مٹھی میں تھے۔ وہ ایک جاسوس بھی تھا۔ شہر کا شاید ہی کوئی ایسا پولیس آفسر رہا ہو جس کے دوچار راز اُسے معاہدوں نے بس یہ سمجھنا چاہئے کہ اُن کی دلکشی رگیں اُس کے ہاتھ میں تھیں۔ شاید ہی کوئی پا ایسا رہا ہو جو اس نوجوان بے باک اور ٹلر کرامہ پورٹر سے جلتا ہو۔ اُس نے بھیرے میں پولیس کی رہنمائی بھی کی تھی اور خصوصاً انپکٹر فریدی کی عدم موجودگی میں تو اُس کی تھی۔ محکمہ سراج غرسانی والے بھی اُس کے ہاتھوں کھلوتا بن کر رہے گئے تھے۔

وہ ایک لاپرواہ اور اکھڑا نوجوان تھا۔ اُس نے اپنی زندگی ایک وکیل کی حیثیت سے تھی لیکن کچھ دونوں کے بعد سب کچھ چھوڑ کر اس دراستے پر آکلا تھا۔ اُسے دراصل کارناٹاک پہنچا۔ پہلی زندگی قطعی ناخوٹگوار گزری تھی اس لئے وہ ماضی کے دھنڈ لکوں میں؟ ہست نہیں کرتا تھا۔ اب تو وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اُس کے ماں باپ کون تھے اور کہاں بھی یا نہیں وہ دنیا میں بالکل اکیلا تھا۔

رشیدہ اسی اخبار کے دفتر میں تاپخت تھی۔ وہ نہ جانے کیوں انور کے اس تدریذ تھی۔ اُن دونوں کے قلیٹ بھی برابر ہی برابر واقع تھے۔ صرف ور میان میں ایک دی

لے نہ رہے۔ کوئی معقول عورت معلوم ہوتی تھی۔ وہ سفید سلک کی سائز ہی میں ملبوس تھی۔ جسم اور لمبائی کوٹ تھا اور گلے میں ہیروں کا بیش قیمت ہاڑ، ہوننوں پر نہایت شوخ قسم کی لپ اسٹک کی میں پولیس زیادہ بہتر تاثر ہو گی۔ ”انور نے کہا۔ جسی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں بلا کی جاذبیت تھی۔ وہ دروازے سے کچھ دور آکر ٹھنک گئی۔ ”میں اسے مناسب نہیں سمجھتی۔“

”میں اس لئے کہ تمہارا شوہر دیوالیہ ہو چکا ہے؟“  
”یا مطلب....؟“ عورت چوک کر رکھی۔

”جہنم رہا یہ دار حکم کا آدمی دیوالیہ ہونے سے کچھ دن پہلے اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے۔“

”کسی سے بدلتے ہے کا یہ اچھا طریقہ ہے انور۔“ عورت ناخنگوار لہجے میں بولی۔

”کیا بدلتے....؟“ انور نے تحریر آمیز لہجے میں پوچھا۔

”خیر میں انتہائی مجبوری کے عالم میں تمہارے پاس آئی ہوں... ورنہ....!“

”میں تمہارے دیدار کے لئے ترپ ترپ کر مر جاتا۔“ انور نے جملہ پورا کر دیا۔

”بلحہ ہو گئی۔“ عورت تیز کر بولی اور انٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”بسم اللہ۔“ انور بھی امتحنا ہوا بولا۔

عورت کھڑی کھڑی تھوڑی دیر تک انور کو گھورتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

کہن لے بعد وبارہ بیٹھ گئی۔ وہ سکیاں لے لے کر روری ہوئی۔

البُر کھڑکی کے قریب جا کر باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد دہڑا۔ عورت نے آنسو

بنجہ ذاتی اور رحم طلب نگاہوں سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”کیا اپنا بار اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔“ انور نے پوچھا۔

”نہیں پچھلے سال بھی ایک بار ایسا ہوا تھا۔“

”غائب ہو گیا تھا؟“

”نہیں اس کے ایک دوست نے اسے گھر تک پہنچایا تھا۔ وہ اچانک ایک ہوٹ میں بیٹھنے بیٹھنے

لپیٹ داشت کھو بیٹھا تھا۔“

”کون دوست، اس کا نام اور پتہ....؟“ انور نے پوچھا۔

”یہ تو نہیں پہنچایا۔“ ہیر حال وہ اس کا کوئی دوست نہیں تھا۔

”غیر...!“ انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”یہ کیفیت کتنے دنوں تک قائم رہی تھی؟“

بد ستور مطالعے میں مشغول تھا۔ آہٹ سن کر وہ کتاب سے نظریں ہٹاتے بغیر بولا۔

”اب کیا ہے؟“

”اوہ.... آں.... انور....!“ وہ چکچکتی ہوئی بولی۔ انور چوک کر مرا۔

”اوہ تم ساجدہ کیوں؟ کیسے زحمت گوارا فرمائی؟“ انور طنزیہ انداز میں بولا۔ عورت نے کی تھی محسوس کرنی لیکن کچھ بولی نہیں۔ قبل اس کے کہ انور اس سے بیٹھنے کے لئے کھاتا فرما۔ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

”شاید پانچ سال بعد ہم لوگ مل رہے ہیں۔“ وہ آہتہ سے بولی۔

”لیکن پانچ سال بعد ملنے کی وجہ؟“ انور نے بے رنجی سے پوچھا۔

”انور میں اس وقت مصیبت زدہ ہوں۔“ وہ ملتجانہ انداز میں بولی۔

”اوہ... کمال کر دیا۔ اتنے قیمتی ہدایا اتنے تار کوٹ میں بھی تم خود کو مصیبت زدہ بھجتی“

”انور....!“ عورت تیز لہجے میں بولی۔ ”میں تم سے سواد کرنے آئی ہوں۔“

”تو کرونا....!“

عورت نے گھوم کر رشیدہ کی طرف دیکھا جو پرانے اخبارات اپنے ہاتھ کر رہی تھی۔

”تمہاری بیوی ہے؟“ عورت نے انور سے پوچھا۔

”نہیں، بیوی سے زیادہ۔“

”لیعنی....؟“

”میری دوست ہے۔“ انور آئتا کر بولا۔ ”تم اپنی بات کہو۔“

اس اس دوران میں رشیدہ اخبارات کا ڈیمیر اکٹھا کر کے باہر جا چکی تھی۔

”میرا شوہر اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔“ عورت بولی۔

”تو میں کیا کروں میں کوئی ذاکر نہیں ہوں۔“ انور نے کہا۔

”مجھے پوری بات کہنے دو۔“ عورت گرج کر بولی۔ ”وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔“

"تمن دن....!"

"اس کے بعد....؟"

"وہ بالکل ٹھیک ہو گیا تھا۔"

"اس دوران میں کیا ہوا۔ کیا اس کے غائب ہو جانے سے پہلے تم اس کی ذہنی یا واقع تھیں؟"

"ہاں میں اس کی غمہداشت کرتی تھی لیکن پرسوں رات کو جب میں سوریہ طرف نکل گیا۔"

"میاہد ہر اس کی ماہی حالت کچھ خراب ہو گئی تھی؟" انور نے پوچھا۔

"نہیں... قطعی نہیں۔ آج سے پندرہ دن قبل اس نے مجھے بتایا تھا کہ اسے کمزیوں کی درآمد میں کافی فائدہ ہوا ہے۔"

"کیا تمہارے اور اس کے تعلقات آج کل کچھ ناخوشگار ہو گئے ہیں؟"

"قطعی نہیں۔"

"اس کے ملنے والوں میں کوئی ایسی عورت جس سے وہ بہت قریب ہو؟"

"کوئی نہیں۔" عورت جلدی سے بولی۔ "یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میں اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لے رہا ہوں۔ اسلئے جو کچھ مناسب سمجھوں گا پوچھا۔" "میں زندگی بھر تمہاری احسان مند رہوں گی۔"

"لیکن تم اس کی رپورٹ پولیس میں کیوں نہیں کرنا چاہتیں؟" انور نے پوچھا۔

"مجھے خوف ہے کہ اس خبر کے مشہر ہونے پر کچھ لوگ بے ایمانی پر کمربستہ" گے۔" عورت بولی۔

"یعنی....؟"

"ہس کی تجارت کے سا جھی دار۔" عورت نے کہا۔

"مجھے ایسے لوگوں کے پڑھنے کا خوف کراو۔" انور نے کہا۔

عورت نام اور پیچتے بولتی رہی۔ انور لکھاڑا۔

"میں آج ہی سے کام شروع کر رہا ہوں۔ لیکن اخراجات....؟"

عورت نے اپنا یہ کھول کر نوٹوں کا ایک بذل کالا اور اسے میز پر ڈالتی ہوئی بولی۔ "یہ پانچ  
دوڑپے ہیں۔ یقین پانچ سو کام ہو جانے پر دوں گی۔"

اور نے بذل اٹھا کر جب میں ڈال لیا۔

"میں کل صبح تم سے ملوں گا۔ آج کل کہاں رہتی ہو؟"  
"آسکر اسٹریٹ میں۔"

"نون نمبر...؟"

"من سویا لیس...!"

"چھا...!" انور امتحنا ہوا بولا۔

عورت چل گئی۔ انور پھر ایک کتاب اٹھا کر پڑھنے لگا۔  
غوزی دیر بعد رشیدہ آئی اور اس نے اخبار کا بذل فرش پر ٹھنڈی دیا۔  
کیوں کیا بات ہے؟" انور مسکرا کر بولا۔

"بات یہ ہے۔" رشیدہ ہونٹ بھیج کر بولی۔ "کہ روڈی فروشوں کو ضرورت نہیں اور میں  
اہ بذل کو بغل میں دبا کر شہر کا چکر نہیں لگا سکتی۔"

"تو اس بذل کو سنبھالو۔" انور نے نوٹوں کا بذل اس کی طرف اچھاتے ہوئے کہا۔

"اوہ یہ کیا.... یہ.... یہ....! رشیدہ رک رک کر بولی پھر تیز لمحے میں پوچھا۔" وہ عورت  
کون تھی؟"

"ایک غرض مند...!" انور مسکرا کر بولا۔ "جو کام وہ مجھ سے لیتا چاہتی ہے یہ اس کی آدمی  
انہت ہے۔"

"وہ تم سے بے تکلف معلوم ہوتی تھی۔" رشیدہ نے ملکوک لمحے میں کہا۔

"ہاں آج سے پانچ سال پہلے میں اس سے حماقت کرتا تھا۔" انور نے کہا۔

"اوہ.... یعنی.... یعنی محبت کرتے تھے؟"

"ہاں....!"

"اوہاب...؟" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "تو یہ وہی عورت ہے جس نے تمہیں اس  
حال کو پہنچا دیا ہے؟"

”لا حول ولا قوّة۔“ انور نہ اسامنہ بنا کر بولا۔ ”اس حال سے تمہاری کیا مراد ہے؟“  
”بھی بے تکلی زندگی۔“

”لیکن میں اسے بے تکلی نہیں سمجھتا اور شاید تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ایک کلام سکھ لی  
تکام عاشق جیسی زندگی بر کر رہا ہوں۔ لا حول ولا قوّۃ اس کا تصور بھی میرے لئے توہین کا ہا  
بے ایک عورت کے لئے..... ہونہے.....!“

رشیدہ کچھ دیر خاموش کھڑی رعنی پھر نوٹوں کا بندل انور کی طرف پھینک دیا۔

”میں تمہاری ہوتی کون ہوں۔“ رشیدہ منہ بسور کریوں۔

”ہاں یہ حق ہے کہ تم میری کوئی نہیں ہو۔“ انور ہونٹ سمجھ کر بولا۔ ”لیکن اگر تم پر  
اپنے پاس نہیں رکھو گی تو میں تمہارا سر دیوار سے نکلا کر پاش پاٹ کر دوں گا سمجھیں؟“

”لیکن وہ تم سے کیا کام لیتا چاہتی ہے؟“ رشیدہ نے پوچھا۔

”اُس کا شوہر کھو گیا ہے۔“

”اس نے اب وہ تم پر ڈورے ڈال رہی ہے۔“ رشیدہ منہ بنا کر بیوی۔

”پھر وہی فضول بخواں۔ جانتی ہو اُس کا شوہر کون ہے؟“

”نہیں...!“

”شہر کا شہور سرمایہ دار ارشاد علی۔“

”اوہ تو یہ ساجدہ تھی اور تم اُس سے محبت کرتے تھے؟“

”ہاں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ وہ میری کلاس فیلو تھی پہلے اُس نے مجھے حالت ثرا  
کی تھی لیکن بعد میں وہ ایک سرمایہ دار کو چھاننے میں کامیاب ہو گئی اور میں ایں۔ ایں۔ بی کائٹ  
لے کر چھالت کرنے لگا۔ لیکن وہ زیادہ دنوں تک نہ چل سکی کیونکہ خود میرا ذہن بڑی حد  
 مجرمانہ ہو چکا تھا۔“

”تمہیں افسوس تو ہفت ہوا ہو گا....؟“ رشیدہ نے کہا۔

”کیوں افسوس کیوں ہوتا۔“ انور نے لاپ دائی سے کہا۔

”تو بخراں کا یہ مطلب ہوا کہ تمہیں اُس سے محبت نہیں تھی۔“

”تھی کیوں نہیں۔ جب تک وہ مجھ سے ملتی رہی مجھے اُس سے محبت رہی اور جب ہے۔“

”میری نہ ہو سکے گی تو میں اُسے بالکل بھول گیا۔“  
”خواس کا یہ مطلب کہ اگر میں بھی....!“ رشیدہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”ہاں جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو میں تمہیں بھی بھول جاؤں گا۔“ انور نے کہا۔  
”چاہدی سے ایک ڈبہ اشیٹ ایک پر لیں خرید لاؤ۔ میں نے دو گھنٹے سے سگریٹ نہیں پیا۔“  
”تم اُس کے روپے واپس کر دو۔“ رشیدہ نے آہستہ سے کہا۔ ”میں اخبار بخ کر لاؤں گی۔“

”ہشت....!“ انور منہ بنا کر بولا۔ ”ذرایہ تباہ ہم پر ادا کرتا ہے؟“

”وہ سوروپے....!“ رشیدہ نے کہا۔

”اور تم کہتی ہو کہ میں اُس کے روپے واپس کر کے مفت کام کر دوں۔“

”تم غلط سمجھے میں یہ کہہ رہی ہوں کہ تم یہ کیس نہ لو۔“

”کیوں....؟“

”اس طرح وہ پھر تمہارے قریب آجائے گی۔“

”آجائے دو....!“

”میرا مطلب ہے کہ کہیں تمہاری محبت پھر نہ جاگ اٹھے۔“

”ممکن ہے۔“

”لیکن میں یہ نہیں چاہتی۔“ رشیدہ جھلا کر بیوی۔

”کیوں؟“

”میں نہیں جانتی۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”تمہیں یہ روپے واپس ہی کرنے ہوں گے۔“

”کوئی قرض....؟“

”کسی نہ کسی طرح ادا کر دیں گے۔“

”تمہاری بہت سختی سی عمل ہے۔“ انور بولا۔ ”تم سمجھتی ہو کہ شاید میں پھر اُس سے محبت  
کرنے لگوں گو۔“

رشیدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”چاہے سگریٹ لائق قرض ادا کرو۔“ انور نے نوٹوں کا بندل اُس کی طرف اچھاتے ہوئے کہا۔

”کوئی پسند نہ لائے ایک سوت کا کپڑا بھی خرید لیں۔ آج ہم کسی شاندار ہوش میں کھانا کھائیں گے۔“

”مجھے نہیں چاہئے سوٹ میں تمہاری ہوتی کون ہوں۔“ رشیدہ نے کہا اور نوٹول کا ہاتھ میں لئے ہوئے پیر پختی ہوئی کرے سے باہر چلی گئی۔

انور نے وہ کاغذ جیب سے نکالا جس پر ساجدہ نے پتے لکھوائے تھے اور کچھ دیکھ کر اور پتوں کو دیکھتا رہا پھر اٹھ کر پال درست کئے۔ نائی کی گردھ تھیک کی، اور کوت پہنا اور پر واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

## چھان میں

انور نے موڑ سائیکل نکالی اور ارشاد علی کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا، راستے میں انہیں دو ایک تھانوں سے اپنے اخبار کے لئے خبریں بھی مہیا کیں اور انہیں ترتیب دے کر اخبار کے لئے دیکھ لے گی، بارہ شُن لوہے کی چور بازاری کے سلسلے میں۔

”غیر...!“ انور اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں آپ کو اس کی زحمت نہ دوں گا۔ ویسے اب پولیس آپ داخل ہوتا خاصی ہڑیوںگ مچ جاتی اور چپر اسی سے لے کر ایڈیٹر تک کو معلوم ہو جاتا کہ انہوں نے انور کو پیٹھنے کا اشارہ کیا۔

اور کری کی پشت پر نک کر آگے کی طرف جھک گیا۔ وہ شاہد کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ ”آپ کو ارشاد علی کے یادداشت کو پیٹھنے کے متعلق کیسے معلوم ہوا؟“ شاہد نے بھرائی ہوئی لامی کہا۔ ”اس کا حال سوائے میرے اور اس کی بیوی کے کسی اور کو معلوم نہیں تھا۔“

”تو آپ عنانے انہیں ہوئیں سے ان کے گھر نکل پہنچایا تھا؟“ انور نے پوچھا۔ ”میہاں... مگر...!“

”لیاں دور ان میں بھی ان پر اس قسم کا کوئی دورہ پڑا تھا؟“ انور نے پوچھا۔ ”مجھے اس کا علم نہیں۔“

”آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا کہ وہ آج کل بارہ گئے ہوئے ہیں؟“ ”اُس کی بیوی نے مجھے اطلاع دی تھی۔“

”وہ خود کچھ نہیں کہے گئے؟“ ”میں نہیں۔“ شاہد نے کہا۔ ”لیکن آپ ہیں کون؟“

انور نے موڑ سائیکل نکالی اور ارشاد علی کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا، راستے میں انہیں دو ایک تھانوں سے اپنے اخبار کے لئے خبریں بھی مہیا کیں اور انہیں ترتیب دے کر اخبار کے لئے دیکھ لے گی، بارہ شُن لوہے کی چور بازاری کے سلسلے میں۔

”آیا ہے کبھی وہ پروف ریڈر سے الہمنا اور کبھی کپوزیٹر سے، حدیہ ہے کہ چیف ایڈیٹر اس کی نکتہ چینیوں سے نہیں پچھاتا۔“

”میں ارشاد علی کے دفتر میں اسے تھوڑی دیر میک اس کے پار ٹھر شاہد کا انتظار کرنا پڑا تقریباً بجے وہ آیا۔ یہ بھی ارشاد علی کی طرح خاصاً دولت مند آدمی تھا۔“

”میں ارشاد علی صاحب سے ملتا چاہتا ہوں۔“ انور نے اس سے کہا۔ ”کیوں...؟“ شاہد نے انور کو گھوڑتے ہوئے پوچھا۔

”ایک ضروری کام ہے۔“ ”ارشاد صاحب کہنیں باہر گئے ہوئے ہیں۔“ شاہد نے کہا۔ ”لیکن مجھے تواطیع ملی ہے وہ نہیں ہیں۔“ انور نے کہا۔ ”ممکن ہے۔“ شاہد نے کہا اور اپنے کرے سے باہر چلا گیا۔

انور بھی اس کے پیچھے پیچھے کرے میں داخل ہو۔ شاہد غصے میں اس کی طرف ٹڑا لکن اس کے کہ وہ کچھ کہتا انور نے کہا۔

”انور سعید۔ اشار کا کرامہ پورٹر۔“

”اوہ....! شاہد اسے تنفر آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا۔“

”آپ ان کے جگری دوستوں میں سے ہیں؟“

”ہاں۔ لیکن اب میرے پاس وقت نہیں ہے۔“ شاہد نے بیزاری سے کہا۔

”وقت تو میرے پاس بھی نہیں۔ کیا رشاد صاحب کا کسی عورت سے ناجائز تعلق ہے۔“

”چیز اسی....؟“ شاہد چیخا۔

”خبر خبر....! شاید میں ابھی لوٹ کر آؤں۔“ انور نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔  
خوبی دوڑ پڑھ لونا اور دروازے کی جن ہٹا کر کہنے لگا۔ ”لیکن میرے پا  
مکمل ٹوٹ ہے کہ آج کل آپ لوگ لوہے کی چور بازاری کر رہے ہیں۔“

چند لمحوں میں وہ سڑک پر اپنی موڑ سائکل اشارت کر رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں  
تھی آخر ساجدہ نے صاف صاف کیوں نہیں بتایا کہ بچھے سال اُس کے شوہر پر جب یہ۔

تو اُسے گھر پہنچانے والا شاہد ہی تھا شاہد اُس کا سب سے بڑا سماں جیسی دار تھا اور دونوں آں  
گھرنے دوست بھی تھے لہذا ایسی صورت میں وہ ساجدہ کے لئے غیر معروف نہیں ہو سکتا  
جس یہ بھول گئی تھی کہ اُس کے شوہر کو گھر مک کس نے پہنچایا تھا؟ یا پھر اُس نے قصدا  
نہیں لیا اور اگر ایسا ہی ہے تو اس کی وجہ؟

موڑ سائکل ایک ناٹ کلب کے سامنے رک گئی انور خود بھی کبھی اس کلب کا بھی  
تھا۔ باہر کھڑے ہوئے چیڑا ای نے اسے سلام کیا اور وہ سر کو ایک حفیہ سی جبکش دیا ہوا  
عمارت میں داخل ہو گیا۔ سامنے ہی فیجر کا کمرہ تھا۔ انور سید حافظ ہیں چلا گیا۔ ایک بڑی اُر  
کہڈیاں لیکے ایک اوہیز عمر کا آدمی اوہ نگہ رہا تھا۔ قد مولن کی آہٹ سن کر وہ چونکا۔

”فرمائیے....!“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ”اوہ....! انور صاحب....! دیکھنے میں نہ کہتا تھا۔“  
اس کلب کو کبھی نہیں بھول سکتے۔ صح کا گیا اگر شام کو آجائے تو اُسے بھولانہ کہنا چاہئے۔  
ہے مرزا غالب نے۔“

”مرزا غالب نے یہ کہا ہے کہ شراب کی ناجائز تجارت کرنے سے محظوظ کے والدہ  
خوش رہتے ہیں۔“ انور ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”ہو ہو ہو....! مشر اور....! میں آپ کی آواز سننے کے لئے ترس گیا تھا۔“ قول شاعر۔

”تو نہیں سامنے اگر آئے جا۔“

”اپنی آواز ہی سنائے جا۔“

”بیرونی آواز سیلی ہے تا....؟“ انور نے آگے جھک کر آہٹ سے پوچھا۔

”ہیں مشر اور....! دیکھنے بھلا سا شعر ہے۔“

”مشی....! ارشاد علی یہاں کب سے نہیں آیا؟“

”مشر اور....!“ فیجر بے رخی سے بولا۔ ”میں کسی مجرم کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا۔“

”بچھلی بار اُس کے ساتھ کون عورت تھی؟“ انور نے فیجر کو گھوڑتے ہوئے پوچھا۔

”عورت؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مشر اور۔ یہ صرف مردوں کا کلب ہے۔ یہاں کبھی

”عورت نہیں آئی۔“

”خیر خیر....!“ تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ”انور نے کہا۔“ اور اسی وقت اس عمارت

”خیر خیر....!“ تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ”انور نے کہا۔“ ”اوہ اسی وقت

”نفہ درجن عورتیں برآمد کر سکتا ہوں جن سے تم باقاعدہ پیشہ کرتے ہو۔“

”مشر اور آپ ایک شریف آدمی کی توہین کر رہے ہیں۔“ فیجر جھیج کر بولا۔

”خیر میں اس کی صداقت کے لئے سر کاری جاؤں مشر آصف کو فون پر بلائے لیتا ہوں۔“

”اُردنے انھ کر فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔“

”تو اس میں باراض ہونے کی کیا بات ہے؟“ فیجر نے فون پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے

کہا۔ ”بیٹھنے آپ کے لئے چائے ملنگو اُس یا کافی؟ آپ کے غصے پر تو بقول شاعر۔“

”جہنم میں گیاشا عرب میں جو کچھ پوچھتا ہوں اُس کا ٹھیک ٹھاک جواب دو۔“

”تو پوچھنے تھا۔“

”رشاد کے ساتھ کون عورت تھی؟“

”کوئی نہیں۔ آپ یقین کیجئے کہ وہ بھی اپنی بیوی کو یہاں نہیں لائے۔“ فیجر نے کہا۔

”یہاں کے پچھے پر اُس کے خلطوں بھی آتے ہیں؟“ انور نے پوچھا۔

”اُس کی اطلاع کفر کو ہو گی۔“ فیجر نے کہا۔

”اُسے بلوا۔“

میجر نے گھنٹی بھائی چپر اسی اندر آیا اور میجر نے اسے کلرک کو بلانے کے لئے کہا۔ تھوڑی بعد ایک دبلا پتلا نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔

”سیٹھ ارشاد علی کے نام یہاں خطوط آتے ہیں۔“ انور نے اس سے پوچھا۔  
کلرک میجر کی طرف دیکھنے لگا۔

”اوہ مسٹر انور....!“ میجر بولا۔ ”ممبروں کی ہربات صیفہ راز میں رکھی جاتی ہے۔“  
”میں جو کچھ پوچھتا ہوں اس کا صحیح صحیح جواب دو۔“ انور نے کلرک سے کہا۔ ”ورنا اپنے  
کے ساتھ ہی تم بھی مصیبت میں پڑو گے۔“

کلرک نے پھر میجر کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

” بتاؤ بھی بتاؤ۔“ میجر نے تھک آکر کہا۔ ”آج تو بقول شاعر... پیتمہ...!“

”جی ہاں اکثر ان کے خطوط یہاں آتے ہیں۔“ کلرک پچھاتا ہوا بولا۔

”کون بھیجا تاہے؟“

”پتہ نہیں۔ عموماً لفافے ہوتے ہیں لیکن یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ دولت گنج کے ڈاک خانے میں  
کسی عورت کے نام...!“ انور نے پوچھا۔  
”نہیں مرد کے نام۔ سعید منزل۔ دولت گنج میں کوئی صاحب رخوان صدیقی ہیں۔“ کلرک  
کچھ پار مل ضرور ورانہ کئے ہیں۔“

”کیوں؟ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ دولت گنج سے پوست کئے جاتے ہیں۔“ انور  
کلرک کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

”میں ان کے ہر لفافے کی مہر دیکھتا ہتا ہوں۔“

”تو تم ہر ایک کی ٹوہہ میں لگے رہتے ہو؟“ انور نے کہا۔ ” غالباً ہر ممبر کی ڈاک کے مغلے  
اوری تھی۔ میں منٹ بعد وہ سعید منزل کا ایک ایک قلیٹ جھانکتا پھر رہا تھا۔ انور نے ایک بند  
روازہ کو انکلی سے آہستہ آہستہ لکھ کھلایا۔ ایک آدمی دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ شاید وہ کمرے  
ماٹانی کر رہا تھا۔“

”رخوان صاحب ہیں؟“ انور نے پوچھا۔  
”ابھر گئے ہوئے ہیں۔“ اس نے جواب دیا۔  
”کب وائلک آئیں گے۔“  
”میں نہیں جانتا۔ بیگم صاحب سے پوچھئے۔“

”کیوں؟ خصوصیت سے انہیں کے بارے میں کیوں؟“

”وہ ایکتھی طرح کے ہوتے ہیں رکھیں اور خوشبودار اور طرز تحریر...!“

”کسی عورت کا ہوتا ہے“ انور نے جملہ پورا کر دیا۔ ”ایسی لئے تم ان لفافوں کی طرف زیاد  
دھیان دیتے ہو؟“

”میں

کہاں

ہیں

نیکم

صاحب

.....؟“

”اوپری منزل میں۔“ اس نے ایک زینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔  
اور کچھ کہے بغیر زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔ یہاں بھی دروازہ اندر سے بند تھا  
دروازے پر دستک دی۔

”اوہو.... نہر و.... بھی.... ایک منت۔“ اندر سے ایک سریلی اور نوافی آر  
اور مقنی خیز انداز میں منہ بنا کر اپنے دیدے پھر انے لگا۔

چد لمحوں کے بعد دروازہ ایک حصکے کے ساتھ کھلا۔ ایک خوبصورت لڑکی نیم عمر  
میں سامنے کھڑی تھی اور پھر اچانک جنی مار کرہ اندرون جا گئی۔ انور بدستور کھلے ہوئے  
کے سامنے کھڑا رہا۔ اس نے اس جوان لڑکی کے چہرے میں بچپن اور سخیدگی کی عجیب کی  
دیکھی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ دوسرا قدم کس طرح اٹھائے۔ وہ لڑکی پھر دکھائی دی۔ اس باد  
لبے سے لبادے میں ملوس تھی۔ نہرے گھوٹکھریا لے بال کا نہ ہون پر لبرار ہے تھے۔ اس  
کیا ہے؟“ وہ دروازے میں آکر بولی۔

”محترمہ.... مجھے افسوس ہے لیکن شاید آپ کی انتظار کر رہی تھیں۔“ انور سے  
کہا۔

”ہاں ہاں ہو سکتا ہے۔ آپ اپنا کام بتائیے؟“

”مجھر ضوان صاحب سے ملتا ہے۔“

”وہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔“

”کب آئیں گے؟“

”ایک ہفتے کے بعد۔“ لڑکی نے کہا۔

”اوہ تو شاید اسی لئے آپ اس وقت ارشاد کا انتقال کرنی تھیں؟“ انور نے سکرا  
آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

لڑکی کہم کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔

”آپ.... آپ“ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

”میں ارشاد کا چھوٹا بھائی ہوں۔“ انور نے کہا۔  
”ہر آجائیے۔ اندر آجائیے۔“ وہ بے تابانہ انداز میں یوں۔ انور کرے میں چلا گیا۔ لڑکی  
دروازہ بند کر دیا۔

”بیٹھ جائیے۔“ اس نے جلدی سے کہا لیکن پھر چپ ہو گئی۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ اسے  
پکار کرنا چاہیے۔ انور اسے تیز نظر وہ سے گھور رہا تھا۔ دھنادہ رک رک کر یوں۔ ”ویکھنے میں  
پکار کرنا پڑتی ہوں۔ اپنے باپ سے کچھ نہ کہنے گا۔ میں ارشاد کو بے حد چاہتی ہوں اس کے  
پکار کے پاؤں پڑتی ہوں۔“ وہ خاموش ہو گئی۔ اس کی ٹھاں میں متوجہ انداز میں انور کی طرف اٹھی  
لیں تھیں۔ لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ تیز آواز میں  
لے۔ ”مگر ارشاد تو کہتا تھا اس کا کوئی بھائی نہیں۔“  
”تو اس کا باپ ہی کہاں ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔  
”باپ نہیں ہے؟“ وہ تقریباً اچھل کر بولی۔

”تو تم ضوان کی بیوی نہیں ہو؟“ انور نے بے ساختہ کہا۔  
”نہیں.... لیکن کیوں....؟ ہاں....“ وہ رک رک کر بولی اور حیرت سے انور کی طرف  
پیٹھ لگی۔

”میں سب کچھ جانتا ہوں۔ ارشاد تم سے کبھی شادی نہیں کرے گا۔“ انور نے کہا۔  
”تم بھوٹ ہو۔ وہ مجھ سے ضرور شادی کرے گا۔ صرف ان ہیروں کا انتظار ہے جنہیں وہ  
ٹانے کے لئے ایکسرڈم بیچج ڈکا ہے۔“  
”اچھا!...“ اور شرارت آمیز انداز میں مسکرا کر بولا۔ ”بھلا اس کے پاس بغیر ترشوائے  
لے اسی ہرے آئے کہاں سے؟“

”جب تم ضرور اس کے بھائی ہو۔“ لڑکی تفہمہ لگا کر بولی۔ ”جب اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ  
کن کیا یک!...“

”کوئی... اچھا!...“ انور کی آنکھیں حیرت سی پھیل گئیں کوئکہ یہ اس کے لئے ایک بالکل  
ٹیکلائی تھی۔  
”میں عقل!“ وہ انور کے سامنے اٹکی نچا کر غشتی ہوئی ہوئی۔ ”تم ضرور ارشاد کے کوئی بے

تکلف دوست ہو خیر میں تمہیں چائے پلائے بغیر نہ جانے دوں گی۔ لیکن میرے متعلق  
چکھنا کہنا۔ ”

”ارشاد یہاں کب سے نہیں آیا....؟“ انور نے سخیدگی سے پوچھا۔

”نہیں بتاتی۔ پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟“ وہ بچگانے انداز میں ضد کام مظاہرہ کرتی ہوئی  
”ارشاد کا ایک بے تکلف دوست...!“

”دیکھوںا... کیسا پہچانا...!“ وہ قہقہہ لٹا کر بولی پھر دفترا سخیدہ ہو کر سوچنے لگی۔

”ارشاد کل آیا تھا...؟“ انور نے پوچھا۔

”نہیں وہ چار دن سے نہیں آیا۔ میں آج صبح سے اس کا انتظار کر رہی ہوں۔ اس  
آنے کا وعدہ کیا تھا بہت مشغول رہتا ہے۔ اُنہیں اپنے لکھتا ہتھیں ہوں۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک...!“ انور مسکرا کر بولا۔ ”لیکن تم ہو کون۔ تمہارا نام کیا ہے؟“

”زینیدہ... میں ایک لڑکی ہوں۔“

”تمہارے ماں باپ کہاں ہیں؟“

”لوکی اوس ہو گئی۔“

”میرے ماں باپ بچپن ہی میں مر گئے تھے۔ رضوان اور ارشاد مجھے میرے ظالم چاہے  
سے رہائی دلو اکریہاں لائے ہیں۔“

”تو اس کا یہ مطلب کہ وہ تمہیں بھیگالائے ہیں۔“ انور نے کہا۔

”میں اپنی خوشی سے آئی ہوں۔“ وہ ترش روئی سے بولی۔

”تمہارا چاہکا کہاں رہتا ہے اور اُس کا کیا نام ہے؟“

”میں یہ ہر گز نہ بتاؤں گی۔“

”تمہاری مرضی۔“ انور اٹھتا ہوا بولا۔ ”تم ایک زبردست دھوکے میں ہو۔“

”جادو جاؤ تم مجھے بہکانے آئے ہو۔“ وہ بگڑ کر بولی۔

”بے وقوف لڑکی! ارشاد شادی شدہ ہے آج سے پانچ سال قبل اُس کی شادی ہو گئی۔  
تم سے ہر گز شادی نہ کرے گا۔ اُس نے شاید تمہیں یہ بھلا دہ دے رکھا ہے کہ وہ اپنے  
خوف سے تم سے شادی نہیں کر رہا ہے۔ اُس کا باپ نہ جانے کب کام رکھا ہے۔ اُس نے  
”

پل رضوان کی بیوی کی حیثیت سے رکھ چھوڑا ہے تاکہ پڑوسیوں کو کوئی اعتراض نہ ہو اور وہ دنیا  
آگموں میں دھول جھوک کر عیاشی کرتا رہے۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔“

”تم شیطان ہو۔ مجھے ور غلانے آئے ہو۔“ لڑکی چیخ کر بولی۔

ازو کوئی جواب دیئے بغیر جانے کے لئے مڑ۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“ لڑکی نے پوچھا۔

”شیطان۔“ انور نے کہا اور باہر نکل گیا۔

واپسی میں اُسے رہہ کر ساجدہ پر تاؤ آرہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس طرح ساجدہ اپنے شوہر  
کے چال چلن کی تقدیم کر رہی ہے۔ ذلیل کہیں کی۔ کاش رشیدہ نے وہ روپے ابھی خرچ نہ کیے  
ہیں۔ وہ انہیں ساجدہ کے منہ پر مار دے گا اور اُسے اپنی اس تقیش کے متعلق پچھنہ بتائے گا۔

## قتل اور خودکشی

دونوں رہے تھے۔ انور نے رشیدہ کو آفس سے ساتھ لیا اور ایک ریسٹوران میں چلا گیا۔

”ہم زیادہ شاند ارٹیچ نہ کھائیں گے۔“ رشیدہ نے کہا۔

”میں بھی یہی کہنے والا تھا۔“ انور بولا۔ ”اس ریسٹوران میں اسی لئے آیا ہوں کہ یہاں ادھار  
لے جاتا ہے۔“

”اُس کی ضرورت نہیں۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”میں نے کچھ ایڈاؤنس لے لیا ہے۔ تمہیں ساجدہ  
کے روپے اپس کرنے پڑیں گے۔“

”میں نے بھی یہی طے کر لیا ہے۔“ انور نے کہا۔

”کرے یہ کیا۔ آج شاید تم نے پہلی بار میرا کہا ماتا ہے۔“ رشیدہ نے حرمت سے کہا۔

”ساجدہ نے مجھے احتمان کی کوشش کی تھی۔“ انور بولا۔ ”اُسے شاید اپنے شوہر کے چال  
ہلکا پر شہمہ ہو گیا تھا۔ اس کی تقدیم کے لئے اُس نے یہ طریقہ نکالا۔“

”اُس کے بعد انور نے پوری داستان دھرا دی۔“

”میں پہلے ہی سے مخلوق تھی۔“

”شہد تو مجھے بھی ہوا تھا۔“ اور نے کہا۔ ”لیکن میں ساجدہ کو اس کے متعلق ایک لفاظ بننے دیا۔“  
بناوں گا۔ آج کی دوڑ دھوپ مجھے کچھ مہنگی نہیں پڑی۔ اب میں ارشاد سے کافی رقم اینٹھے مکمل  
”دیکھو یہ میری آخری داروغہ ہے۔“ اس میں اس غریب کا بھی کچھ حصہ ہوا ہے۔  
اس نے غریبوں کا گلا کاٹ کر جو دولت اکھاکی ہے اُس میں اس غریب کا بھی کچھ حصہ ہوا ہے۔  
”دوسری آخری داروغہ کب دے رہے ہو؟“ اور نے سمجھی گئی سے پوچھا اور رشیدہ کو بے  
اور ہاں بھی میلی فون کالا سنس بھی تجدید کرتا ہے اور وہ دوسروں پے کے تمہارے لئے ایک  
اور سوٹ اور بھی بہت کچھ۔“

”تو تم اسے بیک میل کرو گے؟“

”قطیعی....!“

”اوہ وہ بے چاری لڑکی...?“

”جب میں ارشاد سے مطلوب رقم وصول کر لوں گا تو درضوان کو اُس سے شادی کرنی پڑے گی۔“

”رینہوں کو دھمکی کی جو ان لڑکی کو دی جاتی ہے تو اُس کے والدین اُس کی شادی کا بندوبست  
ہیں ہاں اگر دھمکی کی جو ان لڑکی کو دی جاتی ہے تو اُس کے والدین اُس کی شادی کا بندوبست  
بنتے ہیں فرض کرو لڑکی قطب شمالی میں ہے اور لڑکا قطب جنوبی میں اور تم خط استوا پر کھڑے ہو  
رہے ہیں فرض کرو لڑکی قطب شمالی میں ہے اور لڑکا قطب جنوبی میں اور تم خط استوا پر کھڑے ہو  
رہے ہیں فرض کرو لڑکی قطب شمالی میں ہے اور لڑکا قطب جنوبی میں اور تم خط استوا پر کھڑے ہو  
”بھلا وہ کیوں کرنے لگا۔“

”نہیں کرے گا تو پھر اُس کے ہاتھوں میں ہٹھڑیاں ہوں گی۔“ اور نے کہا اور یہ ریس  
کر لج کا آرڈر دیا۔

”غیر دھمکوں گا۔“ اصف غصے میں جانے کے لئے ٹڑا۔  
”دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں و علیکم السلام۔“ اور نے کہا اور میز پر لگے ہوئے کھانے کی  
لئے متوجہ ہو گیا۔  
”واقعی تم سے بُری طرح جل گیا ہے۔“ رشیدہ اصف کے چلے جانے کے بعد ہوئی۔ ”اگر  
وقت لگا تو پھانسے سے باز نہ آئے گا۔“  
”لیکن ان پکڑ آصف میں تمہیں لمحے کے لئے مدعاونہ کروں گا کیونکہ فذ کم ہے۔“ اور نے  
”جنم میں گیا لمحے....“ ان پکڑ آصف جھنگھلا کر بولا۔ ”تم نے پھر ہاتھ پر نکلنے کا  
کر دیجئے ہیں۔“

”تم بوڑھے ہونے کو آئے مگر بات کرنے کا طریقہ نہ آیا۔“ اور نے لاپرواں سے کہا۔  
”مول کی قحط لکھتا رہا۔ تقریباً پانچ بجے وہ واپس گھر آگئے۔ اور نے پھر کتابیں اللہی پڑھنی شروع  
کر دیں۔“

”ہائی سرکل نائٹ کلب کے فیجر نے تمہاری شکایت کی ہے۔ تم وہاں کیا کرنے گئے تھے  
آصف نے پوچھا۔“

”انڈے پلاٹی کرنے۔“ اور نے سمجھی گئی سے کہا۔ ”فیجر بھی عجیب احتیح ہے اگر“  
انڈے گندے نکل گئے تو جھلا جگھے سراغ رسانی والوں سے شکایت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“  
میں اسے سمجھوں گا۔ معلوم ہوتا ہے اُس نے مرغیاں وہاں سے ہٹا دی ہیں۔ ورنہ؟“

ہوا، جب تمہاری جیب میں پسے نہیں ہوتے۔“

”کیا کہا۔ میری جیب میں پسے نہیں؟“ انور چوک کر بولا۔ ”میں نے ساجدہ کو روپے کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔“

”وہ تو تمہیں واپس ہی کرنے ہوں گے۔“ رشیدہ تیز لمحے میں بولی۔

”پھر تم نے مجھ پر حکومت جاتی شروع کر دی۔“ انور امتحنا ہوا بولا اور رشیدہ کا کان اسے کرے میں سے باہر نکال دیا۔

”میں اب تمہارے کمرے میں تھوکنے بھی نہ آؤں گی۔“ رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

”اچھی بات ہے مت آنا۔ کمرے میں تھوکنے سے گندگی پھیلتی ہے۔“ انور نے نجیرا کھا اور کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ آرام کری میں دھنس کر ایک کتاب میں ڈوب گیا۔

ٹلی فون کی گھنٹی بجی، انور نے بیٹھنے ہی بیٹھنے رسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

”ہیلو..... کون ساجدہ..... میں تمہیں فون کرنے والا تھا..... کیا؟“ انور یک بیک ہو کر بیٹھ گیا۔ ”خود کشی..... کس نے..... ارشاد نے..... کہاں..... اسے..... اچھا...؟“ تیار ہوں..... بہت اچھا..... میں انتظار کر رہا ہوں۔ ”انور نے رسیور کھو دیا اور اٹھ کر کرٹھنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد وہ تیزی سے رشیدہ کے قلیٹ میں داخل ہوا۔

”کیوں؟ کیا بات؟“ رشیدہ نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

”تمہارے کمرے میں تھوکنے آیا ہوں۔“ انور نے کہتے ہوئے فرش پر تھوک دیا۔

”ابھی ابھی میں نے کمرے کی صفائی کی تھی۔“ رشیدہ گلزار بولی۔

”کوئی بات نہیں۔“ انور جلدی سے بولا۔ ”سنواک اک کام تمہیں فوراً کرنا ہے۔“

”دوز کر تمہارے لئے سگریٹ لیتی آؤں..... میں نا..... میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔“

”سن تو سکی۔“ انور نے کہا۔ ”تمہیں اس لڑکی زبیدہ کو سعید منزل سے ہٹانا ہے۔“

”کیا مطلب....؟“

”ابھی ابھی ساجدہ نے فون پر مجھے مطلع کیا ہے کہ ارشاد نے تار جام کے علاقوں میں کارخانے تھے۔ وہاں کے کوتوالی انجارج نے تار کے ذریعے مطلع کیا ہے اور لاش کی شناخت کر لی ہے۔“

”اللہا۔ ساجدہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے۔ وہ آئی رہی ہو گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لی باکر زبیدہ کو سعید منزل سے ہٹا دو۔“

”ہنا کر کہاں لے جاؤں گی؟“

”اُن فوہ اتنی ذہین ہو کر تم مجھ سے یہ سوال کر رہی ہو۔ کسی گم نام سے ہوش میں نہ ہرا دینا رہا یا کہ تمہاری ابہانت کے بغیر ہوش سے باہر نہ نکلے۔“

”لیکن تم اُسے وہاں سے ہٹا کیوں رہے ہو؟“ رشیدہ نے پوچھا۔

”پھر ہائی کال۔ جلدی کرو۔ سعید منزل دوسرا منزل، بیگم رضوان۔ اسے سمجھا دینا کہ وہ میں ہے۔ ارشاد کی خود کشی کے متعلق بتا دینا اور کہہ دینا کہ اُس کا وہاں سے ہٹ جانا ہی ہر چیز کا داروازہ اندر سے بند کر لیا۔“

”اوہ تم ساجدہ کے ساتھ تار جام جاؤ گے؟“

”ہاں بھی! انور نے کہا۔ ”اب کیس ذرا دلچسپ ہو گیا ہے۔ اسلئے ناٹے کو دل نہیں چاہتا۔“

”میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔“

”تھیں جو میں کہہ رہا ہوں تم وہی کرو گی۔“ انور تیز لمحے میں بولا۔

رشیدہ بڑپڑاتی ہوئی دوسرے کرے میں چلی گئی۔ انور اپنے قلیٹ میں لوٹ آیا۔ تھوڑی دیر بعد ٹرک پر ہائی کی آواز سنائی دی۔ انور نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا نہیں ساجدہ اپنی کار کی کھڑکی سے نرٹکالے اور پر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انور نے اور کوٹ اٹھا کر کانہ سے پڑال قلت بہت سر پر رکھی اور نائی کی گرگھ نیک کے بغیر نیچے اتر گیا۔

”آگے ہی آجائو۔“ ساجدہ نے مضھل آواز میں کہا۔ ”میری حالت ایسی نہیں کہ خود کار دیا نہ کر سکوں۔“

انور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اس نے ایک اچھتی ہوئی نظر ساجدہ کے چہرے پر ڈال کر کار اسٹارٹ کر دی۔ ساجدہ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور پلکن سوچ آئی تھیں لیکن اس کے ماتھے کلپر چکت سلوٹس اس حال میں بھی قائم تھیں۔

تار جام شہر سے ساتھ میل دوری پر ایک صنعتی علاقہ تھا۔ یہاں لوہے اور کانچ کے کئی کارخانے تھے۔ کوئی کی دو ایک چھوٹی موٹی کائیں بھی تھیں۔ انور نے تقریباً دس بارہ میل کا

فاصلہ خاموشی سے طے کیا۔ ساجدہ بھی کچھ نہ بولی۔ دفعتاً انور بولا۔

”تاریخ میں ارشاد کی موجودگی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟“

”یہی چیز میری سمجھ میں نہیں آرہی۔“ ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”تاریخ میں اُن کا کوئی تجارتی تعلق بھی نہیں تھا۔“

”رضوان صدیقی کو جاتی ہو؟“ انور نے پوچھا۔

”ہاں... کیوں؟“ ساجدہ چونکہ کریوں۔

”یونہی پوچھ رہا ہوں۔“

”وہ ارشاد کا جگری دوست ہے۔“

”اُس کے بیوی بچے کہاں ہیں؟“

”ابھی اُس کی شادی نہیں ہوئی۔“

”کہاں رہتا ہے؟“

”دولت گنج میں....!“

”تم کبھی اُس کے بیہاں گئی ہو؟“

”نہیں کبھی جانے کااتفاق نہیں ہوا۔ وہ اکثر ہمارے گھر آنارہتا ہے۔“

”کیا وہ بھی ارشاد کا سا جھی دار تھا؟“

”نہیں.... اُس کا کار و بار الگ ہے۔“

”میں ایک بار پھر اپنا سوال وہراوں گا۔“ انور نے کہا۔ ”اس دوران میں ارشاد کی مالی حالت کیسی تھی؟“

ساجدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے ایک بار انور کی طرف دیکھ کر سر جھکایا۔ مانگ سلوٹیں چرے پر پھیلتی ہوئی غم آکدو زماہث کی لمبڑیں میں بہے گئیں۔

”اب چھپانے سے کیا فائدہ۔“ وہ آہتہ سے بولی۔ ”ارشاد قریب دریا یا ہو چکا تھا۔“

”اور اسی لئے وہ اپنی یادداشت بھی کھو بیٹھا تھا۔“ انور طنزیہ انداز میں بولا۔

”نور....!“ ساجدہ نے پر احتجاج لجھ میں کہا اور کھڑکی کے باہر پھیلی ہوئی تاریکاً نظریں گاڑ دیں۔

”اُن خود کشی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“ انور نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”خیال....!“ ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”اس کے علاوہ اب اور کوئی خیال میرے

نہیں کہ ارشاد مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ گیا۔“

”خیر یہ خیال تمہارے لئے کوئی نیا نہیں۔“ انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔

”ازور تم خالم ہو۔“ ساجدہ بے ساختہ چیختی۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا اور اُس کے چہرے پر کسی قسم کی کوئی تبدیلی بھی نہ پیدا ہوئی۔

”یہ کسی ہیرے کی کان میں بھی اُس کا کوئی حصہ تھا؟“ تھوڑی دیر بعد انور نے پوچھا۔

”ہیرے کی کان؟“ ساجدہ چوک کر بولی۔ ”نہیں تو۔ مجھے اس کی کوئی اطلاع نہیں۔“

”جیہیں پورا العین ہے کہ اُس کا تعلق کسی دوسری عورت سے نہیں تھا؟“

”آخر ان سب فضول باتوں سے کیا فائدہ؟“ ساجدہ جھلا کر بولی۔ ”ایک مرے ہوئے آدمی

پکڑا چال کر تمہیں کیا مل جائے گا؟“

”میں سبجدی گی سے گھنٹو کر رہا ہوں۔“

”نہیں ارشاد ایسا آدمی نہیں تھا۔“

انور کچھ کہنا ہی چاہتا تھا مگر پھر رک گیا۔ ساجدہ نے گھڑی دیکھی آٹھ بجے تھے۔ دور

اندر میں تاریخ میں روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ انور نے کار کی رفتار اور تیز کر دی۔

اور پھر ان کی کار تاریخ میں کو تو ای کے سامنے رک گئی۔ انور اور ساجدہ اتر کر اندر آگئے۔

لوتوالی انچارج موجود نہیں تھا۔ ایک سب انپکٹر نے انہیں بتایا کہ کو تو ای انچارج ابھی تک جائے

واردات سے واپس نہیں آیا۔ لاش دہیں ہے۔

”میں آپ لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔“ سب انپکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ ”مجھے ہدایت کر دی گئی تھی

جب بھی آپ لوگ پہنچیں آپ کو جائے واردات پر پہنچا دیا جائے۔“

”لکھا در چنان ہو گا۔“ انور نے پوچھا۔

”لکھا در چنان ہو گا۔“ انور نے پوچھا۔

”نور بیچا رہ میں، دیپ نگر میں، یہ حدش وہیں ہیرے کی کان میں ہوا ہے۔“ سب انپکٹر بولا۔

”ہمہ کی کان میں؟“ انور چوک کر بولا۔ ”لیکن اس طرف تو کوئی بھی نہیں تھی۔“

”نیل تھی۔“

”چھ ماہ قبل یہاں کھدائی کا کام شروع ہوا ہے۔“ سب اسکر نے کہا۔ ”ارشاد صاحب کے ساتھیوں نے تمیکہ لیا تھا۔“  
انور نے ساجدہ کی طرف گھور کر دیکھا۔ خود ساجدہ بھی حیرت زدہ نظر آرئی تھی جو  
بولی نہیں۔

تحوڑی دیر بعد وہ لوگ کار میں بیٹھ کر دیپ گلر کی طرف روانہ ہو گئے۔ انور کا ذمہ  
کی کان میں الجھا ہوا تھا۔ ارشاد نے زبیدہ سے توہیرے کی کان کا تذکرہ کیا تھا میں سابھ  
کے متعلق کیوں نہیں بتتا۔ دوسرا چیز اس سے بھی زیادہ بھجن بیدا کرنے والی تھی۔ دیپ  
ایسے علاقے میں اچانک ہیرے کی کان کی دریافت جس کے متعلق بھی اس کا خیال ہے  
ہو سکے۔ اب تک تارکی میں کیوں پڑی رعنی۔ اس کی توانا صی شہرت ہوئی چاہئے تھی۔  
راستہ خراب ہونے کی وجہ سے وہ دیپ گلر تقریباً آدھے گھنٹے میں پہنچے۔ یہاں دو چار  
چھوٹے بنگلے بنے ہوئے تھے جو تقریباً تاریک تھے۔ صرف ایک بنگلے کی کھڑکیوں میں روشن  
دے رہی تھی۔ سب اسکر نے اسی بنگلے کی طرف اشارہ کیا۔

”اوہ غالباً آپ بیگم ارشاد ہیں۔“ کوتوالی انجارج انہیں آنند کر کر بولا۔  
”تیاں....!“ ساجدہ غم آکو داندرا میں بولی۔

”واقعی یہ افسوس تاک حداث ہے۔“ کوتوالی انجارج نے کہا۔ ”چار بجے مجھے اطلاع  
ارشاد صاحب نے خود کشی کر لی ہے۔“ وہ پھر انور کی طرف منڑ کر بولا۔

”آپ کی تعریف....؟“

”انور سعید، روزنامہ اسٹار کا کرامہ رپورٹر....!“ انور نے کہا۔  
”اوہ....!“

”میں انہیں اپنے ساتھ لا لی ہوں۔“ ساجدہ نے کہا۔

”دھارا سنگھ کا بیان ہے کہ ارشاد صاحب تین بجے اپنے ہاتھ میں ایک دنالی بندوق نے  
کے سامنے بیٹھے تھے۔ دھارا سنگھ سمجھا کہ وہ شاید شکار کھیلنے جا رہے ہیں۔ پھر سارے تمنا بے  
نے دو فائرول کی آوازیں سنیں اور بھاگ کر اس بنگلے میں آیا اور پھر پچھلے کرے میں اس  
ارشاد صاحب کی لاش دیکھی۔ انہوں نے کھڑے ہو کر اپنے چہرے پر دو فائر کئے تھے۔“

”بھلا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ انہوں نے کھڑے ہو کر فائز کئے تھے؟“ انور نے پوچھا۔  
”ازور صاحب میں نے آپ کی تعریف سنی ہے۔“ کوتوالی انجارج طنزیہ لجھے میں بولا۔ ”چلے  
میاں آپ کو سمجھاؤں۔“

”غافی کرے کی طرف مڑا...! انور اور ساجدہ اُس کے ساتھ ہو گئے۔

لاش ایک چادر سے ڈھکی ہوئی چارپائی پر پڑی تھی۔ کوتوالی انجارج نے منہ پر سے چادر  
رکارپائی اور ساجدہ ایک ہولناک جیخ کے ساتھ انور کے بازوؤں میں آرہی۔ چہرے پر چھرے لگئے  
کاہجے سے گوشت کے پرخے اڑاگے کئے تھے۔ ساجدہ بے ہوش ہو گئی لیکن یہ حالت زیادہ دیرک قائم  
زوری۔ اُس کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلیں اور اس طرح پھٹ کر رہ گئیں جیسے اپنے حلقوں میں جم  
گیا ہوں۔ کوتوالی انجارج نے پوری لاش پر سے چادر ہٹا دی اور سوالیہ نگاہوں سے ساجدہ کی  
لف دیکھنے لگا۔

”ارشاد تم نے یہ کیا کیا۔“ ساجدہ بھوٹ پڑی۔ انور اُسے سہارا دیتا ہوا کرے سے باہر لے آیا  
اور تھوڑی دیر بعد ساجدہ کو روٹا چھوڑ کر لاش والے کرے میں لوٹ گیا۔

”انور صاحب۔“ کوتوالی انجارج بولا۔ ”ارشاد نے کھڑے ہو کر اپنے اوپر فائز کیے ہیں۔ یہ  
دیکھے ان کا ایک جوتا اور موزہ اتر اپڑا ہے۔ انہوں نے بندوق کی لیبی میں انگوٹھا پھنسا کر اپنے اوپر  
فاڑ کئے۔“

”یہ تو بالکل صاف ہے۔“ انور نے کہا۔ ”لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ فائز کھڑے ہو کر کیے گئے؟“  
”اوہ ہو.... اوھر آئیے۔ یہاں دیوار میں دیکھئے، کچھ چہرے یہاں دیوار میں گھس گئے ہیں۔  
اس جگہ کی انچھائی فرش سے تقریباً چھ سات فٹ ہے اگر انہوں نے بیٹھ کر بندوق چلانی ہوتی تو  
ٹالا کارویہ اتنی انچھائی تک چہرے نہ پھیک سکتا۔“

”پھیک ہے۔“ انور نے کہا اور جھک کر فرش پر کچھ دیکھنے لگا اور پھر ایک گہر اسافس لے کر  
کوٹھا کھڑا ہو گیا۔ وہ مدد معنی انداز میں کوتوالی انجارج کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”بہر حال خود کشی ثابت ہے۔“ کوتوالی انجارج خود اعتمادی کے لجھے میں بولا۔  
”قطیعی ثابت ہے۔“ انور نے مسکرا کر کہا۔ ”ارشاد نے ایک باریث کو خود کشی کی اور ایک بار  
کمرے پر کمرے۔“

”کیا مطلب...؟“

”یہاں آئے.... کیا آپ نے فرش نہیں دیکھا۔ دیکھنے یہاں بھی کچھ چھرے گو  
ہیں اور بارود کے دھوئیں کاہلکا سادھبہ بھی ہے جو اس پات پر دلالت کرتا ہے کہ فائز  
حالت میں بندوق کے ذباںے کا فاصلہ زمین سے صرف ایک یاد و بالشت رہا ہو گا۔“

”اوہ....!“ کوتوالی انچارج پٹپٹایا۔

”لیکن یہ بتاناد شوار ہے۔“ انور مخصوص طنزیہ لمحے میں بولا۔ ”کہ پہلے اُس نے کفر  
خود کشی کی یا لیٹ کر۔“

”تو پھر اسے کیا سمجھا جائے؟“ کوتوالی انچارج بڑھنے لیا۔

”قتل صریحی قتل....!“ انور بولا۔ ”ممکن ہے وہ بھری ہوئی بندوق پر ٹھوڑی یعنی  
خیال میں مستقر رہا ہو اور کسی نے لیبی دبادی اور اس کے گر جانے پر دوسرا فائز کر دیا ہو  
کام کسی ایسے ہی شخص کا ہو سکتا ہے جسکے متعلق خود ارشاد بھی یہ شہید نہ کر سکتا رہا کہ ”  
پر قاتلانہ حملہ بھی کر سکتا ہے۔ یہ دھارا سنگھ کون ہے جس نے خود کشی کی اطلاع آپ تک پہ  
”دھارا سنگھ بھرے کی کان کا ایک سا جھبھی دار ہے۔“

”وہ ہے کہاں؟“

”لپیتے بنگلے میں.... اس حدائقے کی وجہ سے اُس کی حالت ٹھیک نہیں۔ بظاہر انکھا  
کا ہے مگر ہے کمزور دل آدمی۔“

”ذراؤ اسے بلوائیے؟“ انور نے کہا۔

## ایک مشتبہ آدمی

”یہ تو معاملہ ہی الٹ گیا۔“ کوتوالی انچارج نے کہا۔

”مگر ایسے نہیں میں قتل والی دریافت آپ ہی کے سر تھوپوں گا۔“ انور نے کہا۔

”یعنی....؟“

”اپسے اخبار میں آپ کے کارناٹے بڑھا پڑھا کر لکھوا گا۔“

”ہرے نہیں صاحب مجھے سچائی عزیز ہے۔“ کوتوالی انچارج خاکسار انداز میں بولا۔  
”مگر ایسے نہیں.... جھوٹ نہیں بولوں گا۔“

کوتوالی انچارج باہر چلا گیا۔ انور ساجدہ کے پاس چلا آیا۔  
”یہ خود کشی نہیں بلکہ کھلا ہوا قتل ہے۔“ انور نے کہا۔

ساجدہ اچھل پڑی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انور نے اسے  
نظر الفاظ میں سب کچھ بتادیا۔ ساجدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے  
ماری نظر آ رہا تھا۔ سپاٹ اور بے جان.... ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے وہ کچھ سورج ہی نہیں رہی ہے۔  
اُن کے ذہن میں ایک خلاء ہے۔ جس میں تاریکیوں کے علاوہ کچھ نہیں۔

ٹھوڑی دیر بعد کوتوvalی انچارج واپس آگیا۔ اُس کے سامنے ایک فربہ انداز اور معمر آدمی تھا۔  
اُن کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی لیکن اس زردی کی تھبہ کے نیچے سے بھی طبیعت کی سخت  
گیری پھوٹی پڑ رہی تھی۔

”فائز کی دوسری آواز کتنے وقفے کے بعد ہوئی تھی؟“ انور نے اُس سے پوچھا۔  
”دھارا سنگھ نے اپنے خنک ہوتنوں پر زبان پھیسی اور تھوک نگل کر رہ گیا۔  
”میں آپ ہی سے پوچھ رہا ہوں۔“ انور نے دوبارہ کہا۔

”میں اس کا تو مجھے دھیان نہیں۔“ دھارا سنگھ بولا۔

”دوسرے فائز کے بعد آپ اس بنگلے میں کتنی دیر میں پہنچتے تھے؟“  
”غور انہی۔“

”کیوں آپ فائز کی آواز کا انتظار کر رہے تھے؟“

”میں....!“ دھارا سنگھ چوک پڑا۔

”مگر ہاں....!“ انور معنی خیز انداز میں بولا۔

”میں نہیں....!“ دھارا سنگھ نے جلدی سے کہا۔

”کیا نہیں؟“

”میں فائز کی آواز سن کر گھبر آ گیا تھا۔“ دھارا سنگھ نے کہا۔

”خوب خیز.... تم بتا سکتے ہو کہ ارشاد کی خود کشی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟“ انور نے اُس سے پوچھا۔

”قتل.... قتل.... نہیں نہیں.... قتل کیوں۔“ دھارا سنگھ ہکلانے لگا۔

”یہ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ قتل کیوں؟“

”میں.... کیا جانوں.... کیا.... جنوں....!“

”ہوں....!“ انور ہونٹ بھینچ کر کو تو ای انجارج کی طرف مڑا۔ ”کیا خیال ہے دروغ جی۔“

”عواملات کچھ الجھ کر رہے گئے ہیں۔“ کو تو ای انجارج اکتائے ہوئے لبھ میں بولا۔

”پھر کیا رادہ ہے؟“

”دھارا سنگھ کو کو تو ای تک جانا پڑے گا۔“ کو تو ای انجارج نے کہا۔

”کیوں....؟“ دھارا سنگھ نے بے ساختہ پوچھا۔

”اس نے کہ آپ نے اپنی بندوق ارشاد کو دی تھی اور اسی بندوق سے اس نے خود کشی کی۔“ کو تو ای انجارج نے کہا۔

”مگر میں اس کی بیت سے واتفاق نہیں تھا۔“ دھارا سنگھ نے کہا۔

”کسی کو بندوق دینا ہی غیر قانونی ہے۔“ کو تو ای انجارج بولا۔

”تو کیا مجھے حوالات....؟“

”می ہاں۔“ کو تو ای انجارج نے کہا اور انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”آپ مزار شاد کو لے کر کہاں ٹھہریں گے؟“

”کہیں کسی ہوش میں۔“ انور نے کہا۔ ”لیکن کیا ہم لوگوں کی موجودگی یہاں ضروری ہے؟“

”می ہاں.... میں ارشاد کے متعلق معلومات بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔“ کو تو ای انجارج نے کہا۔

”موزیں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس ہیرے کی کان کے اور کتنے حصے دار ہیں؟“ انور نے کہا۔

”ایک اور ہے۔“ دھارا سنگھ نے کہا۔

”وہ کہاں ہے؟“ انور نے پوچھا۔

”تارجام میں۔“

”لب ملک کتنا ہیر انکل چکا ہے؟“ انور نے پوچھا۔

”صرف چند ذرے۔“ دھارا سنگھ نے کہا۔

”کام کب سے ہو رہا ہے؟“

”مجی وہ جب آئے تھے پریشان تھے۔ مجھ سے میں ہزار روپیہ مانگ۔ بھلا میرے پاس اب رقم کہاں سے آتی جو کچھ تھا اس کان پر لگا چکا تھا۔“

”وہ یہاں کب آیا تھا؟“

”آج ہی دو بجے۔“

”اس کے ساتھ اور کون تھا؟“

”مجی کوئی نہیں۔“

”وہ یہاں کیوں آیا تھا....؟“ انور نے پوچھا۔

”کہہ تو رہا ہوں کہ مجھ سے روپے مانگنے۔“

”بندوق کس کی تھی؟“

”میری ہی۔“

”تو کیا اس نے کہا تھا کہ وہ شکار کھلیانا چاہتا ہے؟“

”مجی ہاں۔“

”اور آپ یہ جانتے ہیں کہ کسی کو اپنی بندوق دینا جرم ہے؟“

”مجی ہاں۔“ مجھ سے یہ غلطی ضرور ہوئی۔“

”اس کے علاوہ بھی آپ نے ایک غلطی کی ہے۔“ انور بولا۔

”مجی....؟“ دھارا سنگھ پھر چڑنکا۔

”آپ نے ابے بھری ہوئی بندوق دے دی۔“

”بھری ہوئی۔ مجی نہیں۔ نہیں یہ بالکل جھوٹ ہے۔“

”شکار گاہ یہاں سے کتنی دور ہے؟“ انور نے پوچھا۔

”دو میل....!“

”تو پھر یہیں سے بندوق بھر لینے کا مطلب نہیں سمجھ میں آتا۔“ انور نے کہا۔

”مطلوب.... ارے صاحب انجیں خود کشی یہیں کرنی تھی۔ شکار گاہ جا کر کیا کرتے۔“

”سنگھ نے کہا۔

”مجی یہ خود کشی نہیں بلکہ قتل ہے۔“ انور نے کہا۔

"چھ ماہ سے۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ ابھی تک کار و بار نقصان ہی پر چل رہا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"ہیرے کی کان کا ٹھیک کس کی تحریک میں لیا گیا تھا؟"

"ارشاد صاحب سب سے بڑے حصے دار تھے۔ انہیں کی تحریک سے ٹھیک لیا گیا تھا۔"

"آپ انہیں کب سے جانتے تھے؟"

"آج سے چھ ماہ قبل سیٹھ اطہر نے مجھے آن سے ملا یا تھا۔"

انور کچھ سوچنے لگا اور کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ باہر سننا طاری تھا۔ تاریکی کی سیاہ چاہی

شے پر محیط تھی۔ ساجدہ بالکل ساکت بیٹھی تھی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتے ہو گیا۔

"آپ ادھر کار میں آجائیے...!" انور نے کو تو ای انچارج سے کہا۔ وہ انور کے برابر بیٹھ گیا تھوڑی دیر بعد پولیس کی لاری وہاں آکر رکی۔ کو تو ای انچارج نے لاش اٹھوا کر اُس پر کھوڑا۔

پھر دھارا سنگھ کو بھی وہاں لایا گیا۔ دھارا سنگھ کے سارے جسم پر کچھی طاری تھی۔

"آگے چل کر بیٹھئے۔" کو تو ای انچارج نے اُس سے کہا۔

"تو کیا واقعی؟"

"جی ہاں.... آپ حرast میں ہیں۔"

"مگر.... مگر....!" وہ ہچک لیا۔ کو تو ای انچارج نے اُس کے کانہ سے پہاڑ کر کر۔

"قطی...!" انور نے کہا۔ "اس دوران میں قاتل ہمارے آس پاس ہی رہا اور جب اُس نے بڑھانے کی کوشش کی۔ لاری اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ ہیئت لا ٹینس کی روشنی سامنے سڑک پر۔"

لماک پانس پلٹ چکا ہے اور پولیس دھارا سنگھ کو لیے جا رہی ہے تو اس نے اُسے بھی قتل کر دیا۔

پھر ہوئی تھی۔ دھارا سنگھ نے پائیداں پر چیر کھا ہی تھا کہ کسی طرف سے اچاک فائر ہوا۔

"یہاں...؟" کو تو ای انچارج نے چونک کر کہا۔

دھارا سنگھ جن مار کر پہلے تو زائر کی سیٹ پر گرا اور پھر اچھل کر زمین پر آزما۔ وہ ایک ہزار

کیے ہوئے مرغ کی طرح ترپ رہا تھا۔

"ادھر.... ادھر....!" انور ایک طرف تاریکی میں ہاتھ اٹھا کر چینا۔ پولیس والوں کی:

کی روشنیاں اندر ہیزے کا سینے چیرنے لگیں۔ انور ایک طرف بے تباش دوڑا جا رہا تھا۔

انچارج اور پولیس والے اُس کے پیچے تھے۔ دور تک اونچی پیچی پہاڑیوں اور کانے دار جاگاں پر

سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ سب ادھر ادھر مارے مارے پھرتے رہے۔

کامسرائی نے ملا آخر وہ بے نیل و مرام واپس لوٹے۔ یہاں ایک دوسرا حادثہ آن کا

میٹھا طہر کیسا آدمی ہے؟" انور نے کو تو ای انچارج سے پوچھا۔

”اے... سیٹھ اطہر نے چوک کر پوچھا۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟“  
”درشاد نے خود کشی نہیں کی بلکہ اسے کسی نے قتل کر دیا۔“  
”میں....؟“ سیٹھ اطہر نے کہا اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔  
”آپ ارشاد کو کب سے جانتے تھے؟“ انور نے پوچھا۔

”میں....؟“ اطہر نے چوک کر کہا اور انور کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں اسے عرصے سے  
انقاور اسے برا آدمی سمجھتا تھا لیکن ڈھول کے اندر پول کا علم اس کان میں روپیہ لگادینے کے

”ہوں۔“  
”تو آپ اس سے ناراض تھے؟“ کو تو ای انچارج نے کہا۔

”میں ہاں، بہت بُری طرح۔“

”کیوں....؟“

”بھلایہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، میں نے اس کی باتوں میں آکر خاصی رقم گنوادی۔“

”تو وہ ابھی ہیر انکلائے کے کان سے؟“ کو تو ای انچارج نے کہا۔

”صرف چند ذرات لیکن مجھے اس میں شہم ہے۔ میں ایک باشت گھر اگر حاکوڈ کر اس میں  
بھی ہیرے کے ذرات برآمد کر سکتا ہوں۔“ سیٹھ اطہر نے کہا۔

”تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ارشاد نے آپ کو دھوکہ دیا تھا....؟“ انور نے کہا۔

”میں ہاں.... میں بھی کہوں گا اور اس کے لئے میرے پاس ثبوت موجود ہے۔“

”لیا....؟“

”اس کے ساتھ جو اچھیز بھانٹ بھانٹ کے آلے لے کر آیا تھا ایک مشہور بد معاشر اور  
بلکہ ملکر تھا۔“

”اس پر بھی آپ پھنس گئے؟“ انور نے کہا۔

”میں نہیں یہ تو مجھے آج معلوم ہوا ہے۔“ سیٹھ اطہر نے کہا۔

”لیکے....؟“

”اُن میں نے ایک اخبار میں اس کی تصویر دیکھی تھی۔ وہ دھوکہ دہی کے ایک معاملے میں  
کھو گایا ہے۔“

”میں اس کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتا۔ وہ دیکھتے تھی دیکھتے بڑھا ہے، پویس از  
طرف سے بھیشہ مخلوک رہتی ہے۔“  
”کیوں پویس مخلوک کیوں رہتی ہے؟“ انور نے پوچھا۔

”وہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کافی دولت مند ہو گیا۔ ظاہر کوئی ایسا ذریعہ دکھائی نہیں رہا  
کی بنا پر اس کی دولت کو جائز سمجھا جائے۔“  
انور معنی خیز انداز میں سرہلا کر رہ گیا۔

”تحوڑی دیر بعد وہ کو تو ای پہنچ گئے اور ان دونوں حادثوں کی خبر سارے علاقے میں پھیلی۔  
ساجدہ ہوش میں ضرور آگئی تھی لیکن اس کی حالت ابتر تھی۔ انور نے اسے آرام دیا۔  
میں تھہر ادا یا اور خود کو تو ای چلا آیا۔ یہاں کو تو ای انچارج سیٹھ اطہر کا انتظار کر رہا تھا جسے اس  
بھیجا تھا۔ تحوڑی دیر کے بعد سیٹھ اطہر اس کے دفتر میں داخل ہوا۔ یہ ایک قوی الجسم اور  
القامت آدمی تھا۔ عمر تینیں اور چالیس کے درمیان تھی رہی۔ اس کے لباس اور زکہ  
سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ایک شو قین مزاج آدمی ہے۔ وہ اس طرح مسکراتا ہوا داخل ہوا  
اُسے ان حادثات کی اطلاع نہ رہی ہو، قبل اس کے کہ کوئی اس سے کچھ پوچھتا وہ خود ہی بولا۔  
”مجھے ابھی ابھی دوسرے حادثے کی بھی اطلاع ملی ہے میں آنے کی تیاری ہی کر رہا  
آپ کا آدمی پہنچا۔“

”پہلی حادثے کی اطلاع آپ کو تھی؟“ انور نے پوچھا۔

”میں ہاں۔“

”اور آپ دیپ گر نہیں آئے؟“

”میں کیوں جاتا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ارشاد کے لئے اب خود کشی کے ملا۔“  
چارہ نہیں رہ گیا۔

”کیوں یہ آپ کیسے جانتے تھے؟“ انور نے پوچھا۔

”وہ بالکل دیوالیہ ہو چکا تھا لیکن مجھے دھارا سنگھ کے مرنے کا افسوس ہے۔ اُس غر  
محن میری وجہ سے اس ناشدنی کان میں روپیہ لگایا تھا۔ لیکن اسے کس نے اور کیوں قتل کر  
جس نے ارشاد کو مغلی کیا ہے۔“ کو تو ای انچارج نے کہا۔

نہیں کہا۔ آدمی چاہے کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو لیکن جب اس پر اچاک یہ بات ظاہر ہوتی ہے

”مگر کہا گیا ہے تو وہ تھوڑی دیر کے لئے غصے سے پاکل ضرور ہو جاتا ہے۔“

”وپر اس اصول کے تحت تو آپ بھی ارشاد کے قاتل ہو سکتے ہیں۔“ انور نے کہا۔

”لیکن میں...!“

جسے ارشاد کی خود کشی کے بارے میں معلوم ہوا۔ میں اس نتیجے پر جلد ہی پہنچ گیا کہ اجس کا

تصویر شائع ہو جانے کی وجہ سے گھبرا کر اس نے خود کشی کر لی۔ لیکن اب آپ کہتے ہیں کہ اس قتل میں تجدیل ہو گئی تو آپ نے اس ڈر سے دھارا سنگھ کو قتل کر دیا ہو کہ کہیں پولیس اس

کسی نے قتل کر دی۔ خیر ایسے آدمیوں کا بھی انعام ہوتا ہے لیکن دھارا سنگھ کے قتل کی وجہ پر بچہ اگوانے لے۔“ انور نے کہا۔

”ابھر دھارا پکج کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کو تو ای انجارج اُسے تیز نظر دوں سے گھور رہا تھا۔“

”غیر میں اس کے لئے درجنوں ثبوت مہیا کر سکوں گا کہ آج ہفت سے اس وقت تک میں تار

”قطیٰ.... لیکن اتنی بھی نہیں کہ اُسے قتل کر دیتا۔“ سیٹھ اطہر مسکرا کر بولا۔ یہ مکارہ ہی میں رہا اب مجھے یہاں اور کتنی دیر بیٹھنا پڑے گا؟“

”جب وقت تک آپ کا دل چاہے۔.... آپ جا سکتے ہیں۔“ کو تو ای انجارج نے مسکرا کر کہا۔

”میں مخفی چند معلومات حاصل کرنے کے لئے آپ کو تکلیف دی تھی۔“

”مثیری....!“ اطہر نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر کمرے سے چلا گیا۔ کو تو ای انجارج بھی فوراً

”اللہ کر بہر چلا گیا۔“

”مگر ہا۔“

”شاید آپ اجیت کمار کی بات کر رہے ہیں؟“ انور نے کہا۔

”مگی ہاں.... اجیت کمار۔ وہی اُس کے ساتھ انجیت بن کر آیا تھا اور اُس نے بیہترے الہ

کی مدد سے یہ بات ثابت کی تھی کہ یہاں ہیرے کی کان ہے اور ہم لوگ بڑی خوشی سے لے

لگانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ بہر حال میں اس اطلاع کے بعد شہر جانے کی تیاری ہی کر رہا تھا

جسے ارشاد کی خود کشی کے بارے میں معلوم ہوا۔ میں اس نتیجے پر جلد ہی پہنچ گیا کہ اجس کا

تصویر شائع ہو جانے کی وجہ سے گھبرا کر اس نے خود کشی کر لی۔ لیکن اب آپ کہتے ہیں کہ اس قتل میں کہیں پولیس اس

کسی نے قتل کر دی۔ خیر ایسے آدمیوں کا بھی انعام ہوتا ہے لیکن دھارا سنگھ کے قتل کی وجہ پر بچہ اگوانے لے۔“ انور نے کہا۔

”میں نہیں آتی۔“

”بہر حال آپ کو اُس سے دشمنی تھی؟“ کو تو ای انجارج نے کہا۔

”قطیٰ.... لیکن اتنی بھی نہیں کہ اُسے قتل کر دیتا۔“ سیٹھ اطہر مسکرا کر بولا۔ یہ مکارہ ہی میں رہا اب مجھے یہاں اور کتنی دیر بیٹھنا پڑے گا؟“

”جب وقت تک آپ کا دل چاہے۔.... آپ جا سکتے ہیں۔“ کو تو ای انجارج نے مسکرا کر کہا۔

”دھارا سنگھ تو آپ کا جگری دوست تھا؟“ کو تو ای انجارج نے پوچھا۔

”میں نہیں۔“

”ارشاد سے اُس کے کیسے تعلقات تھے؟“

”تمے نہیں تھے۔“

”ایک بات۔“ انور نے کو تو ای انجارج کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”اجیت کمار کا راز مط

ہونے کے بعد فطری طور پر آپ کو شہر جانے کے بجائے دھارا سنگھ کو اُس کی اطلاع دینے۔

”لئے جانا چاہئے تھا۔“

”میں میں دھارا سنگھ سے ملتا ہوا شہر جاتا۔“ اطہر نے کہا۔ ”اوہ جب مجھے یہ معلوم ہوا۔“ اُس نے محسوس کیا کہ کو تو ای انجارج اُس کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرا رہا ہے۔ انور

ارشاد نے دیپ گلر میں خود کشی کی ہے تو میں سمجھ گیا کہ اُسے بھی میں آکر اجیت کمار کی خدمت کرنے کا خواہ توہنہ مسکرانے لگا۔

شائع ہونے کا حال معلوم ہوا اور اُس نے چڑا کی کوئی صورت نہ دیکھتے ہوئے خود کشی کر لی۔“

”لیکن دھارا سنگھ کو اجیت کمار والے واقعے کی اطلاع نہیں تھی۔“ کو تو ای انجارج نے کام کی وجہ ہوئے کہا۔ ”لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ گم ارشاد خصوصیت سے آپ کو اپنے ساتھ

کمل لے آئیں؟“

”تو پھر اگر دھارا سنگھ خود نہ مارڈا جاتا تو میں یہی سمجھتا کہ اُس نے ارشاد کو قتل کیا؟“

”آپ کا یہ سوال ذہانت سے بھر پور ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”اس خصوصیت کی سب سے

بڑی وجہ یہ ہے کہ نیگم ارشاد مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔“  
”یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی۔“ کوتولی انچارج نے کہا۔ ”اور بہتلوں کو بھی وہ اچھی طرف دیکھ کر بولا۔“ دھارا سکھ... دھارا سکھ... نے ہوں گی؟“

”جاناتی ہوں گی اور بھلاس میں مجھے اعتراض ہی کیا ہو سکتا ہے۔“ انور نے مکار کر کر  
”بات یہ نہیں مشر انور، ان کے اس روئے پر ہمیں سید گی سے غور کرنا چاہئے۔“  
”کوتولی انچارج بولا۔“

”جاناتی ہوں گی اور بھلاس میں مجھے اعتراض ہی کیا ہو سکتا ہے۔“ انور نے مکار کر کر  
”لین وہ بے چارہ اس بیان کی تقدیم کرنے کے لئے عدالت میں نہ حاضر ہو سکے گا۔“ انور  
زیادتی میں بولا۔

کوتولی انچارج خاموش ہو گیا۔ انور نے ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلکا یا  
لیکے لئے شیش لیتے گا۔

”بہر حال مجھے نیگم ارشاد سے گفتگو کرنی ہے۔“ کوتولی انچارج اٹھتا ہوا بولا۔

”مکن ہے یہی بات رہی ہو لیکن انہوں نے اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں ملے  
انور اٹھتی رہتا ہوا کہ ایک پستہ قدار دوہرے جسم کا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ یہ سیاہ سوت  
میں بلوں تھا۔ اُس کے چہرے کی تھکن اور کپڑوں پر پڑی ہوئی گردسے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی  
لہنز کر کے آ رہا ہے۔ اُس کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی مگر قبل از وقت سر کے بال گر جانے کی وجہ سے  
”ضرور بتانی پڑے گی۔“ انور نے اُسی کے لجھ کی نقل کی۔ کوتولی انچارج بھاگ  
ہر معلوم ہو رہا تھا۔

”میں... میں... ارشاد مر جوم کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں۔“ وہ دروازے پر ٹھنک کر بولا۔

”آپ کون ہیں؟“ کوتولی انچارج نے پوچھا۔

”میرا نام رضوان ہے۔ ارشاد میرا دوست تھا۔ اُس نے مجھ سے بیس ہزار روپے مانگے تھے  
اور لکھا تھا کہ وہ آج ہی کے دن تاریخ میں ملے گا۔ پہلے تو میں نے اُسے لکھ دیا تھا کہ میں انتظام  
نہیں کر سکتا لیکن پھر اتفاق سے روپے دستیاب ہو گئے اور میں سیدھا یہیں چلا آیا مگر یہاں آکر  
معلوم ہوا...!“

”بیٹھ جائیے۔“ کوتولی انچارج کر سی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”آپ کہاں رہتے ہیں؟“

”آئی شہر میں جہاں ارشاد رہتا تھا۔ لیکن میں ایک کار و باری ضرورت سے رام گڑھ چلا گیا  
تلہ دیباں مجھے ارشاد کا خلط ملا... اور کچھ... کچھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو گیا۔“

”اور یہی غور سے رضوان کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔“

”میرا نور آپ انہیں پہچانتے ہیں؟“ کوتولی انچارج نے پوچھا۔

”میں... میں نے اس سے پہلے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔“ انور نے جواب دیا۔

”یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی۔“ کوتولی انچارج نے کہا۔ ”اوہ...“ کوتولی انچارج انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”دھارا سکھ... دھارا سکھ... نے  
ہوں گی؟“

”جاناتی ہوں گی اور بھلاس میں مجھے اعتراض ہی کیا ہو سکتا ہے۔“ انور نے مکار کر کر  
”بات یہ نہیں مشر انور، ان کے اس روئے پر ہمیں سید گی سے غور کرنا چاہئے۔“  
”کوتولی انچارج بولا۔“

”میں غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ چلئے۔“ انور شانے اچھال کر بولا۔

”میرا خیال ہے کہ نیگم ارشاد کو پہلے ہی سے اس خود کشی پر شبہ تھا، اس نے وہ آپ کو ساتھ لے

”مکن ہے یہی بات رہی ہو لیکن انہوں نے اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں ملے  
انور اٹھتی رہتا ہوا تھا کہ ایک پستہ قدار دوہرے جسم کا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ یہ سیاہ سوت  
میں بلوں تھا۔“ اُس کے چہرے کی تھکن اور کپڑوں پر پڑی ہوئی گردسے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی  
لہنز کر کے آ رہا ہے۔ اُس کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی مگر قبل از وقت سر کے بال گر جانے کی وجہ سے  
”ضرور بتانی پڑے گی۔“ انور نے اُسی کے لجھ کی نقل کی۔ کوتولی انچارج بھاگ  
ہر معلوم ہو رہا تھا۔

”میں... میں... ارشاد مر جوم کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں۔“ وہ دروازے پر ٹھنک کر بولا۔

”غائب اب وہ ٹھیک ہوں گی۔“ کوتولی انچارج بولا۔ ”میں اُن سے اس کے بارے میں  
گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ سیٹھ اٹھر کی گفتگو سے ارشاد کی پوزیشن کچھ خراب ہو گئی ہے۔“

”کیوں پوزیشن کیوں خراب ہو گئی؟“

”وہ اجیت کمار والا معاملہ...!“ کوتولی انچارج نے کہا۔

”اور آپ نے اس پر یقین نہ کر لیا...؟“

”یقین نہ کرنے کی وجہ؟“

”اچھا تو اس پر بھی یقین کر لیجئے کہ ارشاد پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔“

”مکمل کیا آپ نے...“ کوتولی انچارج نہیں کر بولا۔

”اچھا اس پر یقین نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟“

”ارے بھتی میں ارشاد کو اچھی طرح جانتا تھا۔“ کوتولی انچارج بنتا ہوا بولا۔

”تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ ارشاد کا وجود تھا۔ لیکن اجیت کمار والے واقعے کے مطابق

”تو آپ وہ بیس ہزار روپے لائے ہیں؟“ کو تو اکا انخبار جو نزکا

ج

”بیگم ارشاد آپ کو پہچانتی ہے؟“

وَلِلّٰهِ الْحُكْمُ وَالْحُسْنَىٰ

”اچھا تو پھر ہم لوگ وہیں چل رہے ہیں۔“  
میں ہیں۔“

وَالْمُؤْمِنُونَ

ادھ سرور پسے... سرور پسے۔ بیچاری ساجدہ۔ ”رسوان اندوہنک آواز میں بولار باہدہ نے کہا۔  
وہ لوگ کار میں بیٹھ کر اتھل ہوٹل کمپٹرف روانہ ہو گئے۔ انور اس دوران میں پکھ نہیں بولا۔ ”مگر حالات

وہ لوگ کار میں بیٹھ کر اکٹل ہو ٹل کیٹرف روانہ ہو گئے۔ انور اس دوران میں پکھ نہیں رہا۔ ”مگر حالات تو کچھ ایسے پیش آتے ہیں جن کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ارشاد صاحب کی وہ بہت دلچسپی سے رضوان کا جائزہ لے رہا تھا۔ راستے بھر خاموشی رہی۔ راکٹ ہوتی باش پر کوئی غیر معمولی اثر نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو انہیں ہیرے کی کان بھی نہ یاد رہتی۔ وہ وہ ساجدہ کے کرے میں داخل ہوا۔ ساجدہ ایک کری رآ نکھر بنند کئے بیٹھا تھا۔ فوجیوں، رہنماؤں اور سنت جن کی انہیں ضرورت تھی کیون انور صاحب؟“

”یہ آخر ہوا کیا؟“ رضوان بے ساختہ بولا۔

”لہاں آپ اسے آدمی یا آدمیوں کے نام بتا سکتی ہیں جو ان سے دشمنی رکھتے ہوں۔“ کوتوہلی

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“ انور نے کہا اور سگریت کا مکار افرش پر گرا کر پیرے مسل دیا۔

”یہ کہ اُس کے ہونٹ کا پنے، نتھے پھر کے اور آنسوؤں کا سیلا بامنڈ پڑا۔

”وہ ساجدہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ ساجدہ ایک کری پر آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی۔ رفو ٹھماز اور روپے بھی نہ یاد رہتے جن کی انہیں ضرورت تھی کیوں انور صاحب؟“

ساجدہ منہ ڈھانپ کر دنے لگی۔ یہ تینوں خاموشی سے بیٹھے گئے۔ آہتہ آہتہ را باہم اپنائیں نے ساجدہ سے پوچھا۔ سکیاں کم ہوتی جا رہی تھیں اور پھر وہ بالکل خاموش ہو گئی۔ ”بھل پے“ تہمیں انکے دوستوں کے متعلق کچھ جانتی ہوں اور نہ دشمنوں کے متعلق۔“

”اگر آپ کی طبیعت ٹھیک ہو تو میں کچھ پوچھنے کی جرأت کروں۔“ کوتوالی انچارج نے ”رموان صاحب سے اُن کے کیسے تعلقات تھے؟“ پوچھنے ...!“ سابجھہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”میا آپ کو شہر سے چلئے وقت اس قسم کا شہمہ تھا کہ ارشاد صاحب نے خود کشی نہیں کی؟“ اس کے بعد کوتولی انچارج کچھ اور باتیں بھی پوچھتا رہا اور انور اٹھ کر نیچے ہال میں چلا گیا۔ وہ ”قطیعی نہیں۔ کچھ نہیں۔ میرے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا کہ میں یہو ہوں۔“ انگلیک خیالات میں ڈوبتا ہوا تھا۔ اُس نے کافی کارڈر دیا اور بیٹھ کر سگریٹ سلکانے لگا۔ وہاں بیٹھنے لگا۔ زکافی، کر کونکر، کر تقدیم آدمی گھنٹہ۔ کر بعد وہ اٹھ کر رنا تھا کہ رضوان ل۔ ”ساحده پھر رہڑی۔“

”محجے افسوس ہے کہ میرے اس سوال سے آپ کو تکلیف پہنچی۔“ کو تو ای انجام جا بلکہ انہوں نے اٹھنے کا رادہ ملنے کر دیا۔ رضوان کریم گھیٹ کر اُس کے قریب بیٹھ گیا۔

”نہیں.... آپ اور جو کچھ پوچھنا چاہیں..... میں....!“  
”کیا آپ کو معلوم تھا کہ انہوں نے رضوان صاحب سے بیٹی خارجہ مانگئی تھی؟“

”میرا کوئی مطلب نہیں۔“ انور آہستہ سے بڑا بڑا۔ رضوان سمجھ نہیں بولا۔ وہ خاموش تھا۔

انور کو گھورتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد غم زدہ آواز میں بولا۔ ”آخر بے چاری ساجدہ کا کیا ہو گا؟“ ”جی....؟“ رضوان اس طرح اچھا جیسے کریں نے ڈنگ مار دیا ہوا۔ ”جی ہاں....!“ انور سمجھ گی سے بولا۔

”مم.... میں آپ کا مطلب... نن....!“

”نہیں سمجھا۔“ انور نے طنزیہ انداز میں جملہ پورا کر دیا اور معنی خیز انداز میں مکارا۔ ”میرا اور اور....!“ رضوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”آپ خواہ مخواہ مجھے چھانے کی اور پھر رضوان کا شانہ تھپک کر کہنے لگا۔“ پولیس آپ کی طرف سے بہت زیادہ بڑھ کر رہے ہیں۔

ہو جائے گی۔ رضوان صاحب سانچے کی تجارت تو پہلی بار جاتی ہے مگر سانچے کی عورت۔ ”جی اگر خواہ مخواہ چھانے کا ارادہ ہوتا تو میں ساجدہ کا ذکر اسی وقت چھیڑ دیتا جب تم کو تو اسی خود سوچنے کے پولیس کس نتیجے پر پہنچے گے؟“

رضوان کے ماتھے پر پینے کی نیضی بوندیں پھوٹ آئیں۔ ہونٹ خنک ہو گئے اور بر۔ ”میرا اور.... میں قسم کھا کر....!“ ہوئے حلق میں سانس لکھتے گلے۔ انور اس کی حالت کے تغیر کو اچھی طرح محظوظ کر رہا تھا۔ ”اس کی ایک ہی صورت ہے اگر تم واقعی ارشاد کے کچھ بولا نہیں۔

”اب تو واقعی میں بڑی مشکل میں بچن گیا۔“ رضوان تھوک نکلا ہوا بولا۔

”مگر میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں کہ ساجدہ سانچے کی نہیں۔“

”آپ اس کا کوئی ثبوت کہنے پہنچا سکیں گے۔“

”کیوں کیا ساجدہ کچی بات نہ کہے گی؟“

”تو بھی آپ پر ایک دوسرا چارچ لگے بغیر نہ رہ سکے گا کہ آپ اُسے اغوا کر کے لائے ہیں۔“ انور بولا۔

”اوہ اگر میں اُسے اپنی بیوی ثابت کراؤں تو....؟“

”نا ممکن ہے.... وہ ایک ضدی لڑکی ہے جب اُسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ”اب“ دھوکے میں رکھی گئی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے بچانے سے باز نہ رکھ سکے گی۔“

”تو کیا آپ اُسے عرصہ سے جانتے ہیں؟“ رضوان گھبرا کر بولا۔

”جی نہیں کسی کے کردار کا مطالعہ کرنے کے لئے صرف ایک ہی گھنٹہ کافی ہے۔“

رضوان تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

”کہاں کا اس پر پہلے بھی یاد راشت کو بیٹھنے والا درہ پڑا تھا؟“

”میری راست میں تو کبھی نہیں۔“

”اُن کی ماں حالت کیسی تھی؟“

”اُن دو ران میں خراب ہو گئی تھی۔“

”تمہیں ہمیرے کی کان کی اطلاع تھی؟“

”اُن اس نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا۔“

"میا تم نے بھی اپناروپیہ اُس میں لگایا تھا؟"

"نہیں.... میں کسی کی شرکت میں کوئی تجارت نہیں کرتا۔"

"تمہارا کس چیز کا کاروبار ہے؟"

"فارورڈنگ اور لکیرنگ، کچھ ذاتی اسپورٹ اور امپورٹ بھی کرتا ہوں۔"

"ارشاد کو کب سے جانتے تھے؟"

"تقریباً پانچ سال سے۔"

"تمہاری دانست میں اُسے کون قتل کر سکتا ہے؟"

"میری دانست میں اُس کا کوئی دشمن نہیں تھا۔"

"یہاں کب تک قیام کر دے گے؟"

"ساجدہ کے ساتھ ہی واپس جاؤں گا۔ میں مناسب معلوم ہوتا ہے۔"

اُس کے بعد دونوں اٹھ گئے۔

دوسرے دن ساجدہ اور انور شہر کی طرف جا رہے تھے۔ رضوان کو کوتولی انچارنے "دوڑتے دوڑتے کچور نکل گیا۔" رشیدہ منمنائی۔ انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کرسی مصلحت سے تار جام عیار دک لیا تھا۔ انور کا رذرا بخوبی کر رہا تھا۔ ساجدہ اُس کے برابر بیٹھی تھی۔ میکٹ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ وقت پھر اُس کے ماتھے پر غور کی سلوٹیں اُبھر آئیں۔ آنکھوں کی سفاک چک عود کر لیا "وہ لڑکی پر اسرا طریقے پر غائب ہو گئی۔" رشیدہ نے کہا۔ "کل رات میں نے کم از کم دس ہکروں لگنے کے ضرور لگائے ہوں گے۔"

"مجھے اُس لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں۔" انور بیزاری سے بولا۔

"اور ساجدہ...؟"

"جہنم میں گئی۔"

"یہ تو بڑا جھا ہوا۔" رشیدہ چپک کر بولی۔ "اپنا پوتے دے گئی ہے پا نہیں؟"

"میں نے اُس کے روپے واپس کر دیئے ہیں۔"

"لیکن اُس کے شہر نے خود کشی کیوں کر لی؟"

"خود کشی نہیں قتل....!" انور بولا۔

"تقلیل؟ قتل کس نے کیا؟"

"میں نے۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اب تمہارا بھی گلا گھوٹ کر چھانپی پر چڑھ جاؤں گا۔"

وہرے ہی لمحے میں ساجدہ کا ہاتھ اٹھ کر اُس کے گال پر چڑھا۔ انور نے کار روک دی۔ جیب سے ساجدہ کے دیئے ہوئے پانچ سوروپے کے نٹوں کا بندل ٹکال کر اُس کی گود میں ڈالتا ہوا بولا۔ "مکریہ خدا حافظ۔"

وہ کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا اور کار اُس پر دھول جھوٹکی ہوئی آگے نکل گئی۔ وہ پیدل ہل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے شہر جانے والی بس مل گئی اور وہ اُس پر بیٹھ کر اپنے اخبار سے ہرے کی کان کی شریبدی لکھنے لگا۔

## سر کاری جاسوس سے جھٹپت

شہر پہنچ کر وہ سیدھا آفس چلا گیا۔ رشیدہ بیٹھی اوپنگہ رہی تھی۔ انور کو دیکھ کر اُس کا چہرہ کھل

"ارشاد کی زندگی کا یہہ تو رہا ہی ہو گا؟" انور نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"کتنے کا...؟"

"اسی ہزار روپے کا۔"

"اوہ.... خاصی رقم ہے۔" انور نے کہا۔

"مگر وہ پالسی پر پہلے ہی قرض لے چکا تھا۔" ساجدہ بولی۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم بالکل ہی کمگال ہو چکی ہو۔"

"تم کتنے ظالم اور حشر ہو۔" ساجدہ منہ بگاڑ کر بولی۔

"اب ان سلوٹوں کو مست جانا چاہئے تھا۔" انور نے اُس کے ماتھے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"شوچ سے، تمہارے ہاتھوں مر نے میں مجھے کوئی دکھنے ہو گا۔" رشیدہ نے اتنے درمیان میں کہا کہ انور کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"ٹھیں نہیں مت کرو۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" انور نے کہا۔

"تو ایسے بولو۔" رشیدہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "ابھی میری جیب میں کافی پیسے ہیں۔" دونوں دفتر سے نکل کر سامنے والے ریسٹوران کی طرف بڑھے۔

"کل سے انپکٹر آصف کئی بار تمہیں پوچھنے کے لئے آپکا ہے۔" رشیدہ نے کہا۔

"بھی اب ختم بھی کر دیں قصہ۔ میں نے کہہ دیا کہ مجھے اُس سے کوئی پچھسی نہیں۔" انور پر

"ختم کر دیا۔" رشیدہ نے کھانا ختم کرنے کے بعد پانی پیتے ہوئے کہا۔

"تم پھر مجھے ہسین لگ رہی ہو۔" انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

"لڑکے؟" رشیدہ نے بیرے کو مخاطب کر کے کہا۔ "صاحب کے لئے ایک ڈبہ سگرید آؤ۔ اسیٹ ایکپر لیں۔"

انور دوسرا طرف منہ پچھر کر مکرانے لگا۔

"اور میرے ہونتوں کا رنگ کیا ہے؟" رشیدہ نے شرات آمیز مسکراہٹ کیا تھا پوچھ

"تم لال رنگ کی پڑیا پھانک گئی ہو۔" انور بولا۔

"اور میری آنکھوں کی جھیلوں میں؟"

"پچھر ہے کچڑ، کسی ڈاکٹر کو دکھاؤ۔" انور نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"اور میرے گالوں کے سیب....؟"

"سیب نہیں شاخم کہو۔ آج چھت نے منہ کیوں نہیں دھویا؟" انور بیزاری سے بولا۔

"اور.... میرے....!"

"ہاں اور تمہارے سر میں جو سیس نک جباری ہیں۔ میں اب چپ رہو۔"

"نہیں چپ رہتی۔"

"دیکھو میں یہاں ریسٹوران میں کسی قسم کا جھنڈا کرنے کیلئے تیار نہیں۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔

"وہ دونوں پھر آفس میں لوٹ آئے۔ یہاں ایڈیٹر کرے کرے میں انپکٹر آصف اور کافی اٹھا۔"

کھاچا جا...! انپکٹر آصف جلدی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "میرے سماں تھے آؤ۔ باہر... انور اپنی میز پر بیٹھنے والہ اٹھا کہ ایڈیٹر کے کرے میں ٹلبی ہوئی۔"

آصف نے انور کو گھوڑا شروع کر دیا لیکن انور اُس کی طرف دیکھے بغیر ایڈیٹر کی طرف متوجہ

ہے۔ انپکٹر صاحب تمہیں یاد کر رہے تھے۔" ایڈیٹر نے کہا۔

"تو ہر وقت مجھے یاد کیا کرتے ہیں.... مجبت بہت بُری چور ہے۔" انور مسکراتا ہوا ایک

کم بار بولا۔

"تم کل رات کو کہاں تھے؟" آصف نے کڑک کر پوچھا۔

"شہزادہ باڈوالی کے ساتھ لوڈوکھیل رہا تھا۔" انور نے بے پرواہی سے کہا اور ایک کر سی پر

پہنچ کی بھنویں تن گئیں اور ایڈیٹر مسکرانے لگا۔

"زمیں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" آصف نے بیزاری سے کہا۔

"تو میں کب تمہیں مذاق پر مجبور کر رہا ہوں۔"

کل تم شہر میں ارشاد کے متعلق چھان بیٹیں کیوں کرتے پھر رہے تھے۔ آصف نے پوچھا۔

"میرا راہوہ تھا کہ اُس کی ایک شادی اور کرادوں۔" انور نے سمجھ دی گئی سے کہا۔

"وکھوگر تم سید می طرح بات نہیں کرو گے تو مجبور انجھے تمہیں حرast میں لیما پڑے گا۔"

"پار بھی اس دھمکی کو عملی جامد تو پہننا کر دکھاؤ۔" انور مسکرا کر بولا۔

"اس بار بھی ہو گا۔"

"لیکن کس جرم میں؟"

"لیں تم پر شبہ کر رہا ہوں۔"

"کی بات کا....؟"

"کردار کے قتل کا۔"

"ولی وجہ....؟"

"سب سے بُری وجہ تو یہی ہے کہ مزما ارشاد اور تم....!"

"مل کجھ گیا۔" انور آصف کی بات کاٹ کر جلدی سے بولا۔ "ایک دوسرا وجہ اور ہے کہ

کہمگر کے ایک جوئے خانے سے مجھے دوسرو پیسے یومیہ ملتے ہیں... اور میں۔"

"اچا جا...!" انپکٹر آصف جلدی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "میرے سماں تھے آؤ۔ باہر..."

مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔“

”کل رات کو رشیدہ بار بار دولت گنج کے چکر کیوں لگا رہی تھی؟“

”یہ امی سے پوچھ لیا ہوتا۔ بہت سعادت مند لڑکی ہے۔ فوراً بتا دیتی ہے۔“

”سعادت مند....!“ آصف ہونٹ بھینچ کر آہستہ سے بولا اور چند لمحے خاموش رہ کر کہنے لگاں بار تمہارا پچھا مشکل ہے۔“

”ہے....!“ انور چونک کر بولا۔ ”یہ تم نے کیسے کہا۔ کیا میں کچھ یہاں معلوم ہو رہا ہوں؟“

”رشیدہ کو بولا۔“ آصف میز پر گھونسہ مارتا ہوا بولا۔

”تمہارے باپ کی توکر نہیں ہے۔“ انور آصف کو گھور کر بولا۔ ”اُس سے اگر تم ذرہ برادر لئے اتنے ثبوت اور ایسے مہرز گواہ ہیں کہ تمہارا پار سل بیر گ ہو سکتا ہے۔“

پہلی تو آصف کا چھوڑ غصے سے سرخ ہو گیا لیکن پھر آہستہ اہستہ اُس نے اپنی حالت پر قابو

”میں تمہیں جو اطلاعِ دول گا اُس کی قیمت صرف سورپے ہے۔“ انور بولا۔ ”اور یہ بولا جانتا تھا کہ انور ضدی آدمی ہے اور پھر بلا کا ذہین، وہ اُسے دھمکیاں تو ضرور دیتا رہتا تھا میر احسان ہو گا۔“

”مجھے منظور ہے۔“ آصف منہ پھلا کر بولا۔ ”یکن یہ سورپے تم آسانی سے ہضم نہ کر سکو گے۔“ لاماس نقصان نہ پہنچے گا لیکن اگر وہ شرارت پر آمادہ ہو گیا تو شہر کے درجنوں پولیس افسروں کی ”نکر مت کرو۔ میرے پاس ہاصے کے کمی چوری ہیں۔“

”تو تم نے رشیدہ سے شادی کر لی ہے؟“ آصف جھپٹی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”ٹالدی تو میرے باپ کی بھی نہیں ہوئی تھی۔“ انور سبیر گی سے بولا۔

”تم جیسا حرام زلاہ بھی آج تک میری نظریوں سے نہیں گزر۔“ آصف بے ساختہ ہنس کر بولا۔

”مگر خالی خوبی رعب جانے اور گالیاں دینے سے دوستانہ بے تکلفی پیدا نہیں ہوا کرتی۔“

”بس بس شکر یہ۔“ آصف تھفا آمیز لمحے میں بولا۔

انور نے اُسے ارشاد کیا اور داشت کھو جانے کا اور ساجدہ کے طالب، امداد ہونے کا اقدام درجہ بندی سے مکار خال۔“ انور نے آصف کو گھورتے ہوئے کہا۔

”لیکن اُنہوں نے اپنی آنکھوں کو سیکھتے ہوئے بولا۔“ ”تم نے آج تک کوئی کام لیا۔“

”کیونکہ آج میں کام کی بات ہی بتانے آیا ہوں تمہیں۔“ آصف انور کا جملہ کاشتہ ہوئے کہنے

”تو ایسے بات کرو تو پایارے۔“ انور آصف کے پیچھے ایڈیٹر کے کمرے سے نکلا ہوا بولا۔

”ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ تم کل ہائی سرکل کلب میں ارشاد کے متعلق کیوں پوچھ گئے کہ رہے ہیں؟“ ”میں بتا تو دوں لیکن آج کل میری جیب خالی ہے تم کریم گھر کے جوئے خانے سے۔“

”روپیہ روز کماتے ہو اور مجھے جیسے مفلسِ ذہن سے کیلئے تمہاری جیب سے ایک پانی بھی نہیں ملے۔“ ”دیکھو تم مجھے اس لمحہ دونسی میں نہیں لے سکتے۔“ آصف نے جھلا کر کہا۔

”میرے پیارے۔“ انور شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”میرے پاس اس لئے اتنے ثبوت اور ایسے مہرز گواہ ہیں کہ تمہارا پار سل بیر گ ہو سکتا ہے۔“

”آخر تم چاہتے کیا ہو؟“ آصف زن ہو کر بولا۔

”میں تمہیں جو اطلاعِ دول گا اُس کی قیمت صرف سورپے ہے۔“ ”اور بولا۔“ اور یہ بولا جانتا تھا کہ انور ضدی آدمی ہے اور پھر بلا کا ذہین، وہ اُسے دھمکیاں تو ضرور دیتا رہتا تھا میر احسان ہو گا۔“

”مجھے منظور ہے۔“ آصف منہ پھلا کر بولا۔ ”یکن یہ سورپے تم آسانی سے ہضم نہ کر سکو گے۔“ لاماس نقصان نہ پہنچے گا لیکن اگر وہ شرارت پر آمادہ ہو گیا تو شہر کے درجنوں پولیس افسروں کی ”نکر مت کرو۔ میرے پاس ہاصے کے کمی چوری ہیں۔“

آصف نے جیب سے پرس کھال کر دس دس روپے کے دس نوٹ گن دیے۔

”ہوں اب آؤ۔“ انور اُس کا بازو پکڑ کر ایک طرف لے جاتا ہوا بولا۔ ”تمہارے لئے پانی ملنگا اور میں یا کافی؟“

”بس بس شکر یہ۔“ آصف تھفا آمیز لمحے میں بولا۔

انور نے اُسے ارشاد کیا اور داشت کھو جانے کا اور ساجدہ کے طالب، امداد ہونے کا اقدام درجہ بندی سے مکار خال۔“ انور نے آصف کو گھورتے ہوئے کہا۔

”یہ تو مجھے ساجدہ ہی سے معلوم ہو چکا ہے۔“ آصف نے کہا۔ ”میں نے اس کے لئے ”ٹھڑکتا اور باقی بنانا تو کوئی تم سے سکھے۔“ آصف کہنے لگا۔ ”تم تو اچھے خاصے ایکثر بن لیا۔“

”لیکن اُنہوں نے اپنی آنکھوں کو سیکھتے ہوئے بولا۔“ ”آصف تیز لمحے میں کچھ کہتے رکھی گیا۔“ ”میں چیز بولنے والوں کی قدر کرتا ہوں۔“ انور طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔

لگا۔ ”مگر تم اپنے متعلق ضرورت سے زیادہ خوش نہیں میں بتا ہو۔“  
”کیا مطلب...؟“ انور یا کیا سنجیدہ ہو گیا۔

”مطلوب صاف ہے کہ تمہاری پوزیشن اس وقت منکوک ہو جکی ہے اور تمہارے انہی متعلق معلومات حاصل کی جا رہی ہیں کہ تمہاری چرب زبانی اور لاف زندگی کی دم جائے گی۔ ساجدہ سے تمہاری واپسی اور دل چھوٹی بھر حال اس شہر کو اور مضبوط ہائے سکنی خیال ہے تمہارا۔“ یہ کہہ کر آصف فاتحانہ اور بزرگانہ انداز میں انور کو گھورنے لگا۔

لیکن انور کی فطری شوخی اُس کی آنکھوں میں پھر عود کر آئی اور وہ اپنے مخصوص انداز کہنے لگا۔ وادا کیا دوڑ کی کوڑی لائے ہو۔ میرا خیال پوچھتے ہو تو شاید یہ معلوم کر کے بھی د کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کہ مجھے ساجدہ سے کوئی ہمدردی نہیں۔ وہ ایک مفرور عورت ہے، مجھ سے بہت زیادہ بے تکلف ہے، لیکن ایک دوست سے زیادہ اُس کی ذات سے خاصی دلچسپی چاہئے۔ کیونکہ تمہارے خیال کے مطابق اُس سے میری دلچسپی اور معلومات کے لئے دلوں کے اس قدر چکر لگائے.... ہے نا۔... نبھے صرف زبیدہ ناہی اُس عورت سے ہمدردی ارشاد کے بعد رضوان ناہی ایک پسر اسرا اکڈا کے اشادروں پر تحیل رہی ہے۔ کو کیا یہ سب! مجھے ارشاد کے قتل کے سلسلہ میں منکوک بنانے کے لئے پکھ کم ہیں۔ مگر تم کیا سمجھو سب باتوں کو...!“

آصف تقریباً مہوت سا ہو کر انور کی یہ باتیں سننا رہا۔ پھر جیسے کی خیال سے چلتے ہو ایک دم بول انہل۔ ”نہیں یہ سب غلط ہے ایک دم غلط..... عین ممکن ہے کہ رشیدہ بھی ال اسرار سازش کا ایک مہرہ ہو۔ شاہد نے آج صبح ٹیلی فون پر مجھے سب پکھ بتا دیا ہے۔“

”ٹیلی فون پر.... آج صبح؟“ انور حیرت زده ہوتے ہوئے زیر لب بڑا بڑا اور پھر کچھ سدا بولا۔ ”کتنے بجے ٹیلی فون کیا تھا اس نے؟“  
”دس بجے۔“

یہ سن کر انور کی گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر چند سینٹ کے بعد چوتھے ہوئے بولا۔ ”تعجب ہے کہ اُس نے کل رات ہی کو تمہیں اپنے شہر سے کیوں نہیں مطلع کیا۔“ آنا بجے تک کیا سوچتا رہا۔“

”مُانی یہ چیز قابل غور ہے۔“ آصف نے کہا۔ ”چھامیں اُس سے ملنے کی کوشش کروں گا۔“  
”مُانی اب تم اُس کی گرد کو بھی نہ پاسکو۔“

”بھیوں؟“

”مگر ایسا ہو تا تو وہ فون کرنے کے بجائے خود تم سے ملتا۔“ انور نے کہا۔  
”ہرے چھوڑو بھی ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ اُس کے باپ تک کو قبر سے نکال لاوں گا۔“  
”خنف نے فخر یہ انداز میں کہا۔

”کن گھوٹی کے علاوہ اور تم لوگوں کو آتا ہی کیا ہے۔“ انور نے برا سامنہ بنا کر کہا۔  
”خیر... خیر... میں تم سے پھر ملوں گا۔“ آصف نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔  
”سور دپوں کا اور انتظام کر کے آتا۔“ انور نے کہا۔

آصف جا چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد رشیدہ اٹھ کر انور کے پاس آئی۔  
”کیا پوچھ رہا تھا؟“ رشیدہ نے کہا۔

”کہہ رہا تھا کہ تم رشیدہ سے شادی کیوں نہیں کر لیتے۔“

”پھر تم نے کیا کہا۔...؟“ رشیدہ نے دلچسپی کا ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

”میں نے کہانی الحال مالی مشکلات میں بتا ہوں۔ شادی کا انتظام کہاں سے کروں گا۔ اس پر وہ دروپے مجھے دے گیا ہے۔ لوانیں اپنے پاس رکھو۔“ انور نے کہا اور نوٹ رشیدہ کو دے دیئے۔

”ٹھیک ہتاو۔... یہ روپے تمہارے پاس کہاں سے آئے؟“

”چور کی گرد کاٹ لی۔“ انور مسکر لیا۔

”لیعنی....؟“

”آخر اُس کی حرام کی کمائی میں میرا بھی توحہ لگنا چاہئے۔“

”اوہ....!“ رشیدہ مسکر اکبر بولی۔ ”کہیں یہ لوگ تمہیں قتل نہ کر دیں۔“

”تمہیں اس سے کیا؟“ انور نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”چھامیں اب جا رہا ہوں۔ واپسی پر میرے لئے کمریت کا ذرا بہ اور دو ایک سکتائیں خرید لیں۔“

”کہاں جا رہے ہو۔ میں بھی چلوں گی۔“

”ذرا تلاکر کہا ہوتا۔“ انور فخر یہ انداز میں بولا۔ ”گودی میں چلو گی یا انگلی کپڑ کر پاؤں

رشیدہ حسین پنچھی اور انور اُسے گھورتا ہوا بہر چلا گیا۔ وہ آہستہ آہستہ ٹھلتا ہوا شاہد کے دفتر کی طرف جا رہا تھا۔ آفس میں پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ وہ کل بارہ بجے کے بعد سے آفس نیس آیا اور اُس کے گھر کا پتہ معلوم کیا اور وہاں پہنچا۔ گھر میں اُس کی بیوی اور بیوی کی ماں موجود تھیں۔ انہیں تباہ کی شاہد کل آفس گیا تھا لیکن اس کے بعد سے گھر نہیں آیا۔

"اور آپ لوگوں کو اس سے پریشانی نہیں ہوئی؟" انور نے اُس کی بیوی سے پوچھا۔ "غالباً وہ کسی کار و باری ضرورت سے شہر سے باہر چلے گئے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس اطلاع چلے گئے ہیں۔ اس نے ہمیں کوئی خاص پریشانی نہیں ہے۔"

وہاں سے واپسی پر انور اس واقعے کے متعلق ایک بالکل ہی نئے زاویے سے سوچ رہا تھا۔

## کچھ نئی باتیں

سات نج گئے تھے انور جلدی سے گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ اُسے بہت کچھ سوچنا تھا۔ بالکل ہی اُس راستے پر۔ شاہد کے عجیب و غریب روایے نے اُس کے ذہن کو بُری طرح الجہادیا تھا۔ آخر دو ماں کیوں ہو گیا۔ دو بجے رات کو اُس کے گھر آکر رشیدہ کو دھمکیاں دینے کا کیا مطلب تھا۔ اُس انپکٹ آصف سے فون پر کیوں گفتگو کی۔ بذات خود کیوں نہیں ملا۔ انور اُنہیں خیالات میں ڈوبایا۔ بازار سے گزر رہا تھا کہ اُسے رشیدہ ایک بک شال سے کتابیں خریدتی ہوئی دکھائی دی۔ اور کب الاغب صورت۔

شال کے زینوں پر چڑھنے لگا۔ بھی وہ دروازے ہی میں تھا کہ ایک بر قعہ پوش عورت تھا۔ "آجھا...!" انور زہری لیے انداز میں بولا۔ "اسی لئے تم میرے چیچے لگ گئی ہو۔ تم نے ایک کچھ کتابیں دبائے ہوئے اندر سے نکل کر فٹ پاٹھ پر اتر گئی۔ انور پلٹ پڑا۔ اُس کی نظریں اپنے بیوی کی کمات کر دیا۔ دیکھو ہم دونوں صرف دوست ہیں اور بس...!"

عورت کے بیروں پر تھیں۔ وہ اُس کے سینٹل دیکھ کر جوک پڑا۔ اندر سے رشیدہ نے اُسے دی لیکن وہ اُس کی پرواہ کے بغیر زینوں سے اتر کر بر قعہ پوش عورت کے پیچے پیچھے چلے لگا۔ "اگر اسی نظر آرہی تھی۔ اُس نے دو ایک بار پلٹ کر انور کی طرف دیکھا اور تیر تختندہ اٹھاتی ہوئی ایک طرف چلے گئی۔ انور اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اُس نے پھر پلٹ کر دیکھا اور اُسرا

بُری ہیچھے دیکھ کر رفتار تیز کر دی اور پھر اپاٹک وہ سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی ایک ہزار دوازہ کھول کر قریب قریب اُس کے اندر گر ہی پڑی۔ اُس نے کچھ کہا۔ ... انھیں میں ہلکی آندر پیدا ہوئی اور ٹیکسی چل پڑی۔ اُس سے کچھ فاصلے پر ایک ٹیکسی اور کھڑی ہوئی تھی۔ انور نے اُس کی طرف بڑھا۔

ٹیکسی کے پیچھے چلو۔" اُنور ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا بولا۔ وہ دروازہ بند کرنے ہی جا رہا تھا کہ بُری ہیچھے ہی پڑی۔

"یا ہے... کیا ہے؟" انور جلا کر بولा۔

"کچھ نہیں...!" رشیدہ سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کرتی ہوئی پر اطمینان لجھ میں بولی۔

انور بیزاری سے سامنے دیکھا رہا۔ اُس کے ہونٹ کے گوشے ٹھوڑی کی طرف جمک گئے اور بیزاری سے نیاز انداز میں بیٹھی تھی جیسے انور سے اُس کی جان پچھاں ہیجنہ ہو۔

"آخر تم بعض اوقات اتنی احمق کیوں ہو جاتی ہو؟" انور نے کہا۔

"اُن ٹیکسی میں کون ہے؟" رشیدہ ہونٹ بھیخ کر بولی۔

"میری نانی۔"

"تو وہ میری کون ہوئی؟" رشیدہ نے بھولے پن کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ انور اُسے تیز کیوں ہو گیا۔ دو بجے رات کو اُس کے گھر آکر رشیدہ کو دھمکیاں دینے کا کیا مطلب تھا۔ اُس انپکٹ آصف سے فون پر کیوں گفتگو کی۔ بذات خود کیوں نہیں ملا۔ انور اُنہیں خیالات میں ڈوبایا۔

بازار سے گزر رہا تھا کہ اُسے رشیدہ ایک بک شال سے کتابیں خریدتی ہوئی دکھائی دی۔ اور کب الاغب صورت۔

انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی نگاہیں بدستور سامنے والی ٹیکسی پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ کم کیسے پولی ہو مل کے سامنے رک گئی۔ بر قعہ پوش لڑکی اتر کر اندر چل گئی۔ انور نے بھی ٹیکسی رکاں اور جمپا ہوا اُس کے تعاقب میں آگے بڑھا۔ رشیدہ اُس کے پیچھے تھی۔ لڑکی کو ریڈ دری

میں تھی کہ انور نے اُسے جایا۔  
”زبیدہ۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ لڑکی سہم کر رک گئی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا اور چہرے  
نقاب المثلث دی۔

”کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟“

”اپنے کمرے میں چلو۔“ انور تکمانہ لجھ میں بولا۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور سلیل سے کنجی اتار کر دروازہ کھولا اُس کے پیچھے انور اور  
بھی کمرے میں داخل ہوئے۔ لڑکی نے سوچ آن کر کے دروازہ مند کر دیا اور خوفزدہ نظر  
آن کی طرف دیکھنے لگی۔

”یہاں تمہیں اس ہوتی میں رضوان نے منتقل کیا ہے۔“ انور نے پوچھا۔

”نہیں.... میں خود چلی آئی ہوں۔“

”کیوں....؟“

”نہیں بتاؤں گی۔ تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے؟“

”بے وقوف لڑکی.... ابھی پولیس تم سے واقعہ نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس  
خیا یہ معاملہ ختم ہو جائے، مجھے تم سے ہمدردی ہے۔“

”مجھے ہمدردی سے نفرت ہو گئی ہے۔“ زبیدہ جھلا کر بولی۔

”ضدا چھپی نہیں ہوتی۔“ انور نے کہا۔ ”رضوان کو تار جام کی پولیس نے حرast میں  
لے آرہے تھے۔“

”لے لیا ہو گا۔ مجھے کسی بات سے ولچپی نہیں رہ گئی۔“

”شاہد کو جانتی ہو؟“ انور نے پوچھا۔

”شاہد کو.... کون شاہد....؟ اوہ کل....!“ وہ کچھ اور کہنا پا ہتی تھی کہ دفتار کا  
دروازے کو دھکا دیا اور ایک کاغذ کا پر زدہ دروازے سے اندر آگا۔ انور نے چھٹ کر کافی  
جس پر لکھا تھا۔

”خبردار ایک لحظہ بھی منہ سے نکلنے نہ پائے۔“

وہ جلدی میں اس عکسے کو وہیں پھینک کر باہر نکل گیا۔ کوریڈور سنپان پر اتھا۔ ”جنگل۔“

ہر کان دیہیک چھان میں کرتا ہاگر کوئی سراغ نہ مل سکا۔ آخر تھک ہار کر وہ پھر زبیدہ کے  
ہمیں لوٹ آیا۔ یہاں زبیدہ ایک کرسی پر آنکھیں چھاڑے بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔  
لئے تھر آمیز نظروں سے گھور رہی تھی۔

”کون تھا....؟“ انور نے تند لبجھ میں پوچھا۔ زبیدہ چوک کر اُسے خوفزدہ نظروں سے  
گھاٹا۔

”میں نہیں جانتی۔“ اُس نے تیز سرگوشی میں کہا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ خواب میں بول رہی ہو۔

”غیر.... خیر.... اگر تم نہیں بتاتا چاہتیں تو میں نہیں پوچھوں گا۔“ انور نے کہا۔

”میں کماز کم یہ تو بتاتی دو کہ تم یہاں کیوں چلی آئیں؟“

”میں پھر بتاؤں گی.... اس وقت میرا دماغ ٹھیک نہیں۔“

”اور تم یہاں خطرے میں بھی ہو۔“ انور نے کہا۔

”میں؟“ زبیدہ چوک کر بولی۔

”تم مجھ سی بہتر نجھ سکتی ہو۔“ انور نے کہا۔ زبیدہ بے بھی سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

”تمہارا یہاں سے ہٹ جانا بہتر ہے چلو میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دوں۔“ انور نے کہا۔

”پلو....!“ زبیدہ اٹھتی ہوئی بولی۔ ”لیکن میں تمہیں کچھ نہ بتاؤں گی چاہے میری کھال  
.... چاہے پھانسی پر چڑھا دو۔“

”تم کچھ نہیں پوچھوں گا۔“ انور نے سنجیدگی سے کہا۔ نہ جانے کیوں اُس کی آنکھوں میں  
لئے آرہے تھے۔

انہوں نے اُسے تھر آمیز انداز میں دیکھا۔ انور منہ پھیر کر اپنی حالت پر قابو پانے کی کوشش  
کا لائل۔

خوارزی دیر بعد وہ خاموشی سے نکلے اور ایک تھیکی کر کے ایک طرف روانہ ہو گئے۔

انہوں نے اس کا انتظام ایک چھوٹے سے غیر معروف ہوتی میں کر دیا اور گھر لوٹ آیا۔ رشیدہ

”انہوں نے کچھ بولی نہیں۔ انور کا ذہن خیالات میں الجھا ہوا تھا۔

آگئا غافل تو قع تم بہت زیادہ انسان نظر آرہے ہو۔“ رشیدہ نے کہا۔

”اوہ مرزا اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔“

”جی تاؤ کیا تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں چکل آئے تھے؟“ رشیدہ مسکرا کر بولے  
”تو پھر.... مجھے اُس سے ہمدردی ہے، پہلے وہ اپنے ظالم چاچا کے ہاتھوں پریشان رہ  
اُسے دو آوارہ آدمی نکال لائے اور اب وہ ایک قائل اور سازشی کے ہاتھوں کٹھاں بن رہا  
ہے۔ انسان کتنا مجبور ہے۔ ایک عظیم تاریکی میں رینگتا ہوا یہ حقیر کیڑا اس طرح دوسروں  
ہے اور دوسرے اس کے پابند ہیں۔ نہ جانے کب یہ بے بی ختم ہو گی اور یہ تاریکی دوسرے کی  
”واقعی تم اس وقت فلکیوں جیسی باشی کر رہے ہو۔“ رشیدہ مسکرا کر بولی۔

”آخر تمہیں ساجدہ سے کیوں ہمدردی نہیں۔ وہ بے چاری بھی تو یہ ہو گئی؟“  
”اُسکے پاس اتنے قسمی زیورات ہیں کہ وہ زندگی بھر کسی کی محتاج نہیں ہو سکتی۔“ انور نے  
”تو نہہ ہو گا۔“ رشیدہ منہ بنا کر بولی۔ ”مگر تم میرے لئے ہمیشہ وحشی اور درمنے بہر رہو گا  
اور نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اُس کاغذ کے پر زے کو میز پر  
”تم بھی آزاد ہو۔ کسی کی پابند نہیں۔ تمہاری قسمت کسی دوسرے سے وابستہ نہیں  
اور نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ وفتحاڑہ چونکہ پڑا  
”بڑی غلطی ہوئی۔“ وہ ہاتھ مٹا ہوا بولا۔

”میا ہوا...؟“

”میں وہ کاغذ کا پر زدہ وہیں چھوڑ آیا۔“

”بڑے عقل مند بنے تھے۔“ رشیدہ تھقہہ لگا کر بولی۔  
انور اُسے غصہ بھری نظرؤں سے گھورنے لگا۔

”تو میلے... گذے میاں.... لوٹے نہیں۔“ رشیدہ منہ بنا کر حتالی ہوئی بولی اور جیسا  
کاغذ کا ٹکڑا نکال کر انور کے سر پر رکھ دیا۔

انور نے اُسے جیب میں رکھ لیا اور اٹھ کر ٹھیٹھ لے گا۔

”اُف فوہ.... نوئی گئے اور ہم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔“ رشیدہ نے کہا  
”میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔“

”گیوں؟“

”سیری خوشی۔“

”تمہیں کھانا پڑے گا۔“

”ہوبا... جاؤ بیہاں سے، مجھے سوچنے دو۔“  
”نہیں سوچنے دوں گی۔“ رشیدہ نے کہا اور اُس کی نائی پکڑ کر اُسے اٹھا دیا۔  
”تمہیں نے تمہیں کئی بار سمجھایا۔“ انور چڑھ کر بولا۔  
”میک بار اور سمجھا دو۔“  
اُنر نے رشیدہ کے گھومنگریا لے بال اپنی مٹھی میں جھکڑ کر دو تین جھکٹے لگادیے۔ رشیدہ کی ہلکی  
لہیں لکل لکیں۔ وہ ب سور پسور کر انور کو گھوڑتی رہی اور انور میز پر سر اونڈھا کر کے بیٹھ گیا۔  
”میں کھانا کھانے چاہی ہوں۔ اس کے بعد فلم دیکھنے جاؤں گی۔“ ناتام نے .... کہنے ...  
”آختر تمہیں ساجدہ سے کیوں ہمدردی نہیں۔ وہ بے چاری بھی تو یہ ہو گئی؟“  
”اُسکے پاس اتنے قسمی زیورات ہیں کہ وہ زندگی بھر کسی کی محتاج نہیں ہو سکتی۔“ انور نے  
”تو نہہ ہو گا۔“ رشیدہ منہ بنا کر بولی۔ ”مگر تم میرے لئے ہمیشہ وحشی اور درمنے بہر رہو گا  
اور نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اُس کاغذ کے پر زے کو میز پر  
”تم بھی آزاد ہو۔ کسی کی پابند نہیں۔ تمہاری قسمت کسی دوسرے سے وابستہ نہیں  
اور کر دروازہ کھول دیا۔ انپکڑ آصف اندر داخل ہوا۔ وہ آتے ہی نہایت بے تکلفی سے آرام  
رہی میں گر گیا۔  
”بھی چاہے بلاؤ۔“ آصف اپنی نائی کی گردھ ڈھیلی کرتے ہوئے بولا۔

”چھا... کیا یہ کوئی ہو ٹھل ہے... یا...!“

”تمہاری گلبری کہاں گئی... کیا وہ اس وقت اتنا بھی نہ کر سکے گی؟“

”تو یا تم اسی طرح اپنے سوروپے وصول کرو گے؟“ انور نے کہا۔ ”اچھا کل سے کھانا بھی  
مرے ساتھ ہی کھانا۔“

”یاد تم ہیشہ اوٹ پنگ ہاٹکتے رہتے ہو۔“

”اچھا ب تھاہری شان میں قصیدے پڑھا کر دیں گا۔“

”معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔“ آصف جھپٹی ہوئی ہنی کے ساتھ بولا۔  
”یہ حقیقت ہے۔“ انور سمجھی گی سے بولا۔ ”رشیدہ تو جھکڑ کر فلم دیکھنے چلی گئی ہے اور روپے  
ایک کے پاس ہیں۔“

”تو ہر اب تم کیا کرو گے؟“

”پاڑ بھر ٹھکر چاک کر ایک گلاں ٹھنڈا پانی پی لوں گا۔ اس سے رات کو خاصی اچھی نیند آتی ہے۔“

”چے چے....!“ آصف متساقنہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ”تم نے اپنی زندگی بر بار کرا  
اکثر افسوس کرتا ہوں۔ اتنا ذین اور قابل آدمی ایسی دایمیات زندگی بسر کر رہا ہے۔“  
”شکریہ.... شکریہ۔ ایسی باتیں کسی دسویں درج کے طالب علم کے لئے انمار کھو۔“  
”اچھا اچھا اٹھو چلو.... میں نے بھی ابھی کھانا نہیں کھایا۔“ آصف نے اٹھنے کا رالہ  
کرتے ہوئے کہا۔  
”نہیں شکریہ۔“ انور نے بے رخی سے کہا۔ ”تم جس کام کے لئے آئے ہو کہہ چلو۔“  
”میں ایک دلچسپ خبر لایا ہوں۔“  
”وہ یقیناً غیر دلچسپ ہو گی۔“

”خیر ہو گا۔“ آصف جلدی سے بولا۔ ”اُس ہیرے کی کان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے  
”فراد.... چار سو میک...!“ انور سگریٹ سلاگا تاہو بولا۔  
”آج میں نے یہیں تین ایسے آدمیوں کا پتہ لگایا جو اُس کان میں انہار و پیہ لگائے ہوئے  
اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ارشاد انہیں کچھ تھوڑا بہت منافع بھی دے چکا تھا  
یہ بات تو جانتے ہی ہو کہ جو تھوڑے بہت ذرات اس کان سے نکلتے ان کی ایمت ہی کیا ہوئی  
ہے پھر یہ منافع کہاں سے آئے گا۔ اور پھر سیٹھ اٹھر کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ اُس کان  
صرف تین حصے دار تھے۔ ارشاد، دھارا سنگھ اور وہ خود۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ارشاد ان سب  
روپیے ہضم کرتا رہا۔“

”میرے لئے یہ اطلاع بہت پرانی ہو چکی ہے۔“ انور خنک لبجھ میں بولا۔  
”خیر خیر....!“ آصف جھپٹی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ”وہ سری اطلاع پر تم یقیناً چھل پڑو گے۔  
”اچھلنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ خیر بیان کرو۔“

آصف نے جیب سے ایک ناچ کیا ہوا کاغذ نکال کر انور کی طرف بڑھایا۔ انور اسے لے کر  
پڑھنے لگا۔ اگر یہ خط ارشاد کے ہاتھ ہی نہیں لگا ورنہ اُس کی انگلیوں کے نشانات اس  
کا فخر ہوتے اور یہ کاغذ اس قسم کا ہے کہ اس پر بلکل سی گرفت بھی خاصے اچھے نشانات چھوڑ  
لئے ہیں۔ اگر یہ خط ارشاد کے ہاتھ نہیں لگا تو اس کا یہ مطلب کہ وہ اُس کے گھر ہی کے پتے پر آیا جو  
لگنا نکلنے ہے۔ ایک ایسا خط جس میں اس قسم کے تعلقات کا اعتراف ہو، اتنی لاپرواٹی سے نہیں  
لگتا جا سکتا۔ اچھا ایک دوسری بات... اور اگر یہ خط ارشاد کے ہاتھوں تک نہیں پہنچا تو وہ  
ہر کام کے مطابق تاریخ میں کیسے پہنچ گیا۔ اور دھارا سنگھ وغیرہ سے نہیں ہزار کا تقاضا کیا۔“

آصف خاموش ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر بیزاری کے آثار بھیل گئے تھے۔ وہ تو یہ سمجھ کر آئے۔

”تم معاملہ ہی ایسا لاتے ہو جو خواہ مخواہ الجھ جاتا ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔ غایباً تم ناکر آج انور اُس کی عظمت کا ضرور قائل ہو جائے گا۔ مگر اُس نے تو بساطِ الہدی رائے قائم کی ہے کہ ارشاد اور شاہد کی بیوی کے جنی تعلقات تھے، ارشاد نے اُس سے نہیں۔

”تاریخ کی کوئی تین اطلاع؟“ انور نے پوچھا۔

”رسوان اب واپس آگئا ہے، وہاں کی پولیس اُس سے مطمئن ہو گئی ہے، اب یہ طبر کے تعلقات کا علم ہو گیا اور دھارا سنگھ لواس بناء پر قتل کیا گیا کہ اُسے خود کشی میں شہید ہی نہیں راست میں ہے اور کچھ تجھب نہیں کہ تمہاری طرف بھی حملہ ہو، وہاں پولیس نے تمہرے اور بلکہ اُس نے کچھ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا تھا۔“

”قطی.....!“ آصف خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ ”میں نے بھی رائے قائم کی ہے۔“ ”تواب تم اس خیال کو دل سے نکال دو۔ ورنہ بچوں کی تفریح کے لئے کسی عجائب خانے بیلی بول رہے ہوں گے۔“ انور نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں آں.....!“

”اور اُس عورت کا کیا ہوا؟ جس کے متعلق وہاں کی پولیس رسوان سے معلومات حاصل کرنا پڑا تھی؟“ انور نے پوچھا۔

”اس پر کچھ زیادہ زور نہیں دیا گیا اور یہ چیز کچھ ایسی بھی نہیں معلوم ہوتی۔“ آصف نے کہا۔

”رسوان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“ انور نے پوچھا۔

”پہلے ضرور مشتبہ تھا مگر اب اس خط کی موجودگی میں“ آصف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”اس خط کی موجودگی میں تم شاہد اور اُس کی بیوی کو چھانی پر چڑھا دو گے؟“ انور بیزاری سے بولا۔

”آخر تم شاہد کے حق میں کیوں بول رہا ہوں۔ بلکہ اُس معاملے پر ہر پہلو سے غور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

”تم اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہو؟“ آصف نے کہا۔

”یقیناً.....!“

”کیوں.....?“

”یہ بھی کوئی سوچنے کی بات ہے۔ میرا پیشہ بھی ہے۔ میں یہاں کے جرام میں دلچسپی نہ لوں

”یا مر تم ہمیشہ معاملے کو الجھاد ہیتے ہو۔“ آصف منہ سکوڑ کر بولا۔

”تم معاملہ ہی ایسا لاتے ہو جو خواہ مخواہ الجھ جاتا ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔ غایباً تم ناکر آج انور اُس کی عظمت کا ضرور قائل ہو جائے گا۔ مگر اُس نے تو بساطِ الہدی راوے پر قرض لئے جو اُس نے اپنے شوہر سے حمپا کر ارشاد کو دیتے تھے۔ اس دوران میں شاہد روس کے تعلقات کا علم ہو گیا اور دھارا سنگھ لواس بناء پر قتل کیا گیا کہ اُسے خود کشی میں شہید ہی نہیں رہا۔ بلکہ اُس نے کچھ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا تھا۔“

”قطی.....!“ آصف خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ ”میں نے بھی رائے قائم کی ہے۔“

”تواب تم اس خیال کو دل سے نکال دو۔ ورنہ بچوں کی تفریح کے لئے کسی عجائب خانے بیلی بول رہے ہوں گے۔“ انور نے سنجیدگی سے کہا۔

”رکھ دیئے جاؤ گے۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”لیکن یہ خط.....؟“ آصف جھجنگلا کر بولا۔

”کوئی ان بے چاروں کو خواہ مخواہ پھنسانا چاہتا ہے۔“ انور نے کہا۔ ”ایک سادے کاغذ پر اس اتفاق سے میری انگلیوں کے نشانات پڑ جائیں تو تم اسے حاصل کر کے میری طرف سے اڑا کر اس کے وزیر اعظم رزم آرا کے قتل کا اقرار نامہ ثابت کر ڈالو تو کیا میں محض اس بناء پر رزم کا قائل قرار دیا جاؤں گا کہ اس کاغذ پر میری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔ عقل کے نام میاں اسکیز مگر اللہ نے تمہیں ناخن دیتے ہی نہیں۔“

آصف جھینپ کر انی گنجی کھوپڑی پر باٹھ پھیرنے لگا۔

”اوہ نہ ہو گا.....!“ آصف اکتائے ہوئے لجھے میں بولا۔ ”میں شاہد کی بیوی کا دارا گرفتاری نکلوا رہا ہوں۔“

”شوہق سے، لیکن تمہیں صرف مایوسی ہو گی۔“

”تو پھر شاہد غائب کیوں ہو گیا؟“ آصف نے کہا۔

”ہو سکتا ہے کہ کسی کام کے لئے باہر چلا گیا ہو۔ وہ اکثر اسی طرح گھر میں اطلاع دیجے باہر چلا جاتا ہے۔“

”یہ بات کسی طرح طاقت سے نہیں اترتی۔“ آصف بولا۔

”تو ایک گلاس خندن اپنی پی کر آرام سے سور ہو۔“

گا تو کیا اس کے لئے مہاتما بدھ دوبارہ پیدا ہوں گے؟“

”تم اپنائی عیار آدمی ہو۔ میں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں۔“

”کیوں....؟“ انور نے کہا۔

”تمہارے اور ساجدہ کے گذشتہ تعلقات....!“ آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اور گلوپر کیوں؟ ممکن ہے اب بھی قائم ہوں؟“

”بہت ممکن ہے۔“ اور اُسکی آنکھوں میں دیکھ کر شرارۃ آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”تمہاری تہہ سک پہنچا بہت مشکل ہے۔“ آصف نے کہا۔

”یقیناً مشکل ہے۔“ انور نے کہا۔ ”مگر تم تہہ سک پہنچنے کی کوشش سے باز نہیں آتے جب لالے کوپانی سے دھکیلتے ہوئے کہا۔

بھی یہاں کوئی خاص قسم کا کیس ہو جاتا ہے تم میری تہہ سک پہنچنے میں مشغول ہو جاتے ہو اور میر اس جرم کی تہہ سک پہنچ کر کوڑیاں اور گھوٹکے بنو رہاتا ہوں۔ کوڑیاں خود رکھ لیتا ہوں اور گلوپر تم سیٹ لے جاتے ہو۔ آخر ہونہ گھوٹکے۔“

”کہہ لو برخوردار....!“ آصف بزرگانہ انداز میں بولا۔ ”تم یہ بھی نہیں دیکھتے کہ میں اسے کتنا بڑا ہوں۔“

انور بُرا سامنہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

اتھے میں رشیدہ آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ناشتا نہ

”تمہارا کھانا۔“ اس نے ناشتا دان میز پر رکھتے ہوئے کھا اور کمرے سے چل گئی۔

”تم کہہ رہے تھے کہ فلم دیکھنے گئی ہے؟“ آصف بولا۔

”نہ گئی ہو گی۔“ انور لاپرواٹی سے بولا۔

آصف نے اٹھ کر ناشتا دان کے ڈبے ٹکالے اور انہیں میز پر پھیلاتا ہوا بولا۔ ”اوہ بھی۔“

”خیر وہ سور روپے حلال کے بغیر میں خود نہ کھاؤں گا۔“ انور نے اپنی کرسی میز کے قریب

کھکاتے ہوئے کہا۔

دونوں کھانے میں مشغول ہو گئے۔

”تم آخر اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟“ آصف نے کہا۔

انور منہ چلاتے چلاتے رک کر اسے گھورنے لگا۔ آصف سر جھکائے بو تارہ۔ ”دیا اس

## رضوان کی دھمکی

آصف نے چلے جانے کے بعد انور دروازہ بند کرنے کے لئے اٹھ ہی رہا تاکہ رشیدہ پھر مل آئی۔

”یہ لو اپنے روپے۔“ اُس نے کمی نوٹ انور کے منہ پر پھیک مارے اور جانے کے لئے انیں انور نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔

”لیا گیڑ گئی؟“ اُس نے اپنائی رومانٹک انداز میں پوچھا۔

”چھوڑو....!“ وہ بیزاری سے بولی۔ ”میں نہیں بات کرتی وحشیوں سے۔“

”تو میں نے یہ روپے کیوں واپس کر دیئے؟“

”میری خوشی.... میں نہیں رکھتا ہیں۔“

”تو اب مزاج سیدھے نہیں ہوں گے؟“ انور بیزار بیجھ میں بولا۔

”نہیں....!“ وہ اُس سے سخت بیجھ میں بولی۔

”تم ناشیز یہ سمجھتی ہو کہ مجھے تم سے عشق ہے؟“ انور بیزار بیجھ کر بولا۔ ”میں ساری رات

نہ کہہ تو پر کر گزار دوں گا؟“

”نہیں میں یہ سمجھتی ہوں کہ تم خود غلط فہمی میں جتلاء ہو۔“ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم پر کمی ہزار

لے لے دائرے منہ سے نکلنے لگا۔  
”تم آخرباتا کیوں نہیں دیتے؟“ ساجدہ بولی۔

”کیوں؟ تمہیں اُس سے کیا وچھے...!“  
ارشاد کے کچھ کار و باری کاغذات اُس کے پاس ہیں۔ ”ساجدہ بولی۔

”غیر میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔“ انور نے کہا۔ ”میں خود اُس کی تلاش میں ہوں۔“  
”کیوں....؟“ رضوان نے چونک کر کہا۔

”اس نے کہ میں تم پر اغوا کا مقدمہ چلوانا چاہتا ہوں۔“ انور پر سکون لجھے میں بولا۔  
”بے کار مت کو۔“ رضوان بیزاری سے بولا۔

”اور مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ تم اُسے ارشاد کے سر کیوں منڈھتا چاہتے تھے جب کہ یہ اچھی  
ٹرین جانتے تھے کہ وہ اُس سے شادی نہیں کرے گا اور دوسرا چیز یہ کہ جوبات تم نے پولیس سے  
چھپائی تھی ساجدہ پر کیوں ظاہر کر دی اور سب سے زیادہ اہم بات تو یہ ہے کہ ساجدہ کے اور  
تھہارے تعلقات اس کے بعد بھی خونگوار نظر آرہے ہیں حالانکہ ساجدہ کو تم سے اس بناء پر منتظر  
”کیوں بتاتا۔“ انور بولا۔

”نہ چاہتے کہ تم اس کے شوہر کو ایک عورت کے پھندے میں پھنسانے ہوئے تھے۔“

”یہ تھارے بھی معاملات ہیں۔ تمہیں اس سے کیا غرض۔“ ساجدہ گزر کر بولی۔  
”میں بھی تو کبھی تھہارے بھی معاملات ہیں دخیل زد چکا ہوں۔“ انور مکرا کر بولا۔

ساجدہ جھینپ کر دوسرا طرف دیکھنے لگی اور رضوان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ اُسے  
کا جانے والی نظر وہیں سے گھور رہا تھا۔

”دیکھو میں کہتا ہوں کہ اُس کا پتہ بتا دو۔“ رضوان نے کہا۔  
”تم اس سلسلے میں پولیس کی مدد لے سکتے ہو۔“

”تم آخرات نے درندے کیوں ہو۔ تمہیں مجھ پر حرم کیوں (اور) نہیں آتا....؟“ ساجدہ بولی۔  
”اُسے درندہ بتایا کس نے؟“ دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ رشیدہ دروازے کے قریب  
کوئی ہانپر رعنی تھی۔

”چچہ....!“ انور منہ بتا کر بولا۔ ”تم جا کر سو جاؤ۔“  
”نہیں جاتی۔“ رشیدہ گرج کر بولی اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

جان سے عاشق ہوں۔ ذرا اپنی صورت تو دیکھو۔“ رشیدہ نے کہا اور ہاتھ چھڑا کر باہر چل گئی  
انور نے اس انداز سے دروازہ بند کر لیا جیسے وہ اُس کی تعریف کر کے گئی ہے۔ اُس کا چھوٹا  
قلم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔ وہ پھر میز کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ جیب سے عین کائن  
پر زہ نکالا اور اُس پر نظریں جادیں۔ میز کی دراز کھوکھو کر اُس میں کچھ کاغذات اور نکالے اُنہیں  
انہیں میز پر رکھ گئی تھیں اسکے دروازے پر دستک ہوتی۔

”کون ہے؟“ انور جھنجھلا کر چیخا۔

”رضوان...!“ باہر سے آواز آئی۔ انور نے گھری دیکھی گیارہ بج رہے تھے۔ اُس  
کاغذات پھر میز کی دراز میں رکھ دیئے۔ ابڑاٹھ کر دروازہ کھولتے ہوئے کچھ بڑا بڑا۔

رضوان کے ساتھ ساجدہ بھی تھی۔ انور ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ دونوں کمرے میں اُس  
انور انہیں استفہامیہ نظر وہیں سے گھور رہا تھا۔

”تم نے مجھے اُس لڑکی کے بارے میں کیوں نہیں بتایا تھا....؟“ ساجدہ نے انور سے پوچھ  
”کیوں بتاتا۔“ انور بولا۔

ساجدہ خاموش ہو گئی۔ وہ تفری آمیز انداز میں منہ بٹائے کھڑی تھی۔ رضوان ایک کرہ  
بیٹھ گیا اور اُس نے ساجدہ کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اُس کے انداز سے معلوم ہوا تھا کہ ”  
وقت کسی قلم کے تکلفات کے لئے تیار نہیں۔

”میں زبیدہ کا پتہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں۔“ رضوان انور کو گھورتا ہوا بولا۔  
”اچھا جی۔“ انور شانوں کو جنم دے کر بولا۔

”زبیدہ کہاں ہے؟“ رضوان نے پھر پوچھا۔  
”اس کوٹ کی جیب میں۔“ انور نے کھوٹی پر لٹکے ہوئے کوٹ کی طرف اشارہ کر کے ”  
”اس کا نتیجہ اچھا نہ ہو گا۔“ رضوان گرج کر بولا۔

”آہستہ ہو لو۔ پڑوس کے لوگوں کی نیزد میں خلل پڑ جائے گا۔“ انور نے کہا اور  
سلکا نے لگا۔

”میں دوسرا طریقہ بھی استعمال کر سکتا ہوں۔“ رضوان سخت لجھے میں بولا۔

”تیسرا چو تھا اور پانچواں بھی استعمال کر سکتے ہو۔“ انور نے لاپرائی سے کہا اور دوڑھا۔

"ابنیہ مختار مدد...؟" رضوان نے آہستہ سے پوچھا۔

"تھیں...!" انور اگری سے بولا۔ "ہاں اور کیا بات ہے؟"

"اور کوئی بات نہیں۔"

"اچھا... اچھا...!" اور جلدی سے بولا۔ وہ جب بھی ملے گی میں تمہیں مطلع کر دوں گے اپنا پتہ لکھ دو۔ میں فلیٹ نمبر بھول گیا اور فون نمبر بھی لکھ دیتا۔

انور نے اس کی طرف کا غذ اور قلم بڑھا دیا۔ رضوان پچھلیاً اسے حیرت تھی کہ یہکہ انور اتنا مخصوص کیوں بن گیا۔

"مگر... مگر...!" رضوان نے کچھ کہنا چاہا۔

"واقعی...! میں خود اس کی تلاش میں ہوں۔" انور بولا۔  
رضوان لکھنے لگا۔

"ٹھہر بو...!" انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔

رضوان رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم نے اردو کو علاقائی زبان قرار دینے، جانے والے فارم پر دستخط کیے ہیں پہنچیں؟" انور سمجھ دی گئی سے بولا۔

"ہاں... کیوں...؟"

"اور پھر بھی تمہیں انگریزی میں پتہ لکھتے ہوئے شرم نہیں آتی؟" انور شرات آزمائیں یہ کیا حماقت تھی؟  
مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" رضوان جھلا کر بولا اور کاغذ کے نکلنے اُسکی طرف ڈال دیئے۔  
انور لاپرواٹ سے کوئی اثر لئے بغیر سگریٹ پیتا رہا۔

"آؤ چلیں...!" رضوان ساجدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ ساجدہ کھڑی ہو گئی دو دن  
دروازے کی طرف بڑھے۔

"تمہارا دیوانہ پن بھی ہاتھ رٹھیک کریں گے۔" رضوان جاتے جاتے مڑ کر انور کو مکاڑا کھانا  
ہوا بولا۔

"سردیوں میں دستانے استعمال کیا کرو۔ تمہارے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔

اور داد طلب نگاہوں سے رشیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

تحوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر رشیدہ اٹھ کر جانے لگی۔

"ٹھہر وہ" انور اپنی آواز کو بار عجب بنانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ رشیدہ رک گئی۔

"بیٹھ جاؤ۔"

"وہ بیٹھ گئی۔"

"تمہارا منہ کیوں پھول ہوا ہے؟"

"تم سے مطلب...؟"

"اب سید ہی ہو جاؤ کھال او ہیڑ دوں گا۔"

"میرے بھی ہاتھ ہیں اور میں نے بھی ایک ہنڑ خریدا ہے۔" رشیدہ نے کہا۔ "میں چ کہتی

ہوں کسی دن مارتے مارتے ادھ مر اکر دوں گی۔"

"شہاب شہابیں" انور پھول کی طرح تالیاں بجا تا ہوا بولا۔ "میں اس وقت تم میں ایک چیز

کو رت دیکھ رہا ہوں۔ بھلا مٹاڈ مردوں مجھ سے کہتے ہیں کہ میں تم سے شادی کر لوں۔ اگر تم میری

یوں ہوں تو تم دبا کر بینہ جاتیں اور میں نفرت کے مارے تمہیں ایک ٹھوک رسید کر دیتا۔ جاؤ جا

لو جاؤ۔"

"نہیں جاتی۔" رشیدہ نے تھکمانہ لجھ میں کہا۔ "تم اس سے اردو میں پتہ کیوں لکھوار ہے

نحو؟ یہ کیا حماقت تھی؟"

"حماقت...؟" انور چونک کر بولا۔ "میں تمہیں وہ پرچہ یاد نہیں جو کسی نامعلوم آدمی نے

نہیں کرے میں پھیکا تھا...؟"

"اوہ... تو تمہیں اس پر شبہ ہوا اور تم تحریر ملانے کے لئے اس سے اردو لکھوار ہے تھے؟"

"بہت دیر میں سمجھیں۔" انور نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر رشیدہ کو خور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"رشیدہ سے کیا باشیں ہوئیں؟"

"کیا مطلب...؟" رشیدہ چونک کر بولی۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"گورت مرد سے زیادہ کوئی طبیعت رکھتی ہے۔ تمہیں اس سے ملے بغیر چیز پڑھی نہیں

کر سکتا۔ تم کھانا کھانے کے بعد فلم دیکھنے کی بجائے وہاں چلی گئیں.... خیر.... لیکن تمہیں اس

وقت وہاں نہ جانا چاہئے تھا۔

”کیوں؟“

”اس کی میں؟“

”اس لئے کہ مجرم اس کی حلاش میں ضرور ہو گا۔“ انور نے کہا۔ ”خیر چھوڑو، اُس سے کام بنازدہ کا سکتا ہے کہ وہ شاہد کی یادی کا خط ہے۔“

”تمہارے چلے آنے کے بعد اُس نے ارشاد کے متعلق چھان بین کی اور اُسے اصلاح کا علم ”تو تم شاہد کو مجرم نہیں سمجھتے؟“ رشیدہ نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ زبیدہ کے کمرے میں ہو گیا تو دل خستہ ہو کر سعید منزل سے مے پول ہوٹل میں منتقل ہو گئی اور پھر دوسرے دن اپنے نیوڈت وہ پرچہ گرا تھا شاہد ہی کا تذکرہ ہو رہا تھا اور وہ اس پر کچھ کہے بھی جا رہی تھی۔“

”تمہاری یادداشت بہت اچھی ہے۔“ انور بولا۔ ”وہ چیز میرے ذہن میں ہے مگر میں محض میں ارشاد کے قتل کے متعلق پڑھا۔ ان سب حادثات نے اُسے تقریباً محبوط الحواس کر دیا ہے۔“ ”تم نے اُس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ پرچہ کس نے پھینکا تھا...؟“

”اُس نے کہا کہ وہ نہیں جانتی۔“

”رسو...!“ اُس نے بڑے پیارے سے رشیدہ کو مخاطب کیا۔

”میا...؟“ رشیدہ نہیں باز آنکھوں سے اُسے دیکھے گئی۔

”تم بالکل گدھی ہو۔ اگر وہ اس طرز تحریر کو پہچانتی نہ ہوتی تو بدحواس کیوں ہو جاتی۔“

”میں بھی اتنا سمجھتی ہوں۔“

”تو پھر تم اُس کے کہنے میں کیوں آگئیں؟“

”وہ اسی پر اڑی رہی میں کیا کرتی۔“

”خیر... اور کچھ؟“ انور سگریٹ سکاتا ہوا بولا۔

”اور کچھ نہیں۔“ رشیدہ جماہی لیتی ہوئی بولی۔ ”یہ آصف اُس وقت کیوں آیا تھا؟“

”ایک بالکل نئی اطلاع لے کر، اپنی دانست میں اُس نے بڑا تیر مارا تھا۔“ انور نے کہا۔ ”ایک بہترین ماہر جرائم کی خدمات حاصل کیں۔ تاکہ وہ یہ ثابت کر سکے کہ اُس کے شوہر کی نمائی حالت درست نہیں تھی۔ اس لئے اُس نے خود کشی کر لی تھی اس ماہر جرائم کا کہ اُس سارے واقعات بتا دیئے۔

”ممکن ہے وہ خط شاہد کی یادی ہی کا ہو۔“ رشیدہ بولی۔

”بات کوئی بچتی نہیں۔ ایک ناچہ کیا ہوا کاغذ جس کے نیچے دستخط بھی نہ ہوں مخفی انہیں کے نشان کی بناء پر اُس کا کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا خط مخفی رازداری ہی کے نیال نہ لکھا کھالا اور یہر دوں۔“

”تم بہت ذین ہو رہو۔“ وہ پیار بھرے لجھے میں بولا۔ ”لیکن میرا دل چاہتا ہے میں حق مجھ سے بھیجا جاسکتا ہے۔ اچھا اگر رازداری کے خیال سے بھیجنے والے نے ہاتھ سے لکھنے کی بجائے نہ لکھا کھالا اور یہر دوں۔“ ”کیوں...؟“

”تم نے مجھے ایک نئی بخش میں بٹلا کر دیا ہے۔“  
”کیسی بخش؟“

”یہی کہ قاتل نے دونوں فائر چیرے پر کیوں کیے تھے؟“ انور کچھ سوچتا ہوا لار  
”اس وقت نہ جانے میرا ذہن آئینہ ہو رہا ہے۔“ رشیدہ بولی۔

”وہ تبھی میں نے تمہارے بال پکڑ کر حملکے جو دیے تھے۔ اگر کہو تو اور آئینہ کر دوں؟“  
مکرا کر بولा۔

”بے تباہ باتا کی چپل سے پیٹنا شروع کر دوں گی۔ ساری وحشت نکل جائے گی۔“  
”اور یہ فلکس کے جوتے دیکھے ہیں تم نے؟“

”احتیاط سے رکھو انہیں جب یہ سورپے ختم ہو جائیں تو انہیں ابال کر پہن۔“ رشیدہ  
کر بولی۔ ”خیر چھوڑو میں یہ کہہ رہی تھی کہ اس دونالی بندوق میں لگے ہوئے دونوں کارہ  
چھوٹے چھروں والے تھے۔ ظاہر تھے کہ اگر زدہ جسم کے کسی اور حصے پر چلاۓ جاتے تو ان  
فوراً موت واقع ہوتی اور ارشاد میں زخمی ہو جانے کے باوجود بھی جدوجہد کی قوت بالی رہا  
ممکن ہے اس طرح قاتل پکڑ لیا جاتا۔ لہذا اس نے اس کے چہرے پر فائر کر کے اُسے اندازہ  
اور پھر بہت ممکن ہے کہ اس کے بعد اس نے اس کا گلا گھونٹ کر اُسے فوراً ٹھنڈا کر دیا ہوا  
تو پوست مارٹم کی روپورٹ نہیں آئی۔“

”رسوادا تھی تم اس وقت کمال کر رہی ہو۔“ انور مکرا کر بولा۔ ”میں تمہاری عزت نہ  
ہوتا تو یقیناً تم سے شادی کر لیتا۔“

”شادی تو ساجدہ سے کرتا۔ خالی ہو گئی ہے تا۔“

”مگر ساجدہ کو تم جمل خانے بھجو رہی ہو؟“

”اور کیا تم نجی بجادے گے، ایک طرح سے تم بھی ارشاد کے قاتل ہو سکتے ہو۔“  
”اوہو... تمہیں نہیں معلوم۔ نادجام کی پولیس میری طرف سے بھی مٹکوں کے  
ہے۔ آصف بھی کچھ کچھ یہی سوچ رہا ہے۔“

”آصف کی چیز تکمیل تو کسی دن بناؤں گی۔“

”اچھا جاؤ۔ تمہیں اب نیند آرہی ہے۔“

”نہیں جاتی۔“

”اچھا جی...!“ انور اٹھتا ہوا بولا۔ ”کیا کہا؟“

اس نے رشیدہ کو کمرے کے باہر دھکیل کر دروازہ بند کر لیا۔

## حملہ

دوسرے دن انور بہت زیادہ مشغول رہا۔ آصف کی مدد سے اس نے ارشاد کے دفتر کے  
نیابت کی جانچ پڑھتا کی۔ اس کے بہت سے کاغذات میٹا پڑھتا رہا۔ پھر وہاں سے ہائی سرکل نائب کلب  
کی طرف چلا گیا۔ نیجر نے اُسے دیکھ کر نفرت سے منہ سکوڑ لیا۔ اس نے اُسے بیٹھنے مک کونہ کہا۔  
”میں یہ پوچھنے آیا ہوں....“

”میں کچھ نہیں بتا سکتا۔“ نیجر دروازہ کی طرف ارشادہ کر کے بولا۔

”نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔“ انور ایس کر سی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”مسڑ انور.... میرے پاس فضول وقت نہیں۔“ نیجر بیزاری سے بولا۔

”میں ارشاد کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”وہ کیا بتائے گا۔“ ایک اوپری عمر کا فشن اسٹائل آدمی کمرے میں گھستا ہوا بولا۔ ”میں بتاؤں گا۔“

”کرٹل صاحب.... جناب والا.... براؤ کرم۔“

”بکومت.... میں تمہاری ہی وجہ سے کنگال ہوا ہوں۔“ وہ چیخ کر بولा۔

”مسڑ.... ار.... کرٹل صاحب براؤ کرم خاموش رہئے۔“

”خاموش رہو۔“ انور نیجر کو گھور کر بولا۔

”مسڑ انور.... میں پولیس۔“ نیجر فون کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

”شوق سے۔“ انور لاپرواہی سے بولا۔ ”پولیس مجھ سے زیادہ اس کیس میں دل جھی لے گی۔“

نیجر بے بھی سے کر سی کی پشت سے نک گیا۔ اُس کامنہ فرق ہو گیا۔ ہونٹ خشک ہو چلے تھے۔

”ہاں جناب.... اوہ.... کرٹل صاحب بیٹھ جائیے۔“ انور نے کہا۔

”مسڑ انور آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟“ نیجر ہانپا ہوا بولا۔

”میں تم سے معافی نامہ لکھوانے نہیں آیا۔“ انور تیز لبج میں بولا۔ ”تو تم ارشاد کے کیش ایکٹ تھے؟“

”نہیں.... انہوں نے میری محنت کے صلے میں دس ہزار روپے کا حصہ مفت دے دیا تھا۔“  
”کیسے یقین آئے گا اس پر جب کہ ہیرے کی کان کا کوئی حساب ہی نہیں ہے۔“ انور نے کہا۔

”یہ مجھے آج کے اخبار سے معلوم ہوا ہے۔“ فیجر بولا۔  
”بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ تم اس پوری سازش کے سب سے بڑے حصے دار ہو۔“ انور نے کہا۔

”کیوں آپ مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہے ہیں۔“ فیجر بے چارگی سے بولا۔  
”تو پھر تم نہ پھنسو گے تو کیا میں پھنسوں گا۔“ کرٹل نے کہا۔

”کرٹل صاحب آپ غالباً پولیس کو اطلاع دے چکے ہوں گے؟“  
”ہاں دے چکا ہوں۔“

”تو بُن اب تشریف لے جائیے۔“ انور نے بے رغبی سے کہا۔ کرٹل کچھ دیر بیٹھا دنوں کو گھورتا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔

”ہاں تو پیدا رہے فیجر۔“ انور اس کی طرف دیکھ کر شرات آمیز میکراہٹ کے ساتھ بولا۔  
”مسٹر انور میں بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔“ فیجر گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔

”چیخ بتاؤ۔ پرسوں یہاں ارشاد آیا تھا یا نہیں؟“  
”نہیں....!“

”شہد... اُس کا پارٹر...؟“

”وہ کلب میں ممبر نہیں تھے لیکن کبھی ان کے ساتھ آیا کرتے تھے اور آپ کے جانے کے بعد پرسوں وہ آپ ہی کی طرح ارشاد کے متعلق پوچھنے کے لئے آئے تھے اور کچھ گھبراۓ ہوئے گئی تھے۔“ فیجر نے کہا۔

”اوہو.... بہت اچھے۔ تو تم بھی پولیس ہی کی طرح ارشاد کا قتل شہد کے سر تھوپنا چاہتے ہو۔ لیکن تم مجھے بہلا نہیں سکتے۔ رضوان کو جانتے ہو؟“

”نہیں تو.... میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔“  
”بہت اچھے تو تم بھی اُس کے قتل کی سازش میں شریک معلوم ہوتے ہو، کیا تمہیں نہیں

”میں یہ چاہتا ہوں کہ تم خاموش بیٹھ رہو... ہاں کرٹل صاحب؟“

”آپ ارشاد کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ وہ پکا بے ایمان تھا۔ اُس نے مجھے بر باد کر دیا۔“  
کرٹل نے کہا۔ ”اور اس سے بھی زیادہ یہ میری جاہی کا باعث ہے۔“ کرٹل فیجر کو گھوڑا تاہو بولا۔

”نہیں کرٹل صاحب۔ فیجر بھلا آپ کی جاہی کا باعث کیسے ہو سکتا ہے؟“ انور نے کہا۔

”آپ یقین کیجئے اس نے مجھے اُس نامراہ ہیرے کی کان کا حصہ خریدنے کے لئے بھجو رکانا اور اسی کے ہاتھ سے مجھے منافع بھی ملا تھا۔“

”جب آپ کو منافع بھی مل چکا ہے تو پھر اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟“

”ناراض کیوں ہو رہا ہوں؟“ کرٹل گرج کر بولا۔ ”میرے دس ہزار روپے ڈوب گئے۔ اب ان کی چار سو میں میری سمجھ میں آئی ہے۔ میرے ہی دس ہزار روپوں میں سے ایک ہزار روپے منافع کے نام پر مجھے واپس کر دیے اور میں مطمئن ہو گیا۔ جو فرم ہر تیرے مہینہ اپنے حصہ داروں کو منافع با منتی ہو اس کی طرف کوں نہ دوڑنے گا۔“

”تم اب شوق سے پولیس کو فون کر سکتے ہو۔“ انور فیجر کی طرف دیکھ کر بولا اور جیسے قلم نکال کر ایک سادہ کاغذ میز سے اٹھاتا ہوا کرٹل کی طرف مخاطب ہوا۔ ”ہاں کرٹل صاحب آپ کا نام اور پتہ؟“

”وہ کافی دیر تک کرٹل سے پوچھ گچھ کر تارہ۔ پھر فیجر کی طرف مڑا۔

”تم نے ابھی تک پولیس کو فون نہیں کیا؟“ انور نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

”مسٹر انور....!“ فیجر کی آواز حلقوں میں رک گئی۔

”پیارے فیجر....!“ انور اسی انداز میں بولا۔

”میں اپنی صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں۔“

”بھلا مجھ کو صفائی سے کیا غرض۔ نہ میں حاکم نہ مجرم یہ۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”آپ سب کچھ میں، میں آپ کو اچھی طرز جانتا ہوں۔“

”اور اس کے باوجود بھی تم نے اپنے آصف سے میری شکایت کی تھی۔ حالانکہ میں اُنے بیوڑھی اولاد سے زیادہ نہیں سمجھتا۔“

”مسٹر انور مجھے افسوس ہے۔“

معلوم کہ ارشاد میں سے اُس کے نام پارسل بھیجا کر تاھماً چھا خیر تمہارا نام بھی مشتبہ آدمیوں کی فہرست میں شریک کر لیا جائے گا۔ ”انور انھتہا ہوا بولا۔

لکی جگلک دیکھی اور پھر وہ ایک چیخ کے ساتھ کمرے کے وسط میں جاگرا۔ اندر ہرے کی تھیں  
بڑی ہو گئیں۔

پھر نہ جانے کتنی دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ وہ اپنے پلٹک پر پڑا ہے اور اُس کا داہنا بیزا واسطہ  
لی رہا ہے جیسے ریشے ریشے میں آگ بھرو دی گئی ہو اور پھر اسکے کافوں میں ایک ایسے گیت کی آواز  
بن گئی جس سے اُسے بے اختیار نفرت تھی۔ کوئی بھاری اور بے ہکم آواز میں گلگتار ہاتھا۔  
”بان میرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار۔“

”یہ کون بد نمائی ہے۔“ انور آنکھیں بند ہی کیے ہوئے زور سے بڑی بڑی۔ ”خدائے لے اس  
رہت اگئر گانے کے بجائے کچھ اور گاؤ۔ مجھے قطعی اعتراض نہ ہو گا۔“  
”اوہ تمہیں ہوش آ ہی کیا؟“ کوئی اُس پر جھک کر بولا۔ انور نے آنکھیں کھول دیں۔  
آصف غور سے اُس کا چیڑہ دیکھ رہا تھا۔ انور نے اٹھنے کی کوشش کی اور اب اُسے تھوڑی دیر  
لکاواقدیہ دا آرہا تھا۔

”کیا میرے سینے میں زخم ہے؟“ انور نے آصف سے پوچھا۔  
”نبیں لیئے رہو۔۔۔ زخم باسیں بازو میں ہے۔“ آصف نے کہا۔ ”مگر وہ تھا کون؟“  
”مجھے افسوس ہے کہ وہ اپناتام بتانا بھول گیا۔“ انور جھلا کر بولا۔  
”ارے جنگلی اس حالت میں بھی تمہاری زبان نہیں مانتی۔“ آصف مسکرا کر بولا۔  
”زبیدہ کہاں ہے؟“

”اُس نے زہر کھالا۔ میں اُسے پولیس کی گاڑی میں کو تو ای لے جا رہا تھا اُس نے ہماری  
نفلت سے فائدہ اٹھا کر زہر کھالا اور وہ زہر بھی اتنا سر لع الاثر تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ختم ہو گئی۔  
کوئی ایسے واقعات پیش آرہے ہیں کہ عقل ہی کام نہیں کرتی۔۔۔ وہ لڑکی تھی کون؟“  
”ایک مظلوم لڑکی۔ میں نے سوچا تھا کہ شاید حالات میں اُسے پناہ مل سکے۔ خیر اُسے مرنا تو  
تفاقی زہر نہ کھاتی تو قتل کر دی جاتی۔ وہ ارشاد کے قتل کے سلسلہ میں بہت کچھ جانتی تھی لیکن  
ٹانکے سے پہلے ہی چل بی۔“

اور پھر انور نے آصف کو زبیدہ کے متعلق سب کچھ بتادیا۔ لیکن اُس پرچے کے بارے میں

معلوم کہ ارشاد میں سے اُس کے نام پارسل بھیجا کر تاھماً چھا خیر تمہارا نام بھی مشتبہ آدمیوں کی  
فہرست میں شریک کر لیا جائے گا۔ ”انور انھتہا ہوا بولا۔  
”مشتر اور میں رضوان کو نہیں جانتا۔“ فیجر بے بی سے بولا۔ ”اے منے تو کی  
اے.... آپ....!“

انور کوئی جواب دیے بغیر فیجر کے کمرے سے نکل گیا۔ فیجر اس طرح کری پر پڑا ہاپ رہا  
جیسے کوئی غیر مرئی قوت اُس کا گلا گھونٹ رہی ہو۔

انور دن بھر مارا پھر اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جلد ہی اصل مجرم پر قابو پا جائے گو

اُس کا ذہن ایک مخصوص لاکن پر سوچ رہا تھا۔ آج وہ ایک بار ساجدہ کے گھر بھی گیا تھا اس بات کی  
اطلاع دینے کے ابھی تک زبیدہ کا سر اغ نہیں ملا۔ اُسے یہ دیکھ کر جیسٹ ہوئی کہ ساجدہ نے گھر کے  
سارے ملازمین کو بر طرف کر دیا ہے اور وہ صحیح معنوں میں ایک مغلس یوہ کی طرح زندگی بر  
کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ ساجدہ نے زیورات اور دوسرا قیمتی اشیاء پا  
کر اپنے شوہر کا قرض ادا کرنے کا تھیہ کر لیا ہے اور اس کے بعد بقیہ زندگی بزرگرنے کے لئے کمی  
تبرک مقام پر چلی جائے گی۔ انور اُس کی اس قربانی پر عش عش کرتا ہوا گھر لوٹ آیا۔ اُس نے  
تھیہ کر لیا تھا کہ وہ آج اس مسئلے کو سلجنکا کر دی رہے گا۔ اپنے کمرے میں پیش کر اُس نے بے شام  
و کاغذات میز پر پھیلایا ہے۔ وہ ایک ایک کاغذ کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔

”اُف میرے خد!“ اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ کری کی پشت سے نکل کر بے  
حس و حرکت بیٹھا رہا۔ پھر دفتار اٹھ کر نشست کے کمرے میں آیا۔ وہ اتنی جلدی میں تھا کہ اُن نے  
بھل جلانے کی زحمت گوارانہ کی اور دیساں کی چیخ کر اسکی روشنی میں ٹیکی فون کے نمبر گھمانے لگا۔  
”ہیلو آصف....!“ وہ ماڈ تھ پیس میں بولا۔ ”میں انور بول رہا ہوں۔ رضوان جس عورت کا  
وجود چھپانے کی کوشش کر رہا تھا اُس کا پتہ لگ گیا ہے وہ پیٹر روڈ کے نیس ہوٹل کے کمرہ نمبر ۱۰  
میں مقیم ہے۔ اُس سے بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ جلدی کرو۔ مجھے ذر ہے کہ کہیں اُس کا گناہ  
وہی انجمان نہ ہو جو دھارا سکھے کا ہو۔ جلدی کرو میں گھر پر دی ہوں۔“

انور رسیور رکھ کر جیسے ہی پلتا کسی نے دروازے پر دستک دی۔ وہ اس طرح خیالات میں  
کھویا ہوا تھا کہ کمرے میں روشنی کیے بغیر دی اُس نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دفتار ایک بارہا کا

کچھ نہیں بتایا جو زبیدہ کے کمرے میں گرا تھا۔  
”یہ تو بہت بُرا ہو۔“ آصف آہستہ سے بڑا بڑا۔ ”تمہیں پہلے ہی مجھے اس کی اٹالیاں چاہئے تھی۔“

”سنوا آصف! میں اتنا پتھر نہیں ہوں جتنا کہ لوگ مجھے سمجھتے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ نہ  
نام منظر عام پر نہ آئے۔ وہ دنیا کی مظلوم ترین ہستی تھی۔ مگر پتھر مجھے مجبور ہو جانا پڑا مجھے برف  
لا جت ہوا کہ کہیں اس کا بھی وہی حشر نہ ہو اس بوجو دھارا لگکھ کا ہوا۔“

”تمہاری اسی احتیاط نے اس کی جان لی۔“ آصف نے کہا۔

”نہیں آصف، پولیس جب بھی اسے حرast میں لینے کی کوشش کرتی، زندہ مپاہی  
سمجھ لو کہ انور جس سے ہار جائے دنیا کی کوئی طاقت اسے قابو میں نہیں لاسکتی۔ وہ پولیس کو  
لفظ بھی نہ بتاتی۔“

آصف خاموش ہو گیا۔ اس کی ٹھاہیں تھکر آمیز انداز میں انور کے چہرے پر جی ہوئی تھی  
”تو کیا ب قاتل کا پتہ نہ لگ کے گا؟“ آصف نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

”ایسا تو نہیں۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”کل تم اسے مردہ یا زندہ پولیس کی لاری میں لاؤ  
کو تو الی لے جاؤ گے۔“

”وہ کون ہے؟“ آصف نے بے ساختہ پوچھا۔ انور مسکرانے لگا۔ جس کا مطلب یہ تھا  
آصف کی بے چینی قبل از وقت اور فضول ہے۔ وہ ابھی ایک لفظ بھی نہیں بتا سکتا  
”میں خود نہیں جانتا۔“ انور نے کہا۔ ”لیکن کل وہ یقیناً میرے قابو میں ہو گا۔ اور... رہا  
کہاں ہے؟“

”وہ ایسے ڈاکٹر کے ساتھ گئی ہے۔“ آصف نے کہا۔  
”اوہ تو ڈاکٹر مجھے دیکھ چکا ہے؟“

”ہاں.... لیکن تم یہ کیوں نہیں بتاتے کہ حملہ آور کون تھا؟“  
”بھی میں خود نہیں جانتا۔ اس نے پہلے میرے چہرے پر تاریخ کی روشنی ڈال کر مجھے چھڈا  
دیا۔ پھر شاید چاقو سے وار کیا تھا۔“

”ہاں زخم چاقو کا ہے۔ مگر زیادہ گہر انہیں۔“ آصف نے کہا۔ ”میں زبیدہ کی لاش کو ہٹا  
ساتھ وہ اپنے اس وعدے پر قائم تھا کہ آج وہ قاتل کو پولیس کے ہوالے کر دے گا۔ اس نے

بہن کر سیدھا ہیں آیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ تاریخ جلائی تو تم فرش پر پڑے دکھائی دیئے۔  
ربیعہ بھی موجود نہیں تھی لیکن وہ تھوڑی دیر بعد آگئی۔ میں نے فون پر ڈاکٹر کو بلالیا تھا۔ رشیدہ  
بہت پریشان تھی۔ واقعی وہ تمہیں بہت زیادہ چاہتی ہے۔“

”دost چاہتے ہی ہیں۔ وہ میرا دوست ہے میں اسے لڑکی نہیں سمجھتا۔“ انور آنکھیں بند  
کر کے بڑا بڑا۔

”میاں تم اس کی روپورٹ پولیس کو دو گے؟“ آصف نے پوچھا۔

”یقیناً جو دل چاہے لکھ دینا۔“ انور نے کہا۔ ”لیکن شےبے میں رضوان کا نام ضرور لکھوادیں۔ وہ  
کل مجھے زبیدہ کے سلسلے میں دھمکی دے کر گیا تھا۔ اس کا نام اخبار میں بھی آجائے تو اور اچھا ہے  
میں وجہ نہیں بتاؤں گا بس۔“

## قاتل کون

دوسرے دن پولیس رضوان کی تلاش میں تھی اور وہ کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اخبارات میں  
زبیدہ کی تصویر اور اس کی درد بھری کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس طرح پلک ارشاد کے ایک اور سیاہ  
کار نے سے واقع ہوئی۔ لیکن اب اس کے قاتل کا نام جاننے کے لئے لوگوں کی بے چینی بڑھتی  
جاری تھی۔ اسے شاہنے قتل کیا تھا یا رضوان نے؟ انپکٹر آصف نے شاہد کی بیوی کو حرast  
ملے لیا تھا۔ ہائی سرکل نائب کلب کے فنجر کی گرفتاری زیر غور تھی۔

لوگوں کو توقع تھی کہ اس بار پھر کرام رپورٹ انور ہی قاتل کی گرفتاری کے سلسلہ میں  
پولیس کی رہنمائی کرے گا۔ کیونکہ انور پر اچاکٹ جعل سے تو یہی ثابت ہوتا تھا کہ وہ معاملے کی تہہ  
لکھ دیکھا چکا ہے۔ اس لئے قاتل نے اسے بھی اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی۔

انور آج آفس نہیں گیا۔ حالاکہ زخم زیادہ گہر انہیں تھا اور نہ وہ کوئی خاص تکلیف ہی محسوس  
کر رہا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ باہر نہیں نکلا۔ انپکٹر آصف نے اس کے گھر کے کنی چکر لگائے لیکن اس  
سے کوئی کام کی بات نہ معلوم کر سکا۔ وہ اسے بچوں کی طرح بہلا تارہا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی  
ساتھ وہ اپنے اس وعدے پر قائم تھا کہ آج وہ قاتل کو پولیس کے ہوالے کر دے گا۔ اس نے

”شہاں... اب تم اس وقت ایک جوان عورت نہیں مرد معلوم ہو رہی ہو۔“ انور سے  
اپنے بولنا۔  
”اور یہ گونا...؟“ رشیدہ مٹھی باندھ کر انور کے چہرے کے سامنے چھاتی ہوئی۔

”بہت لذیذ... لیکن ابھی اس کے استعمال کا وقت نہیں۔“

تحوڑی دیر بعد اس کی موڑ سائیکل شہر کی متعدد سڑکوں پر فرانے بھرتی پھر رہی تھی۔ انو  
نے اس دوران میں رشیدہ کو اپنی پوری اسکیم سے آگاہ کر دیا تھا۔ موڑ سائیکل کی رفتاد سکر  
ٹریٹ میں پہنچ کر کم ہو گئی اور پھر وہ دونوں انڑپڑے۔ موڑ سائیکل ایک سڑک کے کنارے  
لڑی کر کے وہ آہتہ آہتہ آگے بڑھنے لگے۔ آسکر اسٹریٹ پر سکون سڑک تھی جس کے  
دون طرف عالی شان کوٹھیاں تھیں۔ یہاں زیادہ تر تمتوں لوگ رہتے تھے۔

قریباً نوچ گئے تھے۔ سردیوں کی رات تھی اور جلد ہی چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ اکثر  
وٹھیوں کی جالیوں، کھڑکیوں اور روشنیوں سے روشنی چھن کر سڑک پر آ رہی تھی۔ وہ دونوں  
ساجدہ کی کوٹھی کے سامنے رک گئے۔ انور نے آہتہ سے سلاخوں دار پھانک کھولا اور دونوں  
پاؤں میں داخل ہو گئے۔ یہاں بھی چاروں طرف سناٹے اور تاریکی کا راجح تھا۔ رشیدہ کوٹھی کا چکر  
تھا ہوئی پچھوڑاۓ کی طرف چلی گئی اور انور برآمدے کی طرف بڑھا۔ پہ پہنچنی بجانے کے  
بعد ایک دروازہ کھلا اور برآمدے میں روشنی چھیل گئی۔

”کون ہے؟“

”اوہ ساجدہ...!“ انور آگے بڑھ کر بولنا۔

”انور... کیوں... کیا ہے؟“ ساجدہ اوپنی آواز میں بولی۔

”میں سہرا نہیں ہوں۔“ انور نے کہا۔

”کیوں...؟“

”رضوان کے متعلق کچھ پوچھنا ہے۔ کیا تم نے آج کا اخبار نہیں پڑھا...؟“ انور کرے میں  
کھلاہو بولنا۔

”کیوں تم میرے پیچے پڑ گئے ہو۔“ ساجدہ بے بسی سے بولی۔

”رضوان نے تمہارے سامنے مجھے دھمکی دی تھی۔ کیا تم میری طرف سے گواہی دے گی؟“

رشیدہ کو بھی کچھ نہیں بتایا۔ حسب معمول رشیدہ دفتر چلی گئی اور جب وہ شام کو واپس آکی تو اپنے  
پہلے ہی کی طرح کتابوں میں ڈوبا ہوا پیا۔

”کیا وہ قاتل ان کتابوں کے کے صفحے سے چپکا ہوا ہے؟“ رشیدہ بولی۔

”نہیں وہ تمہاری کثیلی آنکھوں سے جھانک رہا ہے۔“ انور نے کہا اور کتاب بند کر کے میرزا  
رکھ دی۔ وہ تحوڑی دیر تک تھکر آمیز انداز میں رشیدہ کی طرف دیکھتا رہا پھر کرسی سے اٹھا برا  
بولا۔ ”اچھا میرے دوست! اب اس ڈرامے کے آخری سینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔“

”کیا مطلب....؟“

”غالباً ہمارے دونوں پتوں ٹھیک حالت میں ہوں گے؟“ انور نے کہا۔

”ہاں ہیں تو لیکن تمہارا راوہ کیا ہے؟“

”ایک گیدڑ کی بھٹ میں گھٹتا ہے جسے لوگ خواہ بھیڑیا سمجھے میٹھے ہیں۔“

”تمہارا اشارہ قاتل کی طرف ہے؟“ رشیدہ نے کہا۔

”ہاں۔“

”لیکن وہ ہے کون؟“

”بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ ذرا اندر ھیرا پھیلنے دو۔“ انور نے کہا۔ ”ہاں رسو، ان پتوں کو  
ایک بار پھر دیکھ لیا جائے۔“

رشیدہ اپنے کمرے سے دونوں پستول لے آئی۔ اور آنکھیں گھما پھر اکر دیکھنے لگا۔

”تو لیکا پولیس کی مدد نہ لو گے؟“ رشیدہ نے کہا۔

”پولیس بعد کی چیز ہے۔ اگر اس نے مجھ پر حملہ نہ کیا ہوتا تو نہیں خواہ بھیڑ کی دردسری مول  
نہ لیتا۔ مگر اب ضروری ہو گیا ہے۔“

”تو پھر میں اس غرارے اور دوپٹے کو تھہ کر کے بکس میں رکھ دوں؟“ رشیدہ نے کہا۔

”قطعی...!“ انور نے کہا اور سکریٹ سلکا کر کمرے میں ٹھیٹنے لگا۔

تحوڑی دیر بعد رشیدہ لباس تبدیل کر کے آگئی۔ اس نے کھٹکی رنگ کے چڑے کی جیکٹ اور  
خاکی گیر ڈین کی چٹلوں پہن رکھی تھی۔

اس وقت انور کی مجھ اُسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

انور ایک صوفے میں دھنستا ہوا بولا۔

”مجھے کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔“ ساجدہ بیزاری سے بولی۔

”ایسا نہ کہو۔“ انور انتہائی جذباتی لبجھ میں بولا۔ ”مجھے اب بھی تم سے محبت ہے۔“

ساجدہ غم انگیز نظر وہ سے اُنکی طرف دیکھنے لگی۔ شاید اُس کی آنکھوں میں آنسو بھی نہ  
”انور اب اس تھے کومت چھیڑو۔ میرا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا ہے۔“ ساجدہ ایک ملے  
سائنس لے کر بولی۔

”غائب اسی لئے تم ارشاد کی ڈاڑھی بڑھنے کا انتظار کر رہی ہوتا کہ اُسے ایک مولوی کے  
میں جح کا بہانہ کر کے یہاں سے نکال لے جاؤ۔“ انور نے اپنا ایک ہاتھ جیب میں ڈالتے ہو  
ساجدہ کا سر دیوار سے گمراہی۔ وہ اہر اکر زمین پر آ رہی اور بے ہوش ہو گئی۔  
اطمینان سے کہا۔ ساجدہ بے اختیار اچل پڑی۔ وہ انور کو خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اُنکے  
سامنے والے کرے سے ایک فائز ہوا۔ اگر انور پسلے ہی سے غیر ارادی طور پر ایک طرف نہ  
فرف دیکھ کر بولا۔ ”شہید، دھارا سنگھ اور زبیدہ کا خون ناقحت تمہاری گروں پر تھا اور تم جح کرنے  
گیا ہوتا تو اُس کا شکار ہو جانا تھی تھا۔ وقتاً وہ اچل کر ساجدہ پر آ رہا اور اُسے ڈھان بنا کر پہن  
سے مدد لے کر غلطی کی..... مگر نہیں، وہ تمہیں شہید کی لاش تو اپنی لاش ثابت کرنی تھی۔ شہید کو  
نکالے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

”ارشاد تمہاری دوسری گولی ساجدہ کے لگے گی۔“ انور جیخ کر بولا۔ ”تم یہاں سے ماں  
کا ٹھنڈا ہی بگڑ جائے۔ ظاہر ہے جب تمہاری بیوی ہی شہید کی لاش کو تمہاری لاش تعلیم کر لیتی تو  
نہیں سکتے۔ چاروں طرف پولیس لگی ہوئی ہے۔“

ساجدہ اُس کی گرفت سے نکلنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔

”تم ایک اچھی اداکارہ ہو۔“ انور آہستہ سے بولا۔ ”اور ہندوستانی صنعت فلم سازی کا  
ہمپنے کے لئے اتنی حماقتوں کیس کہ خدا کی پناہ۔“

روشن مستقبل....!“

ساجدہ اُسے بے تھا شاگالیاں دے رہی تھی۔

رفتائی سامنے والے کرے کا دروازہ کھلا اور ارشاد اپنے دونوں ہاتھ اور پر اٹھائے ہوئے باہر  
اُس کے پیچھے رشیدہ تھی جس کے پتوں کی باتی ارشاد کی کرمیں چھپی ہوئی تھی۔

”بہت اچھے۔“ انور بچوں کی طرح چھنا۔

رشیدہ داد طلب نگاہوں سے انور کی طرف دیکھنے لگی اور ارشاد نے پھرتی سے پلت کر  
ہاتھ اُس کے پتوں پر مارا اور دوسرے ہاتھ سے اُسے پیچھے دھیکل دیا۔ دوسرے لئے میں ”بد  
لگا کر دے ازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لیکن انور کے پتوں سے ایک شعلہ نکلا اور ارشاد ”آہ  
اُن کا مطلب کچھ اور ہے۔“ رشیدہ نے مسکرا کر کہا۔ انور کو اُس کی مسکراہٹ بڑی سفا ک

انور میں فون کی طرف بڑھا۔

”یہاں اصف..... میں۔“ آسکر اسٹریٹ سے بول رہا ہوں۔ وعدے کے مطابق تمہارا شکار

نہ سے قابو میں ہے..... نہیں..... نہیں زیادہ انتقام کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک خارش زدہ گیدڑ

کا طریقے بدل پڑا ہے۔“

آسف نام پوچھتا ہی رہ گیا مگر انور نے رسپورٹ کر کرے میں ٹھنڈا شروع کر دیا۔

”ساری پرانی دشمنی تم آج ہی نکال لو گے؟“ ارشاد نے آہستہ سے کہا۔

”میں نے صرف کل رات کے ٹھنڈے کا انتقام لیا ہے۔“ انور نے لاپرواٹی سے کہا۔

”اُن کا مطلب کچھ اور ہے۔“ رشیدہ نے مسکرا کر کہا۔ انور کو اُس کی مسکراہٹ بڑی سفا ک

معلوم ہوئی۔ اسے یہ سوچ کر خوش ہوئی کہ وہ ایسے ماحول میں بھی مکار اسکتی ہے۔

”ساجدہ بے قصور ہے قطعی بے قصور۔ دیوالیہ ہو جانے کے بعد اور یہ محوس کرنے پر اب ہیرے کی کان کا اشٹ زیادہ نہیں چل سکتا۔ میں نے یہ پروگرام بنایا تھا۔“ ارشاد نے کہا۔ درد کی شدت کی وجہ سے کراہنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔ ”میں نے ساجدہ کو اپنی پوزیشن کرائی۔ کراس بات پر آمادہ کیا کہ وہ میرے پالک پن کی فرضی داستان لے کر تمہارے پاس جائے اور میں کسی دوسرے ملک کو فرار ہو جاؤ۔ اگر میں اس سے یہ بتا دیتا کہ میں اپنی فرضی خود کشی کو منزہ پر لانے والا ہوں تو وہ بھی اس پر تیار نہ ہوتی۔ پھر میں نے شاہد کو تاریخ میں جا کر قتل کر دیا۔ دھارا سنگھ نے شاید کچھ دیکھ لیا تھا۔ اس نے مجھے اسے بھی قتل کر دینا پڑا۔ بہر حال سا ہمارہ قصور ہے۔ تم اسے بچانے کی کوشش کرنا۔“

”میا تم اس دن شاہد کے ساتھ زبیدہ کے پاس گئے تھے؟“

”ہاں.... اور میں نے یہی سب سے بڑی غلطی کی تھی۔“

”تم نے دیکھا کہ وہ کس طرح تم پر قربان ہو گئی؟“ اور نے نفرت سے منہ سکوڑ کر لیا۔

”جیسے ناپ آدمی کے لئے اس نے جان دے دی۔“ ارشاد نے اپنا منہ بازوؤں میں چھپا لیا۔

”تھوڑی دیر بعد آصف کچھ کاشیلوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ ارشاد کو دیکھ کر منہ سے بے ساختہ جیز نکل گئی۔ اور ہنسنے لگا۔“

”میں جھوٹے وعدے نہیں کرتا۔“ انور بولا۔

”مگر.... مگر....!“ آصف ہکلایا۔

”ہاں ہاں یہ ارشاد ہے۔ اس کا بھوت نہیں۔ جس کا قتل ہوا وہ شاہد تھا..... رضوان کا معاملے میں کوئی ہاتھ نہیں۔ وہ صرف زبیدہ والے حادثے کے ساتھ میں روپوش ہو گیا ہے۔“

”معتمد اب ایسا نہیں رہ گیا کہ جسے تم نہ حل کر سکو۔ اچھا گذشت۔ آور شو چلیں۔ ہم نے ابھی بھی نہیں کھایا ہے۔“

”مگر سنو تو سکی۔“

”اور جو کچھ پوچھنا ہو گھر آکر پوچھنا۔ ان دونوں کو فی الحال لے جاؤ۔“ انور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

”اگر میں حکم دیتا ہوں۔“ آصف بلند آواز میں بولا۔ ”اچھا ہی۔“ انور پلٹ کر بولا۔ ”پھر اڑنے لگے۔ تمہارے لئے یہی کیا کم ہے کہ اس کامیابی کا ہر اتھارے سر باندھ رہا ہوں۔ مجھے تو اپنے اخبار کی روپورٹ سے مطلب ہے۔ مگر ہاں کچھ کھانے کا انتظام کر سکتے ہو؟“

”تھوڑی دیر بعد انور اور رشیدہ ایک ریٹائرمنٹ میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔“ اگر وہ پرچہ میرے ہاتھ نہ لگتا تو میں کبھی اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکتا۔“ انور نے کہا۔ ”خیر چھوڑو ہٹاؤ۔ کوئی اور بات کرو۔ زبیدہ مفت میں ماری گئی۔ اُس کے اس جذبے کی میں قدر کرتا ہوں۔ کسی قاتل کا ساتھ دینے کے لئے بڑی ہمت چاہئے اور یہ معلوم ہو جانے کے باوجود بھی وہ حتی الامکان اسے چاہئے کی کوشش کرتی رہی کہ اُس کا تعلق دسری عورتوں سے تھا۔“

”مجھے تو اس سے قطعی ہمدردی نہیں۔“ رشیدہ نے کہا۔

”اور مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔“ انور بولا۔

”بہر حال ساجدہ جیل ضرور جائے گی۔“

”اوہ نہ چھوڑو بھی۔ اس وقت روانی گفلو کرنے کو دل پاہ رہا ہے۔“ انور سمجھیں گی سے بولا۔ ”دیکھو فضا کتنی خوٹگوار ہے۔ رات گیسوؤں کی طرح تاریک ہے اور تمہارے گیسو، تمہاری آنکھیں کتنی ہیں۔ ان میں آسمان سے ستارے اترے، آئے ہیں۔ رشو فرا آنکھیں بند کرو۔ کہیں پھوٹ نہ جائیں۔ ستارے بہت وزنی ہوتے ہیں۔ سنا ہے کہ بعض ہماری زمین سے بیٹے ہوتے ہیں۔“ رشیدہ بے اختیار بنس پڑی۔

## ختم شد

# جاسوسی دنیا نمبر 14

## تجویری کا گیت

### تعاقب

شہر کے باہر سنان اور تاریک سڑک پر ایک شاندار اور قیمتی کار انڈھیرے کا سینہ چیرتی ہوئی کی ناہ، علوم منزل کی طرف جا رہی تھی۔ گیارہ نئے چکے تھے۔ آسمان پر گرد و غبارہ ہونے کی وجہ سے ستادوں کی مدد حم روشنی اور انڈھیرے کے امترانج نے ایک بُر اسرار فضا پیدا کر دی تھی۔ لامپ کا ایک جگہ رک گئی۔ پھر اسے سڑک کے کنارے آگی ہوئی قدِ آدم جہاڑیوں میں انتار دیا گیا۔ درود سرے ہی لمحے میں دو آدمی کار سے اتر کر سڑک کے کنارے آکھڑے ہوئے ان میں سے ایک اپنے کانٹھے پر ایک موٹی سی رسی کا بذل لادے ہوئے تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے ٹالکے آر پار دور ختوں میں اس طرح رسی باندھ دی جیسے وہ کسی کار اسٹر رونکنا چاہتے ہوں۔ الکام میں فراغت پانے کے بعد وہ پھر جہاڑیوں میں آبیٹھے۔

”آخریہ اتنی درود سری کیوں!“ ان میں سے ایک بولا۔

”اسے درود سری نہ کہو، وہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔“ درود سرے نے جواب دیا۔

”یہ تم اسی لوٹھے کے لئے کہہ رہے ہوئے، جسے تم نے کل دکھایا تھا۔“

”آتی لاپرواںی سے اس کا تند کرہ نہ کرو۔“

”چھوڑو بھی تم نے خواہ مخواہ اسے ہوا بنا رکھا ہے۔“

(مکمل ناول)

اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ جنگل کے ننانے میں جھینگروں کی آوازیں ایسی معلوم ہوئی تھیں جیسے وقت نے اپنی عظیم تھائی سے اکتا کر کوئی گیت چھیر دیا ہو۔  
یہیں اور پولیس والوں سے کس طرح روپیہ ایشنا ہے۔ ”ایک نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔  
”ان کے راز انشاء کر دینے کی دھمکی دے کر وہ یہاں کے سارے پولیس آفسروں کی کمزوریوں سے اچھی طرح واقف ہے۔“

”اس کے ساتھ کوئی لڑکی بھی تو رہتی ہے۔“  
”ہاں اس کا نام رشیدہ ہے وہ بھی کم نہیں۔ بل یہ سمجھ لو کہ یہ دونوں ہم جیسے شریف آدمیوں کے لئے ہمیشہ درود سربنے رہتے ہیں۔“

”وہ لڑکی خوبصورت بھی کافی ہے۔“

”اوہ تو کیا اس پر عاشق ہونے کا ارادہ ہے۔“  
”میں عاشق نہیں ہوا کرتا۔ میرا اصول تو تم جانتے ہی ہو۔“  
دونوں معنی خیز انداز میں ہنسنے لگے۔

”مگر یار اتنا یاد رکھو کہ وہ بھڑوں کا جھٹتہ ہے۔“

”ہونہے..... بہت دیکھی ہیں۔ صوبیدار سمجھر صاحب کی لڑکی سے زیادہ خطرناک نہ ہو گی۔“  
”خیر ہٹاؤ میں بحث کرنا نہیں چاہتا۔“

”اوہ سنو! آواز آرہتی ہے۔ موڑ سائیکل کی آواز۔ تم دوسرا طرف چلے جاؤ۔“  
ایک اٹھ کر سڑک کے دوسرے کنارے پر چلا گیا۔

دور موڑ سائیکل کی ہیڈ لاٹس دکھائی دے رہی تھی اور جنگل میں کی کرخت آواز سے کونگ رہا تھا۔ روشنی سڑک پر پھیل رہی تھی۔ اچانک موڑ سائیکل رک گئی۔ شاید انور نے سڑک پر تیکی رہی دیکھی تھی۔ قمل اسکے کہ وہ موڑ سائیکل کو موڑتا ہے دونوں اسکے قریب پہنچ گئے۔

”خبردار..... میں بند کر دو۔“ ایک نے حکماں سے لجھ میں کہا۔

انور نے میں بند کر دی اور دونوں پیریں میکے موڑ سائیکل پر ہی بیٹھا رہا۔

”اگر تم نے ذرہ برابر بھی حرکت کی تو گولی تھا را بھجا جاؤ گے۔“ دوسرا بولا۔

اور پچھوں کی طرح کھل کھلا کر بنس پڑا۔

”یاد کیوں ڈراتے ہو اس اندر ہرے جنگل میں۔“ انور نے کہا۔ ”میرے جیب میں ڈھانی

”پلے اور زگس کی تصویر کے علاوہ کچھ اور نہیں چاہو تو وو پے لے لو۔ لیکن زگس کی تصویر ہرگز

”خیر بھی! مجھے تو اس وقت بھی یقین نہیں کہ ہم اسے پکڑتی ہیں گے۔“

”یاد تم خواہ مخواہ مجھے تاذنہ دلاو۔ وہ بھی ہماری طرح آدمی ہے۔ بھوت نہیں۔“

”میں اسے بھوت ہی سمجھتا ہوں۔“

”تم بزدل ہو۔“

”کیا کہا!“ دوسرا تیخ لجھ میں بولا۔

”خیر.... خیر.... اس وقت ہمیں آپس میں تکرار نہ کرنی چاہئے۔“

دوسرے نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

”اب تک اسے یہاں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ وہ ہمارے سامنے ہی روانہ ہو چکا تھا۔“ دوسرا

کہا۔

”ممکن ہے راستے میں کہیں رک گیا ہو۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر اسے اہمیت کیوں دی جا رہی ہے۔“

”ہم جانتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں ناٹک ضرور اڑائے گا اور یہی نہیں ہمیں یہاں بہنے کرنا ہے پولیس کی طرف سے تو اطیمان ہے وہ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ لیکن وہ بڑا ہیں میں سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ وہ ایک اخبار کار پورٹر بھی ہے۔ پس ذرا سا اشارہ مل جائیں اس کے بعد تو وہ ہماری پوری اسکیمیں اتنی وضاحت کے ساتھ چھاپ دیتا ہے میں مشوروں میں شریک رہا ہو۔“

”تو اس کا خاتمہ ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔“

”آج تک اس کا موقعہ ہی نصیب نہیں ہوا۔“

”میا حماقت کی باتیں کر رہے ہو۔ کیا ہم اس وقت اسے ٹھکانے نہیں لگ سکتے۔“

”مگر ہمیں اس کا حکم کہاں ملا ہے؟ میں تو پکڑ کر لے جانا ہے۔“

”اس میں نہ جانے کون سی مصلحت ہے جب وہ ایسا آدمی ہے تو اسے ختم ہی کر دینا چاہئے۔“

”بات یہ نہیں! اسے پولیس سے ہمدردی نہیں ہے وہ محض روپیہ ایشنس کے لئے ترا رہا۔“

آدمیوں کے کام میں روٹے انکایا کرتا ہے۔ یعنی اوہر سے بھی ہاتھ گرم کرتا ہے اور اولاد۔

بھی میرا خیال ہے کہ اس سے معاملے کے متعلق کسی قسم کا سمجھوتہ کیا جائے گا۔“

”تو کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ راضی ہو جائے گا۔“

”چھوڑو بھی! ہمیں اس سے کیا غرض۔ ہمارے ذمے جو کام ہے ہمیں اسے کرنا چاہئے۔“

”میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ وہ ایک بار پھر اپنے غصے کا اظہار کرہی رہا تھا کہ دفعتہ ایک ہما پھر اس کی پیشانی پر پڑا اور وہ جیخ مار کر الٹ گیا۔ اس کا ساتھی پہلے تو اس کی طرف چھپنا لیکن خوفزدہ ہو کر اسی کے ساتھ زمین پر لیٹ گیا۔ وہ اپنی سانس روکے آہٹ لے رہا تھا۔ ٹھوڑی بعد موڑ سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور پھر سننا چھا گیا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ ٹھوڑی دیر تک خوفزدہ نظرؤں سے ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر اپنے بے ہوش ساتھی کی طرف متوجہ ہوا جس کی پیشانی سے خون بہہ کر چہرے پر پھیل گیا تھا۔ اس نے اسے کامنہ سے پر اٹھایا اور جھاڑیوں سے نکل کر سڑک پر آگیا۔ چاروں طرف لامتناہی سنانا باری تھا کہ کسی نہ کسی طرح اپنے بے ہوش ساتھی کو کار نکل لے آیا۔ جھاڑیوں سے کار سڑک پر نکال کر کارخ شہر کی سجائے دیکھی علاقے کی طرف تھا، جیسے ہی کار سڑک پر مڑی انور جھاڑیوں سے نکل کر پیچھے لگ کر یہر پر پیٹھ گیا۔ ٹھوڑی دیر بعد کار فرائٹ بھرنے لگی۔

تقریباً پانچ یا چھ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کار ایک احاطے کے چھانک پر رک گئی۔ کار ڈرائیور نے والے نے اپنے بیہوں ساتھی کو پھر کامنہ سے پر لادا اور احاطے کا چھانک کھول کر اندر چلا گیا۔

انور آہستہ سے لج کر یہر سے اتر اور کار میں بیٹھا۔۔۔ اس نے بڑی پھرتی سے انہن اسٹارٹ کر کے گاڑی شہر کی طرف گھادی اور دیکھتے ہی دیکھتے احاطہ میلوں پیچھے رہ گیا۔ وہ اتنی سنجیدگی سے بیٹھا کار درائیور کرہا تھا جیسے وہ خود اس کی اپنی کار ہو۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

انور کے کردار میں یہ عجیب و غریب بات تھی کہ وہ کسی کو معاف کرنا تو جانتا ہی نہیں تھا۔ اس کا لفظ حیات انتقام تھا۔ اس کا قول تھا کہ زندگی کا انحصار صرف انتقام پر ہے۔ نظامِ فطرت کی اصل مبادلہ انتقام ہے جسے دنیا والوں نے مختلف نام دے رکھے ہیں۔ بہر حال اس وقت اس نے محض اپنی انتقامی اپرٹ کے تحت یہ دیکھنے اور سمجھنے کی زحمت گوارانہ کی کہ اس پر حملہ کرنے والے کوں تھے اور وہ اسے کہاں اور کیوں لے جانا چاہتے تھے بس وہ ان کی قیمتی کار لے بھاگا اور ٹھیک اسی جگہ پیچ کر جہاں ان لوگوں نے اُسے روکنے کے لئے سڑک پر رہی تانی تھی کار کھڑی کر دی اور یعنی اُتھر کار سے ایک بڑا سا پھر اٹھایا اور ہیئت لایت کے شیشے چکنا چور کر دیئے اور واپس لوٹنے کی تیاری کرنے لگا۔ لیکن وہ اپنی اس انتقامی کار والی سے مطلب نہیں تھا اچاک اسے ایک اور تدبیر سو جھی اس نے ٹرکل کی میکلی کھول کر اس میں دیا سلائی دکھادی اور دیکھتے ہی دیکھتے آگ کی لپٹوں نے پوری کار کو

نہ دول گا۔ کیونکہ وہ والد صاحب کو بہت پسند ہے۔“  
ان میں سے ایک بے ساختہ نہیں پڑا۔ لیکن دوسرا غرا کر بولا۔ ”بکواس بند کرو۔ ملار ساتھ چلو۔“

میں اس چھوٹی سی گاڑی پر دو آدمیوں کو کس طرح لاد سکوں گا۔ اگر چالان ہو گیا تو اُنہوں نے تشویش ظاہر کر تاہم بولا۔

”گاڑی چھوڑ کر رہت آؤ۔“

انور نے موڑ سائیکل کنارے کھڑی کر دی اور ان کے قریب آگیا۔

”اس کے ہاتھ پیر باندھ دو....!“ ایک نے دوسرے سے کہا۔

”ٹھہر و....!“ انور بولا۔ ”آخر تم چاہتے کیا ہو۔“

”تمہیں ہمارے ساتھ چلتا ہو گا۔“

”تو پھر ہاتھ پیر باندھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ چلنے سے انکار تو نہیں کیا۔“ انور نہایت سنجیدگی سے بولا۔

”تم بڑے مکار ہو۔“

”بد تیز....!“ انور تلخ لبھ میں بولا۔ ”تمہیں بات کرنے کا بھی سیقتہ نہیں۔“

”باندھ لو اسے۔“ وہ گرجن کر بولا۔

ایک آدمی جیب سے ایک پتی سی ڈور نکال کر انور کی طرف بڑھا۔ انور نے دونوں ہاتھ آنے پڑھادیے۔ ”اتنی اور رکھو کہ میں گن گن کر بدله چکانے کا عادی ہوں۔“ انور نے آہستہ سے کہ اس شخص نے جو اس کے ہاتھ باندھنے جا رہا تھا اس کے اس جملے پر نظر آمیز مسکراہٹ کے سامنے قہقهہ لگایا جیسے ہی وہ ڈوری لے کر آگے کی طرف جھکا۔ انور نے اپنے دلہنے پیر کا گھٹنا اٹھایا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ جیخ کر پیچھے کھڑے ہوئے ساتھی پر جاپڑاں انور ایک ہی جست چھاڑیوں کے پیچھے غائب ہو چکا تھا۔

دونوں انہوں کارس کے پیچھے لپکے۔

”دیکھ لیا تم نے۔“ ان میں سے ایک نے جھلا کر کہا۔

”خدا کی قسم زندہ نہ چھوڑوں گا۔“ چوتھا ہائے ہوئے آدمی نے غصیل آواز میں اور لٹکڑا تاہما جھاڑیوں میں دوڑنے لگا۔ لیکن شاید ابھی اس کی شامت اچھی طرح نہیں آئی تھی بے تحاشا جھاڑیوں میں گھستا پھر رہا تھا۔ اس کا ساتھی اُس کے پیچھے تھا۔

اپنے زندگی میں لے لیا۔ انور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس کا اندازہ کچھ اتنا پر اطمینان تھا جیسے وہ اپنے لامبا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس کا اندازہ کچھ اتنا پر اطمینان تھا جیسے وہ اپنے لامبا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

پھر وہ تیزی سے جھائیوں میں گھس گیا۔ اس کی موڑ سائکل ایک طرف کھڑی تھی تاہم پھر وہ چند لمحوں میں وہ تیزی سے شہر کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے وہ رسی بھی نہیں کھوئی تھی۔ اس سوچا کہ اگر وہ رسی کھو لے دیتا ہے تو پولیس والے کافی دردسری سے بچ جائیں گے۔ وہ دل عزا میں بنس رہا تھا کیونکہ اس نے سراغ رسانی والوں کے لئے ایک اچھا خاص امعنہ ہمیا کر دیا تھا کہ اسکی آصف کی بوكھلاہٹ قابل دید ہو گی۔ پھر اچانک وہ چوک پڑا۔ آڑھوہ لوگ تھے کون اور اکھاں لے جاتا چاہتے تھے۔ لیکن اب اس کے متعلق سوچنا ہی بیکار تھا اور پھر وہ اس واقعے کو ہر طریقے سے نکال دینے کی کوشش کرنے لگا جیسے اس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

غاباً میں انور صاحب سے ملنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔ ”اس نے انہی خوش اخلاقی کا ظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”یا مطلب....!“ انور ایک قدم پیچھے ہٹ کر گھبرائے ہوئے لبھے میں بولا۔ ”تو کیا پ.... میں خود انور صاحب کی تلاش میں آیا ہوں۔ کیا یہ ان کا مکان نہیں معاف کجھے گا۔“ انور اے کے لئے مژا۔

”ٹھہرو....!“ بھی درشت لبھے میں بولا۔  
انور کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں جانتا ہوں کہ تم بہت تذر آدمی ہو۔“ بھی امتحا ہوا بولا۔ ”لیکن تم ہر ایک کو بے توف نہیں بنا سکتے۔“

”میں تم سے ہر گز نہیں پوچھوں گا کہ تم کون ہو۔“ انور بے پرواہی سے بولا۔ ”خبریت اک اسی طرح زندہ رہتا ہے جیسے تپ دق کا مریض ناکارہ اور بے کار۔“

اس کے خیال کے مطابق پوری زندگی عظیم الشان مقابلہ تھی جس میں انسان آگے بھی بڑا سکتا ہے اور دوڑنے والوں کے پیروں تسلی رومنا بھی جا سکتا ہے۔

”تمہاری دوست رشیدہ مجھے یہاں بٹھا کر چل گئی ہے۔ غالباً وہ سوتے سوتے اٹھی تھی۔“

”خیر... خیر....!“ انور بیٹھتا ہوا بولا۔ ”یہ شریف آدمیوں کے ملنے کا وقت نہیں۔“  
”اچھا تو تم خود کو شریف سمجھتے ہو۔“ بھی مسکرا کر بولا۔

”نہیں میں تمہاری شان میں قصیدہ پڑھ رہا تھا۔“ انور بیزاری سے بولا۔

”خیر.... ہٹاؤ ہٹاؤ.... ان باتوں کو.... تم نے ہماری ایک اچھی خاصی کار بر باد کر دی۔“

”اور جو میرا اچھا خاصا وقت بر باد کیا تھا۔“ انور نے کہا۔ ”لیکن میں تم سے ہر گز نہیں بچا کر تم کون ہو اور مجھے کیوں پکڑ دانا چاہتے تھے۔“

اپنے زندگی میں لے لیا۔ انور کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

پھر وہ تیزی سے جھائیوں میں گھس گیا۔ اس کی موڑ سائکل ایک طرف کھڑی تھی تاہم پھر وہ چند لمحوں میں وہ تیزی سے شہر کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے وہ رسی بھی نہیں کھوئی تھی۔ اس سوچا کہ اگر وہ رسی کھو لے دیتا ہے تو پولیس والے کافی دردسری سے بچ جائیں گے۔ وہ دل عزا میں بنس رہا تھا کیونکہ اس نے سراغ رسانی والوں کے لئے ایک اچھا خاص امعنہ ہمیا کر دیا تھا کہ اسکی آصف کی بوكھلاہٹ قابل دید ہو گی۔ پھر اچانک وہ چوک پڑا۔ آڑھوہ لوگ تھے کون اور اکھاں لے جاتا چاہتے تھے۔ لیکن اب اس کے متعلق سوچنا ہی بیکار تھا اور پھر وہ اس واقعے کو ہر طریقے سے نکال دینے کی کوشش کرنے لگا جیسے اس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

وہ بہت زیادہ دور اندیشی کا قائل نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دنیا کے بڑے سے بڑے علاقوں کا مقابلہ صرف حاضر دماغی سے کیا جاسکتا ہے۔ منطقی دلائل اور دور اندیشی قطبی فضول جزو ہیں۔ دور اندیشی غلط راستے پر بھی لے جاسکتی ہے کیونکہ دور اندیشی کا تعلق مستقبل سے ہے اور مستقبل اندھیرے میں گم ہے۔ منطقی دلائل میں تفہیم کی بنیادی غلطی کے امکانات بھی ہو سکتے ہیں۔ لہذا جب بنیادی غلط ہو گی تو اس کیلئے دلائل اور جواز کیلئے سرمرا نادیو اگلی کے علاوہ کچھ نہیں۔ اسی نظریے کے تحت وہ ذہن کی ایسکی تربیت کا حادی تھا جو انسان کو بیش آنے والے حادی سے بجا طور پر نجات دلائے۔ اس تربیت کو اس نے حاضر دماغی کا نام دے رکھا تھا۔

وہ اکثر کہا کر تاھا کہ وہ شخص جو حاضر دماغ نہ ہو اسے زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اسی طرح زندہ رہتا ہے جیسے تپ دق کا مریض ناکارہ اور بے کار۔

اسکے خیال کے مطابق پوری زندگی عظیم الشان مقابلہ تھی جس میں انسان آگے بھی بڑا سکتا ہے اور دوڑنے والوں کے پیروں تسلی رومنا بھی جا سکتا ہے۔

”تقریباً ڈیڑھ بجے وہ گھر پہنچا۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کمرے کی روشنی بازی پر پھیل ہوا تھی۔ انور کو تعجب ہوا کہ اس وقت اس کے کمرے میں اس کی عدم موجودگی میں کون بیٹھا ہوا تھا۔“

پہلے اسے خیال آیا کہ ممکن ہے رشیدہ ہے۔ لیکن پھر اس نے سوچا کہ وہ کب کی سوگنی ہو گی اور ہم قلیٹ کی کنجی خود اس کے پاس تھی۔ رشیدہ نے کمرہ کیسے کھول لیا۔ اس نے برابر دلے فلیٹ کا کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو اندر نیلی روشنی دکھائی دی، جو اس بات پر دلالت کر رہی تھی کہ رشیدہ سورہ ہی ہے۔

”وہ بہت احتیاط سے اپنے فلیٹ میں داخل ہوا۔ اس کے لکھنے کی میز پر...“  
اس کی طرف پشت کے ہوئے کوئی میٹھا نہایت انہاں سے کچھ پڑھ رہا تھا۔ انور کے داخل ہوئے۔

کہتے ہیں۔ ”

کہاں جو خود کو قانون کا حافظ کہتے ہیں۔ ”

جانتے ہو تمہاری صد کا کیا انجام ہو گا۔ ” وہ انور کو تیز نظر وں سے گھورتا ہوا بولا۔

”موت...!“ انور مسکرا کر بولا۔ ”اور میں عرصے سے اس کی تلاش میں ہوں۔“

”تم ابھی بچے ہو۔“ اجنبی بزرگانہ انداز میں بولا۔ ”تم جیسے لوگوں کے لئے داراب اچاک

موت نہیں پسند کرے گا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ تمہاری زندگی کو جہنم ضرور بنا دے گا۔“

”تو میں زندگی کو جنت کب سمجھتا ہوں۔“

اجنبی خاموش ہو کر اسے گھوڑے لگا۔

”تو بہر حال تم انکار کر رہے ہو۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

”قطی...!“

”تم شاید بچ مجھ داراب کو معمولی سمجھتے ہو۔“ اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ ”خیر اگر تم داراب کی قوت

کا اندازہ لگانا چاہتے ہو تو کل شام کو پلازا تھیز ضرور جائے۔“

”اگر تم چیلنج کر رہے ہو تو ضرور آؤں گا۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”یہ چیلنج نہیں بلکہ دعوت ہے۔“ اجنبی نے مصافی کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس کے جانے کے بعد انور وہ شنی گل کر کے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔

## عنی مصیبت

دوسرے دن صبح انور اپنے نشست کے کمرے میں کوئی چیز تلاش کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے رشیدہ کو پے در پے آوازیں دینا شروع کیں۔

”لیکاہے۔“ رشیدہ کمرے میں داخل ہو کر جلاعے ہوئے بجھے میں بولی۔

”میری ڈائری۔“

”میں کیا جاؤں۔“

”یہیں تو تھی۔“

”رعی ہو گی۔“ میں کوئی شکیدار ہوں۔ ”رشیدہ نکل کر بولی۔

”اے رشیدہ۔“

”تم اتنے دلیر نہیں ہو جتنا ظاہر کرتے ہو۔“ اجنبی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”میں تم سے اس کے لئے کوئی سر نیقیت نہیں چاہتا۔“ انور خلک بجھے میں بولا۔

”پھر فضول با تسلیں چھڑ گئیں۔“ اجنبی نے کہا۔ ”میں تم سے ایک سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔“

”تو کیا میں اس وقت یہاں جھک مارنے آیا ہوں۔“ اجنبی جھلا کر بولا۔

”میں خود بھی سوچ رہا تھا۔“

”ویکھو انور...!“ وہ تیز بجھے میں بولا۔ ”یہ داراب کی خواہ ہے کہ تم اس سے سمجھوتہ کرو

”گون داراب...!“ انور طنزیہ بجھے میں بولا۔ ”وہی بروڈ، جو کسی جا سو سی ناول کے ڈا

طرح اپنی شخصیت کو نہ اسرا رہنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں کو

ہوں کہ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں وہ کوئی بہت ہی معمولی آدمی کی جا سو سی ناولیں پڑھ پڑھا کر رہے گی۔ میں اسے اتنی اہمیت نہیں دیتا کہ اس سے کسی قسم کا سمجھوتہ کروں۔ پولیس اس

سمجھتی رہے گی۔ میں شیر کی کھال میں چھپی ہوئی لوہڑیوں کو خوب پہچانتا ہوں۔“

اجنبی مسکرا تارہ۔ وہ شرارت آمیز نظر وں سے انور کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”تم داراب کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکتے۔“

”میں نے خوب اچھی طرح سمجھ لیا۔“ انور بیزاری سے منہ بناتا ہوا بولا۔ ”اگر وہ واقعی“

ہوتا تو ایسے ناکارہ آدمیوں کو سیرے پکڑنے کے لئے نہ بھیجا۔“

”لیکن اتنا یاد رکھو کہ وہ خود بہت خطرناک ہے۔“

”ہو گا مجھے اس سے کیا؟“

”خیر چھوڑو۔ ہم پھر بہک گئے۔“ اجنبی مسکرا کر بولا۔ ”داراب دراصل یہ چاہتا ہے کہ

اس کے معاملات میں دخل نہ دو۔“

”میں خواہ خواہ کسی کے معاملات میں دخل نہیں دیتا۔“

”لیکن تم ایک معاملے میں دخل دینے پر مجبور ہو جاؤ گے۔“

”اگر یہ بات ہے تو پھر دنیا کی کوئی قوت مجھے اس سے باز نہ رکھ سکے گی۔“

”اس سمجھوتے کے سلسلے میں تم جتنی رقم چاہو طلب کر سکتے ہو۔“ اجنبی اُس کی بات

دھیان دیئے بغیر بولا۔

”ش...!“ انور سمجھیگی سے بولا۔ ”اس قسم کی رقبیں صرف ان مجرموں سے۔“

"اے انور....!"

"میں تمہارے کان الکھاڑوں گا۔"

"میں تمہاری تاک الکھاڑوں گی۔"

اور خاموش ہو کر اسے گھوٹنے لگا۔

"تم نے رات میرا کمرہ کیسے کھولا تھا۔" انور نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"کنجی سے۔"

"مگر کنجی تو میرے پاس تھی۔"

"میں ہیش تمہارے فلیٹ کی ایک کنجی اپنے پاس رکھتی ہوں۔"

"لیکن تم نے رات کرہ کھولا ہی کیوں تھا۔"

"نہ کھولتی تو کیا اپنی نیند خراب کرتی۔ وہ اڑیل ٹوٹھا کون۔"

"تمہارے سالے زادناٹا کا بچا۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "میں پوچھتا ہوں تم نے کرہ کیوں کھولا تھا۔"

"وہ کہہ رہا تھا کہ میں بارجے پر بیٹھ کر انتظار کروں گا۔ میں سمجھی کہ کوئی خاص آدمی ہے اس لئے میں نے کرہ کھول دیا۔"

"میرے صندوق سے پانچ ہزار روپے غائب ہو گئے ہیں۔ اس کی ذمہ دار تم ہو۔"

"پانچ ہزار....!" رشیدہ قہقہہ لٹا کر بولی۔ سمجھی خواب میں بھی دیکھتے تھے۔

"چپ رہو۔" انور تیز لمحے میں بولا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ کسی دن تمہاری ہی وجہ سے میری گردن کٹ جائے گی۔"

"مجھے اس دن بڑی خوشی ہوگی۔ آخر بتاتے کیوں نہیں کہ کیا بات ہوئی۔"

"بیٹھ جاؤ۔" انور کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

رشیدہ بیٹھ گئی۔ انور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

"بھی ابھی وفتر بھی جانتا ہے۔" رشیدہ اکتا کر بولی۔

"ہوں....!" انور اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "میں کسی نے حادثے کے لئے تیار رہا چاہئے۔ میری ڈاٹری کا اس طرح غائب ہو جاتا کسی نئی مصیبت کا بیش خیہ معلوم ہوتا ہے۔"

"پھر انور نے اسے گذشتہ رات کے سارے واقعات بتادیئے۔"

"اور تم نے وہ کار بکج چکا جلا دیا۔" رشیدہ نے حرمت سے کہا۔

"ہاں.... اور مجھے افسوس ہے کہ میں اس کے دوسرے ساتھی کو بھی زخمی نہ کر سکا۔"

"تم بعض اوقات حق بچ بالکل جنگلی ہو جاتے ہو۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں نے تمہیں یہ واقعہ اس لئے نہیں بتایا کہ تم اتفاقیات پر ایک لیکھر دے ڈالو۔"

انور نے بیزاری سے کہا۔ "کہنے کا یہ مطلب ہے کہ ذرا ہوشیاری سے رہتا۔"

"تو کیا حق بچ تم، اраб سے الجھنے کا ارادہ رکھتے ہو۔"

"ہاں میں نے اس کا تھیہ کر لیا ہے اگر میری ڈاٹری غائب نہ ہوئی ہوتی....!"

"تو کیا ڈاٹری وہی لے گیا ہے، جو کل رات کو آیا تھا؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"میں یہی سوچنے پر مجبور ہوں۔"

"میری رائے ہے کہ تم اس بھگڑے میں مت پڑو۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں تم سے رائے نہیں طلب کر رہا ہوں۔" انور خنک لمحے میں بولا۔

"اچھا ہے بتاؤ کہ داراب وہی تھا جو کل رات کو آیا تھا۔"

"میں وہ تو ق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس نے نہایت عجیب و

غیری طریقوں سے شہر میں وارد اتنی کی ہیں۔ مخلہ سراغ رسانی والوں کے پاس اس کا کوئی ریکارڈ

نہیں۔ میرا خیال ہے کہ خود اس کے گردہ سے تعلق رکھنے والوں کو بھی اس کا علم نہ ہو گا کہ

داراب کون ہے۔"

"آدمی خطرناک معلوم ہوتا ہے۔" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "خبرداروں میں بھی اس کا

ڈاکر درہتا ہے۔"

"انداختہناک بھی نہیں جتنا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ اس طرح اپنی پبلشی کر ارہا

ہے.... خود کو ہوا باتانے کی کوشش میں مشغول ہے۔ یہ طریقہ بہت ولچپ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے

کہ دوں کے بعد پولیس والے اس سے خوف کھانے لگیں گے۔"

"یعنی وہ تمہیں خواہ مخواہ کیوں چھیڑ رہا ہے۔"

"یہ بھی اس کی ایک چال ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں بھی اس کا سراغ نہ لگا سکوں گا۔ اس لئے

مانے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی دانست میں اگر میں بھی ناکام رہا تو

میکا دھماک بیٹھ جائے گی۔ اگر اسے مجھے اپنے راستے سے ہٹانا ہی ہوتا تو وہ مجھے قتل کر دیتا۔"

"مول قتل کیسے کر دیتا۔"

"گرے یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔ اگر وہ دونوں چاہتے تو کل رات ہی کو مجھے ختم کر دیتے۔"

ظاہر ہے کہ وہ قتل سے بچ گاتا نہیں ہے کیونکہ اسی شہر میں کئی ایسے قتل ہوئے ہیں جو اسی کی دلار سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ لہذا یہ قطعی غلط ہے کہ وہ مجھ سے کسی قسم کا سمجھوتہ کرتا چاہتا ہے۔ ”واہ یہ بھی عجیب بات ہے۔“

”بہر حال تمہیں ہر طرح ہوشیار رہنا چاہئے۔ میں نے اس خرگوش کو اس کے اصل اور میں ظاہر کرنے کا تھیہ کر لیا ہے۔“

”تم جانو اس معاملے میں تو تمہیں شاید پچھہ روپیہ بھی نہ مل سکے۔“

”مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میں تو اسے اس چھیڑ چھاڑ کا مزہ چھلانا چاہتا ہوں۔“

”اب دیکھو اس طلبی ہوئی موڑ کا پولیس کیا اسکینڈل بناتی ہے۔“ رشیدہ نے کہا۔

”آن جانسکر آصف کا حلیہ دیکھنے کے قابل ہو گا۔“ اور مسکرا کر بولا۔

”وہ تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن درزی آج پھر تقاضا کر رہا تھا آخر تم اس کو مل کب ادا گے۔“ رشیدہ نے کہا۔

”اوہ... تم واقعی اس وقت بہت حسین معلوم ہو رہی ہو۔“

”میرے پاس اب ایک پائی بھی نہیں ہے۔“ رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

”اس کے باوجود بھی تم آج اچھی لگ رہی ہو۔“

”میں تجھ کہتی ہوں کہ ایک پیکٹ سگریٹ کے دام بھی نہ نکال سکوں گی۔“

”تب تو پھر مجھے اپنے ہی حسن کی تعریف کرنی پڑے گی۔“ اور بے بی کا اظہار کرتا ہوا رشیدہ نہ اسامنہ بنا کر دوسرا طرف دیکھنے لگی۔

”خیر یہ لو۔“ اس نے کنجیوں کا لچمار رشیدہ کی گود میں پھیک دیا۔ ”جا کر نیلے صندوق روپے نکال لو۔ درزی کامل بھی ادا کر دینا اور میرے لئے سگریٹ بھی لتی آتا۔“

”میں نہیں جاتی۔“

”دوڑ جاؤ... شابش....!“ انور نے کہا اور میز پر سے ایک کتاب اٹھا کر پڑھنے لگا۔ رشیدہ منہ بناتی ہوئی چلی گئی۔ انور نے کتاب رکھ کر اخبار کے لئے جاسوسی ناول کی فقط شروع کر دی۔ چند لمحوں کے بعد وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ تھوڑی دیر قبل اپنی ڈائری ڈھونڈ رہا تھا۔

”وہ تقریباً ایک گھنٹے تک لکھتا رہا۔ اس دوران میں رشیدہ اس کی میز پر سگریٹ کا پیکٹ رکھ کر ملا لیکن اسے خبر نہ ہوئی۔“

”تقریباً بچھے وہ پھر آئی۔“

”اے بھی دفتر چلا ہے یا نہیں۔“

”اویں...!“ انور چوک کر بولا۔ ”ضرور ضرور... اے آج میں نے ناشتہ بھی نہیں تکر کر جکیں کیا؟“

”ویکھو خواہ مخواہ مجھے غصہ نہ دلاو۔ میں کبھی تھا ناشتہ کرتی ہوں کہ آج ہی کر لیتی۔“

”چچ... تمہیں مجھ سے کہنا چاہئے تھا۔“

”میں تم سے کیا کہا کروں...!“ رشیدہ جھلا کر بولا۔ ”مجھے ذر ہے کہ کسی دن مجھے تم سے یہ بھی نہ کہنا پڑے کہ دیکھو گدھے میاں تھارے منہ سے رال بہر رہی ہے۔“

”میں تجھ کہتا ہوں رشیدہ نہ جانے کیون تھارے سامنے پچھے بن جانے کو دل چاہا کرتا ہے۔“ اور نے کہا۔

”اچھا بس بس بیکار باتیں بند۔“ رشیدہ نے تیز لمحے میں کہا۔ ”اٹھ کر کپڑے پہنو۔“

”اور نے پتل میز پر ٹھنڈی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”آج تم نے شیو بھی نہیں کیا۔“

”تالو بھی، روزانہ شیو کرنے سے ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔“ انور نے کہا۔

”پھر وہی فضول باتیں، تمہیں شیو کرنا ہی پڑے گا۔“

”اے تم تو جان کو آجائی ہو۔“

”چلو شیو کرو۔“ رشیدہ تکھمانہ لمحے میں بولی۔

”اور منہ سکوڑتا ہوا غسل خانے میں چلا گیا۔ رشیدہ میز پر بکھری ہوئی کتابیں درست کرنے لگی۔

”گھر سے نکل کر دونوں نے ایک ریسٹوران میں ناشتہ کیا اور دفتر کی طرف روانہ ہو گئے۔

”تقریباً دو بجے وہ دونوں تجھ کیلئے دفتر سے نکل رہے تھے کہ سامنے انسکرپٹ آصف آتا دکھائی دیا۔“ دیکھا تھا۔“ اور رشیدہ کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھ کر بولا۔

”آصف ان دونوں کے قریب آکر رک گیا۔ وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ وہ چند لمحوں تک انور کو خاموشی سے گھورتا رہا پھر اچاک بولا۔

”تم کل رات کہاں تھے۔“

”ایک تیکم خانے کے لئے چندہ اکٹھا کرتا پھر رہا تھا۔“ انور نے جواب دیا۔ ”لائز کی کوشش نہ کرو۔ اس بار تم بُری طرح بھنس گئے۔“

”اور میں اچھی طرح کب بھنتا ہوں۔“

”یہ تمہاری ڈائری ہے۔“ آصف نے جیب سے ایک چھوٹی کی نوٹ بکٹ کھالتے ہوئے لے  
”دیکھوں....!“ انور نے ہاتھ بڑھا کر ڈائری اس کے ہاتھ سے لے لی اور اس کے اور  
الٹ پلٹ کر دیکھنے لگ۔

”ہاں ہے تو میری ہی۔“ انور نے کہا اور ڈائری کو اپنے کوٹ کی اندر ونی جیب میں رکھ لے  
”لاو لاو ڈائری مجھے واپس کر دو۔“ آصف جلدی سے بولا  
”کیوں....!“

”اس کا تعلق ایک کیس سے ہے۔“  
”معلوم ہوتا ہے تم آج زیادہ پی گئے ہو۔“ انور نے کہا۔ ”ایک تو تم نے یہی جرم کیا کہ ا  
میرے کرے سے چالائے اور پھر اب خواہ جوہر و حونس جملے آئے ہو۔“  
”دیکھوں کہتا ہوں، ڈائری واپس کر دو۔“  
”کیسی ڈائری۔“ انور سنجیدگی سے بولا۔ ”تم نے اس ماہ میں ابھی تک میرا حق نہیں لو  
سے دیکھا بولا۔“

”مجھے سور و پیوں کی سخت ضرورت ہے۔“  
”فضول بکواس مت کرو اب مجھ پر اس قسم کی دھونس نہیں پڑ سکتی۔ میں نے وہ قمار خانہ  
بند کر دیا جس کی دھمکی دے کر تم مجھ سے روپے و صوں کر لیا کرتے تھے۔“  
”سنوجھائی انسپکٹر صاحب....!“ اگر تم ایک در بند کرتے ہو تو میں ہزار در کھول لیتا ہوا  
میرے پاس اس کا کافی ثبوت موجود ہے کہ سیٹھ داؤ دیکھائی تمہاری دانست میں ہزاروں روپے  
لو ہے کی چور بازاری کر رہا ہے تم نے ابھی حال ہی میں ایک ماخوذ جرم کو امریکہ کا ویزا دولا کری  
سے نکال دیا ہے۔ اس موقعے کی تصویر تک پیش کر سکتا ہوں جب تم ایک دیہاتی لڑکی کو خرید  
کے لئے ٹھوک بجا کر دیکھ رہے تھے۔“

آصف غبارے ہوئے انداز میں انور کی طرف دیکھنے لگ۔  
”اگر کہو تو دو ایک باتیں اور گناہوں۔“ انور مسکرا کر بولا  
”تم زیادہ دیکھ اپنی ان حرکتوں کو جاری رکھ سکو گے۔“ آصف تغیر آمیز انداز میں بولا  
”مستقبل کی تو میں جو نتے کی نوک کے برابر بھی پرواد نہیں کرتا۔ مجھے تو آج سور و پیو  
ضرورت ہے۔“

”تم مجھ سے اب ایک پائی بھی نہیں لے سکتے۔“ آصف گلزار بولا۔  
”عجیب الحق آدمی ہو یہاں شور مرت پا گا۔ چلو کسی ریسٹوران میں بیٹھ کر معاملہ طرکیہ  
کوں بھی وہیں ملا ہو گا۔“

”م۔“ انور نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔  
انور، آصف اور رشیدہ ایک ریسٹوران میں آئیں۔

”تو تم دوپھر کا لھانا کھاہی پکے ہو گے۔“ انور شرارت آمیز لجھے میں بولا۔  
آصف نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن وہ اسے غصہ بھری نگاہوں سے گھور رہا تھا۔  
”خیر چائے تو پیجے گے۔“ انور نے کہا اور پیرے کو بلا کر کھانے اور چائے کا آرڈر دیا۔  
”جانے ہو مجھے تمہاری ڈائری کہاں سے ملی تھی۔“ آصف نے کہا۔

”جانا ہوں کہ تم کوئی حیرت انگیز جھوٹ بولنے والے ہو۔“ انور نے کہا۔  
”جھوٹ....!“ آصف اس کی طرف دیکھنے لگ۔  
”نہیں بھی تھے....!“ انور آکتا کر بولا۔ ”پکھ کھو گئی بھی۔“  
”جمیریاں کے سنان علاقے میں رات ایک کار میں آگ لگ گئی۔“ آصف اسے تیز نظر و  
سے دیکھا بولا۔

”ارے....!“ انور چوک کر بولا۔ ”اچھا اب میں اپنی ڈائری کو منع کر دوں گا۔ اس قسم کی  
حرکتیں نہ کیا کرے۔“

”انور....!“ آصف کے لبھ میں سختی آگئی۔  
انور سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھنے لگ۔  
”کار کو راستے میں رسی حائل کر کے روکا گیا تھا اور پھر اسے توڑ پھوڑ کر اسیں آگ لگادی گئی۔“  
”لیکن پھر میں کیا کروں۔“ انور بولا۔  
”اور اس جلی ہوئی کار میں ایک لاش....!“  
”لاش....!“ انور چوک کر بولا۔

”ہاں! اور موڑ کے قریب تمہاری ڈائری پڑی پائی گئی ہے۔“  
انور ہنسنے لگا اور رشیدہ فکر آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔ بھلا یہ بھی کوئی ہنسنے کا  
کوئی تھا۔ ایسی حالت میں تو انور کو ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو جاتا چاہئے تھا۔ رشیدہ سوچنے لگی  
کہ آخر انور نے اس لاش کے متعلق کیوں نہیں بتایا تھا اور تھجج یہ بڑی الجھن کی بات ہو گئی کہ  
وہیں پر انور کی ڈائری بھی پائی گئی۔

”اور پکھ....!“ انور معنی خیز انداز میں مسکراتا ہوا بولا۔ ”میری پتلون کا پانچ اور جوتے کا  
کوں بھی وہیں ملا ہو گا۔“

بلڈ نمبر 4

آصف بولا۔

”شوق سے۔“ انور نے مسکرا کر کہا۔ ”میں سر کاری آدمیوں کے کام میں حارج ہونے کو

سمجھتا ہوں۔“

”بُر اپنے دنوں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ آصف نے اس کی جامہ تلاشی لی اور ٹھہرال ہو کر

کری پڑھ گیا۔ اسکے چہرے پر ندامت، غصے اور نفرت نے عجیب طرح کے آثار پیدا کر دیئے تھے

”بس....!“ انور اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”تم نے بھرے مجھے میں خواہ مخواہ میری توہین کی

ہے۔ اسے اچھی طرح یاد رکھنا۔“

”میں کہتا ہوں ڈاڑھی....!“

”ڈاڑھی نہیں ڈھیری۔ روزانہ تازہ اور خالص دودھ پیا کرو۔ اس سے دماغی توازن درست رہتا

ہے۔“ انور نے سمجھی گی سے کہا۔

”بیکار.... فضول.... تم نجف نہیں سکو گے۔“ آصف بے بھی سے بولا۔

”تم جیسا احسان فراموش بھی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ تمہارے لئے میں نے کتنے پاڑ

بیلے ہیں۔“ انور نے کہا۔

”وہ اپنی جگہ پر.... اس وقت میں اپنے فرائض کی انجام دہی پر مجبور ہوں۔“

”تو میں نے تمہیں کب روکا ہے۔ تم شوق سے مجھے گرفتار کر سکتے ہو۔ مگر میرا جرم....!“

”قتل اور آتش نزدیکی....!“ آصف اسے گھورتا ہوا بولا۔

”یعنی میں نے ایک آدمی کو قتل کر کے اس کی کار میں آگ لگادی۔“

”اب یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو۔“ آصف بیزاری سے بولا۔

”اور پھر میں اس لئے وہاں اپنی ڈاڑھی چھوڑ آیا کہ مر نے والا تھاںی کا احساس کرنے کے

لئے اس کا مطالعہ کرے۔“

”نہیں وہ جلدی اور گھبراہٹ میں تمہاری جیب سے گر گئی تھی۔“

”خیر.... خیر.... اس بے چارے کی لاش تو جل بھن گئی ہو گی۔ شاید صورت بھی نہ پیچانی

جائے۔“ انور نے کہا۔

”نہیں بیسی تو جھرت کی بات ہے کہ اسکے کپڑے سک نہیں جلتے۔“ آصف جلدی سے بولا۔

انور نے قہقہہ لگایا اور خوارت آمیز انداز میں آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

آصف پھر اس کی حرکت پر جھنجلا اٹھا۔

256

”مجھے تمہیں حرast میں لیتا پڑے گا۔“ آصف بے اسامنہ بناتا کر بولا۔

”تمہارے انداز سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم نے یہ ساری باتیں انتہائی سمجھی گئی کی ہوں۔“ انور نے کہا۔

آصف اسے قبر بھری نکالوں سے گھورنے لگا۔

”اگر تم واقعی یہ سب کچھ سمجھی گی سے کہہ رہے ہو تو پھر وہاں میری ڈاڑھی کا پالا جانا کیا تھا جیرت انگیز ہے۔“ انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”ڈاڑھی خود بخود تو وہاں بچھنے نہیں سکتی۔“ آصف تلخ لبجھ میں بولا۔

”بیکی میں بھی سوچ رہا ہوں۔“ انور آہستہ سے بولا۔ ”تو میرا خیال ہے کہ میری ڈاڑھی رانی کو کسی نے گھر سے غائب کر دی تھی۔ میں آج صبح اسے تلاش کر رہا تھا۔“

”تو گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کوئی تمہیں چھنانے کی کوشش کر رہا ہے۔“ آصف نے کہا۔

”اس کے علاوہ میں اور سوچ ہی کیا سکتا ہوں۔“

”کوئی مجرم آسانی سے اقبال جرم نہیں کر لیتا۔“

” مجرم....!“ انور سمجھی گی سے بولا۔ ”انور کو اتنی آسانی سے مجرم بنا دینا بھی کھیل نہیں ہے انسپکٹر صاحب۔“

”میں کچھ کہتا ہوں کہ اس بار تمہاری دھمکیاں کار گرنہ ہو سکیں گی۔“ آصف نے کہا ”مجھے تھے سے ہمدردی ہے تمہاری شرارت پسند طبیعت کے باوجود بھی مجھے تم سے اُنس تھا۔ مگر اس بار میں مجرور ہوں۔“

انور نے ایک طنز میں ڈوبا ہوا تھہہ لگایا۔

آصف دانت پیس رہا تھا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ اسے خود ہی پھانسی دے دیتا۔

”لااؤ وہ ڈاڑھی مجھے واپس کر دو۔“ آصف کڑوے لبجھ میں بولا۔

”کیسی ڈاڑھی.... کون سی ڈاڑھی؟ خواب تو نہیں دیکھ رہے ہو۔“ انور نے سمجھی گی سے کہا

”ان سب باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ اس کا اندر راجح کاغذات میں ہو چکا ہے۔“

”ہوا میں اڑ رہے ہو شاید....!“ انور مسکرا کر بولا۔

”اب مجھے تختی کرنی پڑے گی۔“ آصف جھنجلا کر بولا۔

”میں پولیس والوں سے ہاتھ پائی کرنے کو کہیں پن سمجھتا ہوں۔“ انور نے سمجھی گی سے کہا

”اگر تم سید ہی طرح نہ دو گے تو میں یہیں سب کے سامنے تمہاری جامہ تلاشی لوں گا۔“

”خیر خیر۔“ آصف اٹھتا ہوا بولا۔ ”تمہیں جلد ہی اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔“  
اور کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ ریستوران سے چلا گیا۔  
رشیدہ جریت سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ انور نے آنکھ کے  
ہڈی سے جعل سکی۔ آگ لگانے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ لاش پیچانی نہ جاسکے۔ لیکن تم کبھی  
ہو کہ مقتول کے کپڑے نمک نہیں جلتے۔ اس کا یہ منطلب ہوا کہ کار کے جعل جانے کے بعد لاش  
پھر وہ دونوں ریستوران سے نکل کر آفس کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے پھر خاموشی رہی۔  
وزیر موس کرہاتا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

آفس پہنچ کر اس نے رشیدہ کو اپنے کمرے میں چلنے کے لئے کہا۔ رشیدہ بہت زیادہ بے چین  
ظرفیتی تھی۔

”وہ تصویری.... یعنی.... کہ وہ....!“ رشیدہ انک انک کر بولی۔

”ای آدمی کی تھی جو کل رات کو مجھ سے ملنے آیا تھا۔“ انور نے جملہ پورا کر دیا۔  
”اور وہی میری ڈاڑھی بھی لے گیا تھا۔“

”اور ڈاڑھی کیا ہوتی۔“

”وہ میں نے اسی وقت ایک زمین دوز گندے ہالے میں ڈال دی تھی جب آصف کے ساتھ  
ریستوران جا رہے تھے۔“ انور بولا۔

”اے....!“

”ہاں اور اب تک پانی کے بہاؤ نے اس کے پرچھ ازاد یے ہوں۔“

## اسٹیج کی واردات

”سن انور....!“ رشیدہ سنجیدگی سے ہوئی۔ ”مجھے ایک زندگی سے پیدا ضرور ہے لیکن میں یہ  
میں نہیں چاہتی کہ ہم لوگ قانون کی نظرؤں میں محروم ہیں۔“

”وہ تو زبردستی بننا پڑا۔ بھلا اس میں میرا کیا تصور....!“

”تم سب کچھ آصف سے بتا کیوں نہیں دیتے۔“

”گورنمنٹ ہمیشہ حورت ہی رہے گی۔ خواہ وہ کتنی ترقی کیوں نہ کر جائے۔ جانتی ہو کہ اس کا  
لماں جام ہو گا وہ مستقل طور پر میرے پیچھے پڑ جائے گا۔ لیکن رشیدہ میں نے تمہیں کبھی اس بات پر  
تشقی نہیں ہوئی۔“

”تو بہر حال یہ انور کی حرکت ہے۔“ انور نے کہا۔

”قطی.....!“ آصف خود اعتمادی کے ساتھ سر ہلا کر بولا۔

”بھلا میں نے اسے قتل کس طرح کیا اور کار میں آگ لگانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔“ بہر  
کہ لاش ہی نہ جعل سکی۔ آگ لگانے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ لاش پیچانی نہ جاسکے۔ لیکن تم کبھی  
ہو کہ مقتول کے کپڑے نمک نہیں جلتے۔ اس کا یہ منطلب ہوا کہ کار کے جعل جانے کے بعد لاش  
اس میں ڈالی گئی۔“

”تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو۔“ آصف نے کہا۔

”یہی کہ تم خواہ نخواہ میرے پیچھے پڑ کر اپنا وقت بر باد کرو گے۔“

”یہ تمہارا اپنا خیال ہے۔“ آصف بیزاری سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

انور اور رشیدہ کھانا کھا پکے تھے۔ اس کے بعد چائے کا دور شروع ہوا جس میں طعام و کرنا

آصف کو بھی شریک ہونا پڑا۔

”لاش کس کی ہے۔“ انور نے پوچھا۔

”یہ تم مجھ سے بہتر جان سکتے ہو۔“ آصف نے کہا۔

”آپ کیوں خواہ انور کو چھاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔“ رشیدہ جملہ کر بولی۔

”تم انور کو اتنا شریف کیوں سمجھتی ہو۔“ آصف مسکرا کر بولا۔

”اس نے کہ وہ شریفوں کی بیجہ ادھیز تارہ تھا۔“ رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

”تم مت بولو سمجھی۔“ انور رشیدہ کو پیار بھری آنکھوں سے دیکھتا ہوا بولا۔ پھر آصف کو

نمطاب کر کے کہا۔ ”آخر داد آدمی ہے کون۔“

آصف نے ایک تصویر نکال کر میز پر ڈال دی۔ انور کو اگر اپنی طبیعت پر قابو نہ ہوتا تو“

شدت سے چوک پڑا ہوتا۔ رشیدہ بھی انور کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ دیکھ کر سن بھل گئی۔ اُنے

آصف کے سر کے ہل کھڑے ہو جانے پر اتنی جریت نہ ہوتی جتنی کہ اس تصویر کو دیکھ ہوئی۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“ انور نے کہا۔

”وہ تو تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔“ آصف نے تصویر کو جیب میں رکھتے ہوئے کہا

”میں پھر کہتا ہوں کہ ڈاڑھی مجھے واپس دے دو۔ ورنہ اچھا نہ ہو گا۔“

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ انور جملہ کر بولا۔ ”جامہ تلاشی لے پئنے پر بھی تمہارا

تشقی نہیں ہوئی۔“

محجور نہیں کیا کہ تم ہر معاٹے میں میرا ساتھ دیا کرو۔“

”تم غلط سمجھے ہو۔ تمہاری بھلائی کے لئے کہہ رہی تھی۔“

”میں اپنی بھلائی کو عرصہ ہواد فن کرچکا ہوں۔“ انور سنجیدگی سے بولا۔ ”میں مریمہرا۔“

”طرح زندہ نہیں کوئی جواب نہ دیا۔ دنیا کی بہتی ہوئی دولت میں میرا بھی حصہ ہے۔“

”رشیدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے انور کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔“

”میں سمجھتا ہوں کہ تم زندگی کی یکسانیت سے آتا گی ہو۔ تمہارا عورت پن جاں اٹھاہے۔“

”آصف کے بیان کے مطابق لکھا۔“ اپنی جنس کی قدرت کے مطابق تمہیں زندگی میں ہر لمحہ تبدیلی بھی چاہئے اور سکون بخوبی۔

”تو ہوڑی دیر بعد ایک چڑا اسی اندر آکر اس کی میز پر ایک لفاف رکھ گیا۔ انور لکھنے میں مشغول اچھی طرح جاتا ہوں کہ تم اپنی بھلی زندگی کی یکسانیت سے آتا کر میری طرف بھلک آئیں تم۔“

”تم کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو اور اب پھر اس زندگی میں لوٹ جانا چاہتی ہے۔ مجھے ذرہ برابر بھی اس کا افسوس نہ ہو گا۔“

”تم شے جانے کیسی بھکی بھکی باشیں کر رہے ہو۔“ رشیدہ نے منہ بنا کر کہا۔ ”تم شے دوت دی تھی۔ گر آصف کے بیان کے مطابق وہ قتل کر دیا گیا تھا۔ پھر یہ کیا معہ ہے۔“

”میں وہی کہہ رہا ہوں جو تمہارے دل میں ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے دوست۔ انور نے گھنٹی بجا کر چڑا اسی کو اندر بیالا۔“ اور رہیں گے لیکن اب ہم دونوں کی راہیں مختلف ہو جانی چاہئیں۔“

”کیوں....؟“

”میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچے۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”واراب بہت ہی اوچھی طبیعت کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ انور نے کہا۔ ”بہر حال اس۔“

”بہرنا بھی پڑے گا۔“

”میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔“

”تو میں نے تم سے مشورہ کب مانگا ہے۔“

”جو میں کہوں گی تمہیں وہی کرنا پڑے گا۔“ رشیدہ تیز لمحے میں بوی۔

”فضول بکواس نہیں، جاؤ اپنا کام کرو۔“

”اگر تم نے میرا کہنا شما تا تو۔۔۔!“

”تم مجھ سے شادی کر لو گی۔“ انور نے جملہ پورا کر دیا۔

رشیدہ اسے کھا جانے والی نظر وہی سے گھومنے لگی۔

”میں آصف کو سب کچھ بتا دوں گی۔“

”بتا دو۔۔۔! میں اسے ایک بوجھا بچہ سمجھتا ہوں۔ اگر میں ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا ہو تو۔“

”بلے اولاد آصف ہی کے برابر ہوتی۔“

”ویکھو اس سلسلے کو مذاق میں مت ڈالو۔“ رشیدہ نے کہا۔

”تم یہاں سے جاتی ہو یا کان پکڑ کر نکال دوں۔“

”ویکھو انور میں کسی دن تمہاری کھال اتار دو گی۔“ رشیدہ نے کہا اور پیر پختگی ہوئی باہر چل گئی۔

”اپنے دوسرے دن کے اخبار کے لئے اپنی روپرٹ میں مکمل کرنے لگا۔ رات دا لے حادثے کو اس

”آصف کے بیان کے مطابق لکھا۔“

”تو ہوڑی دیر بعد ایک چڑا اسی اندر آکر اس کی میز پر ایک لفاف رکھ گیا۔ انور لکھنے میں مشغول

”تم ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو

”کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو

”کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو

”کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو

”کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو

”کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو

”کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو

”کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو

”کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو

”کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو

”کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو

”کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو

”کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو

”کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو

”کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو

”کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفاف اٹھا کر کھولا۔۔۔۔۔ اس میں پلازا تھیز کے آر کشرا کے دو

”یعنی آج دوسرے راستے سے گرجاؤ۔“

”تم سے مطلب....!“

”نہیں مجھ سے کوئی مطلب نہیں۔“ اور منہ سکوڑ کر بولا۔ ”میں تو اس لئے کہہ رہا تھا تمہیں خواہ مخواہ کوئی سواری کرنی پڑے گی۔“

اور پھر انور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر آفس سے چلا آیا۔ اپنی موڑ سائیکل کھلا کر سیدھا کو تو ایں کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اُسے اس بات پر حیرت ہوئی کہ کو تو ایں میں کسی نہ کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔

آصف کو تو ایں میں موجود تھا۔ انور کو دیکھتے ہی جھلا گیا۔

”کیا رہا یہاں کیوں آئے ہو۔“

”تو یہیں مدد سے یہ پہنچنے کا حق نہیں، میں ایک اخبار کا کرامہ روپورٹر ہوں اور اس کے باقاعدہ لاتسنڈر رکھتا ہوں۔“ اور مسکرا کر بولا۔

”بہت اچھا یہاں یہ مشورہ ہی ہو رہا تھا۔ تمہیں شے میں گرفتار کر لیا جائے۔“ آصف نے کہا اس شہر میں کوئی بڑی واردات ہے..... والی ہے..... بہت بڑی..... اسے لکھ لو۔“ ”میں گرفتار ہی ہونے کے لئے آیا ہوں۔“ انور نے طنزیہ لمحے میں کہا۔ ”میں ذرا وہ صورتی دیکھتا ہوں جو میری گرفتاری کے متعلق مشورہ کر رہی تھیں۔“

”دیکھو برخوردار یہ انگلینڈ کی پولیس نہیں ہے۔ یہاں اقبال جرم کرانے کا جو طریقہ رہتا ہے اس سے تم واقف ہو۔“ آصف نے کہا۔

”میں اچھی طرح جانتا ہوں آصف صاحب! ذرا وہ طریقہ اختیار کر کے دیکھئے۔“ ”صاحب زادے ہو۔“ آصف مسکرا کر بولا۔ ”یہ کہو میں نے اس ڈائری کو اپنے ہی نک محدود رکھا۔ ماورثہ آئے وال کا بھاؤ معلوم ہو جاتا۔“

”تم نے یہ کہہ کر میرا دل جیت لیا میرے پیارے محبوب۔“ اور رومانٹک انداز میں بولا۔ آصف نے نفرت سے منہ پھیر لیا اور انور کے ہونٹوں پر شرات آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

”پلازا تھیڑ چل رہے ہو۔“ انور نے پوچھا۔ ”وھنٹا آصف چونک پڑا۔“

”کیا مطلب! تمہیں کیسے معلوم ہو۔“ آصف اسے تھیر آمیز نظرؤں سے دیکھتا ہوا بولا۔“ سوچ میں پڑ گیا کہ آصف کے اس رویے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

”دنیا کی کوئی ایسی بات ہو سکتی ہے جس سے مجھے واقفیت نہ ہو۔“

آصف اسے گھورنے لگا۔

”پلازا کے نیجے سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ لگٹ اس نے نہیں بھیجے۔ لیکن وہ آج“

”پلازا کے نیجے سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ لگٹ اس نے نہیں بھیجے۔ لیکن وہ آج“

”صرف تمہارے ہی پاس آئے ہیں۔“ انور نے پوچھا۔

”نہیں دو تین افراد کو بھی کسی نے آج کے شو کے لئے مدعا کیا ہے۔“ آصف بولا۔

”تمہیں اس کی اطلاع کس طرح ہوئی۔“

”ایک کرامہ روپورٹ کا فرض ہے کہ وہ اس قسم کی اطلاعات بہم پہنچاتا رہے۔“

آصف پچھلے دیر خاموش رہا پھر بولا۔

”یقیناً تباہ تو اس کی طرح پہنچی تھی۔“ آصف نے کہا۔ ”میں تم سے اس قسم“

”کے جرم کی توقع نہیں رکھتا۔“

”تو یہیں مدد سے یہ پہنچنے کا حق نہیں، میں ایک اخبار کا کرامہ روپورٹر ہوں اور اس کے باقاعدہ لاتسنڈر رکھتا ہوں۔“ اور مسکرا کر بولا۔

”اب آئے سید ہی راہ پر...!“ انور نہیں کر بولا۔ ”کوئی مجھے پہنانے کی کوشش کر رہا ہے۔“

”الشہر میں کوئی بڑی واردات ہے..... والی ہے..... بہت بڑی..... اسے لکھ لو۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

”مطلوب! بہت جلد واضح ہو جائے گا۔“ انور نے کہا۔ ”لاش کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ“

”کیا ہے۔“

”نہیں اور ایک ولچپ اطلاع۔ اس کی ڈائری نقلی ثابت ہوئی۔“

”انور نے قہقهہ لگایا اور شرات آمیز نظرؤں سے آصف کی طرف دیکھنے لگا۔“

”تمہارے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہو۔“

”بھلماں کیا جان سکتا ہوں۔“ انور نے سنجیدگی سے کہا۔

”تم شیطان ہو۔“ آصف بزرگانہ شفقت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

”بے کار! بالکل بے کار! اس قسم کے پیار بھرے حربے میرے لئے قلعی بیکار ہیں۔ اگر میں کو جانتا ہو تو تو یہی بتا دیتا۔“

”خیر خیر....!“ آصف مسکرا ہوا بولا۔ ”تم تو میرے ساتھ پلازا چل رہے ہو۔“

”تمہارے ساتھ کیوں؟ کیا میں اس شہر کی اہم شخصیت نہیں ہوں۔“

”میا مطلب....!“ آصف چوک کر بولا۔

”ظاہر ہے کہ مدعا کرنے والے نے مجھے بھی مدعا کیا ہو گا۔“ انور لاپرواٹی سے بولا۔

”اور تم مدعا کرنے والے کو نہیں جانتے۔“ آصف نے پوچھا۔

”جب یہاں کاتا برا سراغ رساں نہیں جانتا تو بھلا میں بے چارہ کیا جان سکتا ہوں۔“ اور طنزیہ انداز میں بولا۔

”انور تم بعض اوقات سخت تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔“

اور ہنسنے لگا اور آصف اسے برآمدے میں چھوڑ کر دفتر میں چلا گیا۔

تحوڑی دیر بعد انور کی موڑ سائیکل پلازا تھیٹر کی طرف جا رہی تھی۔ سائز ہے پانچ نئے پانچ نئے تھے۔ ڈرامہ شروع ہونے میں آدھا گھنٹہ باقی تھا لیکن بھیڑ کا یہ عالم تھا کہ کمپاؤنڈ میں شانے شانہ چل رہا تھا۔ اس دوران میں جب کہ فلم اتنی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اسٹیک کوئی ایریہ بغیر میں رقص کر رہی تھی۔ قریب ہی سے سچ پر ایک ڈاکو نمودار ہوا جس نے اپنا چہرہ سیاہ نقاب نہیں رہ گئی، لیکن پھر بھی پلازا تھیٹر کا ہاں تماشا یوں سے بھرا رہتا تھا۔ جس کی سب سے بڑی ایریہ سے چھپا رکھا تھا۔ ہیر و نئن اس کی آمد سے بے خبر تھی۔ وہ اپنے فن میں ڈوبی ہوئی رقص کرتی ایک رقصہ شیلارانی تھی۔ حال ہی میں وہ فرانس، جرمنی، انگلینڈ اور اطالیہ میں اپنے فن ری۔ دفعاً ڈاکو نے جیب سے پستول نکالا ایک زور دار دھاکہ ہوا اور ہیر و نئن چین مار کر گر پڑی۔ مظاہرے کر کے واپس آئی تھی۔ دورے کے درمیان میں اس نے غیر ملکی طرز رقص سے پڑھنے دیا گیا۔

”کتنی پچ اداکاری تھی۔ کتنی سچی جیج۔“ آصف بولا۔ خاصاً استفادہ کیا تھا اور اس طرح اس کے آرٹ کو ایک منی زندگی بخش دی تھی۔ حالانکہ ہاں ملک میں فن کے پر کھنے والے کم ہیں لیکن شیلارانی جو ان بھی تھی اور پھر کیا چاہیے اس کے بجائے لوح جسی لوگوں کو اسی طرف متوجہ کر لینے کے لئے کافی تھا۔

انور ہاں میں جا کر بیٹھ گیا۔ آرکسٹرا اسکی چند نشتوں کے علاوہ سارا ہاں بھرا ہوا تھا۔ اور اس سوچا کہ یہ خالی جگہیں وہی مخصوص نشتبیں ہو سکتی ہیں جن کے نیک کسی نامعلوم آدمی۔ پولیس کے چند آفسروں کے پاس پہنچوائے ہیں۔

تحوڑی دیر کے بعد ان پلکٹر آصف چار دوسرے پولیس آفسروں کے ساتھ ہاں میں داخل ہوا کوئی بھی تھا۔ انور کی سیٹ کے بعد پانچ نشتبیں خالی تھیں۔ وہ پانچوں آکر بیٹھ گئے۔ آصف انور کی تھی اسی لئے نیرے برابر کی سیٹ ابھی تک خالی ہے۔

”دو نیک کیوں۔“

”شائد ایک رشیدہ کے لئے تھا۔“

”تو اسے کیوں نہیں لائے۔“

”وہ خود نہیں آئی۔“

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

تحوڑی دیر بعد ہاں آرکسٹرا کی دھنوں سے گونجنے لگا۔ ہاں کی روشنی گل ہو گئی اور اسٹچ

بھاگنے لگا۔ پردہ انھا اور ڈرامہ شروع ہو گی۔ ڈرامہ زیادہ دلچسپ نہ تھا۔

”بھی یہاں تو کوئی خاص بات نہیں...“ آخر آصف کچھ کہتے رک گیا۔

”فوس کیوں کر رہے ہو۔ مفت ہاتھ آئے تو مرا کیا ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔

میں پر میں بدلتے رہے۔ آخر کار وہ موقع آیا جب ڈرامے کی ہیر و نئن شیلارانی اپنے پائیں

شانہ چل رہا تھا۔ اس دوران میں جب کہ فلم اتنی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اسٹیک کوئی ایریہ

نہیں رہ گئی، لیکن پھر بھی پلازا تھیٹر کا ہاں تماشا یوں سے بھرا رہتا تھا۔ جس کی سب سے بڑی ایریہ سے چھپا رکھا تھا۔ ہیر و نئن اس کی آمد سے بے خبر تھی۔ وہ اپنے فن میں ڈوبی ہوئی رقص کرتی

ایک رقصہ شیلارانی تھی۔ حال ہی میں وہ فرانس، جرمنی، انگلینڈ اور اطالیہ میں اپنے فن ری۔ دفعاً ڈاکو نے جیب سے پستول نکالا ایک زور دار دھاکہ ہوا اور ہیر و نئن چین مار کر گر پڑی۔

مظاہرے کر کے واپس آئی تھی۔ دورے کے درمیان میں اس نے غیر ملکی طرز رقص سے پڑھنے دیا گیا۔

”کتنی پچ اداکاری تھی۔ کتنی سچی جیج۔“ آصف بولا۔

”اوکاری نہیں حقیقت۔“ انور تیزی سے اٹھتا ہوا بولا۔ وہ سچ مجھ ختم ہو گئی ہے اور پھر پردے

کے پیچے شور مجھ گیا انور اسٹچ کی طرف جبنا۔

”ارے ارے کیا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ آصف چینا۔

”جلدی آؤ... جلدی آؤ...!“ انور ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔ دوسرے لمحے میں وہ اسٹچ پر تھا۔

شیلارانی اسٹچ پر مردہ پڑی تھی اور چند ایکٹر اس کے گرد کھڑے بڑی طرح جیج رہے تھے۔ ان میں

ہذا کو بھی تھا اس کے ہاتھ میں ابھی تک پستول دبا رہا تھا۔ گولی شیلارانی کے سر پر لگی تھی۔

انور نے پلٹ کر دیکھا آصف بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسٹچ پر آگیا تھا اور جیرت سے

اکھیں پھاڑے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”جلدی کرو۔“ انور بولا۔ ”کوئی باہر نکل کر نہ جانے پائے۔“

آصف پردے کے باہر آگیا۔ ہاں میں بیٹھے ہوئے لوگ شور چمار ہے تھے۔ ان کی سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا کہ یک نیک یہ کیسی بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔

”حضرات....!“ آصف تماشا یوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”میں ملکہ سراغ رسانی کا انپکٹر آپ سے استبد عاکر تا ہوں کہ آپ میں سے کوئی ہاں کے باہر نہ جائے۔ رقصہ جیج قتل ہو گئی ہے۔“

تماشا یوں میں جیجان پھیل گیا۔ تھوڑی دیر بعد سب دروازے مقفل کر دیے گئے۔ آصف

ھوڑی دیر بعد ہال میں پولیس والوں کے علاوہ کوئی اور نہ رہ گیا۔ حادثے کی اطلاع پا کر کچھ اورزے دار آفیسر بھی پہنچ گئے تھے۔ وہ ایکٹر جوڈا کو کاپارٹ کر رہا تھا حراست میں لے لیا گیا تھا۔ اس وقت اشیق پر جو ایکٹر اور پر دھ کھینچنے والے موجود تھے پولیس نے ان کو بھی نہیں چھوڑا تھا۔ پولیس والے لوگوں کے بیانات لینے میں انجھے ہوئے تھے اور انور کی اور ہی فکر میں تھا۔ اس کی نہایت پورے اشیق کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس سین کے لئے خاص طور سے اشیق ترتیب دیا گیا تھا۔ داہنی طرف لکڑی کی ایک دیوار میں اس طرح رنگ کاری کی گئی تھی کہ وہ کسی کو ٹھی کے سامنے کا حصہ معلوم ہو رہا تھا اور ایک سامبان بنانا ہوا تھا جسے بیچے سے روکنے کے لئے لوہے کے کٹی چڑی لائے گئے تھے۔ شیلارانی ٹھیک اسی سامبان کے سامنے ناچ رہی تھی۔ انور اس کی جگہ جا کر کھڑا ہو گیا جس سے ابھی ابھی شیلارانی کی لاش ہٹائی گئی تھی۔ اس کی نہایت بار بار سامنے والے سامبان کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

”تو تمہیں اس حادثے کی اطلاع پہلے سے تھی۔“ آصف نے انور سے پوچھا۔  
 ”تم عجیب آدمی ہو۔“ انور چڑکر بولا۔ ”انپنا کام کرو۔ میرے بیچھے کیوں پڑ گئے۔“  
 ”تمہیں کہاں پڑ گا۔“

”ہم لوگوں کے پاس ملک کس نے پہنچائے تھے۔“ آصف تیر بجھے میں بولا۔

”افریس اپ والی طسم ہو شربانے۔“

”ھک ٹھک بتاؤ۔“ آصف دانت پر کر بولا۔

”تمهار او طاقت نہیں رخا۔“ گوا ”انہیں نہ کہا۔

مکالمہ میں رہنے والے

”سرچوڑ لیتا رہے گا۔“ انور نے مسکرا کر جملہ بول رکر دیا۔ ”تم آؤ گے یہ باذنوٹ...!“

”شہر و تاتاریہا، آصف، غصہ میں بولیکم، آفسر، کامپٹر فی بیشنگھام اور“

”تمہاری مرضی.....!“ انور نے لاپرواں سے اپنے شانوں کو جنم دیتے ہوئے کہا۔ ”کل یہ،  
نہ لائے خلاف پر روزِ خداستگی گذرا جائیں گی۔“

”آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں۔“ ریو اور والا دوسرا یکٹروں کی طرف اشارہ کر کے یالا میل بیہاں سے ہٹ کر کہیں نہیں گیا۔“

ایکٹر دل انے اس کے لامبا کھانا کر کے بھلا میں کیا جانول

”آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں۔“ ریو اور والا دوسرا ایکٹر دل کی طرف اشادہ کر کے بولے  
”میں یہاں سے ہٹ کر کہیں نہیں گیا۔“  
ایکٹر دل نے اس کے پیان کی تائید کی۔

”عجیب بات ہے۔“ اور سر ہلا کر بولا۔ ”پولیس آفیسروں نے ریو الورڈ ای لے کو اپنے زخم میں لے رکھا تھا۔“

”یہ ٹھیک ہے کہ پستول خالی تھا۔“ شجر نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”عین موقع پر یہ معلوم ہوا تھا کہ بغیر گولیوں والے کار تو س ختم ہون گئے۔ اس لئے مجبوراً یہ انتظام کیا گیا تھا کہ جیسے علی یہ ریو الور نکالے پر دے کے جیچے پناخ داغ کر پستول کی مصنوعی آواز پیدا کی جائے۔ آپ نے خود دیکھا ہو گا کہ ریو الور سے دھوan یا شعلہ نکلا تھا۔“

”تو پھر یہ گولی آئی کہاں سے۔“ آصف نے کڑے لبچے میں پوچھا۔  
 ”اب بھلا بتائیے میں کیا بتاؤں۔“ فیخر نے کہا۔ ”کیا میں یہ نہیں جانتا۔  
 ایک بڑی مصیبت کا پیش خیمه ثابت ہو سکتا ہے۔“

تھوڑی دیر بعد تھیڑ کا ایک ایک کونہ دیکھ ڈالا گیا لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ گولی کہاں سے آئی اور وہ کس کی حرکت تھی۔ آخر کار تھک ہار کر ہال کے دروازے کھلاؤ دینے پڑے۔ شجروں کی طرح بد جواس تھا۔

”اب کیا کیا جائے۔“ آصف بے بھی سے بولا۔

”مدعو کرنے والا دراصل ہماری بے بی کا تماشہ دیکھنا چاہتا تھا۔“ انور نے کہا۔  
”تو کیا۔ تو کیا اے۔“

”جی ہاں...!“ انور طنزیہ لبھے میں بولا۔ ”کبھی پبلیسٹیکی اس قسم کے پر اسرار دعوت نہیں موصول ہوئے تھے۔“

آصف غور سے اُسے دیکھنے آگا

انور نے پستول کی ٹال کو تاک سے رکا کر سو گھما

”اس پستول سے تواضعی گولی نہیں آ جائے۔“ انور زکریا

”ممکن ہے بدل دیا گیا ہو۔“ آصف والا

”دوسرے لوگوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی اشتعال

آصف رک کر اسے گھوڑے نہ لگا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ انور کی بوئیاں لا دے جائے۔

”اس ساتھیان کی طرف دیکھ رہے ہو۔“ انور آہستہ سے بولا۔ ”اسے تزوادا اور پھر کل کے خبرات تمہاری شان میں لے بے چوڑے قصیدے چھاپ دیں گے۔ اچھا شہبز بخیر میں چلا۔ اگر ناسب سمجھتا تو نتیجے سے بھی مطلع کر دیتا۔... ورنہ میں تو اپنی رپورٹ مکمل کر ہیں لوں گا۔“

## قتل کاراز

قل اس کے کہ آصف پکھ کھتا انور ہاں سے نکل کر کمپاؤڈ میں آگیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ انہا موڑ سا نیکل پر گھر کی طرف واپس جا رہا تھا۔ گیارہ بجے چکے تھے۔ شہر قریب قریب دیران ہو چکا۔ کہیں کہیں ایک آدھ دو کانیں کھلی نظر آرہی تھیں۔ انور جیسے ہی اپنے کرے میں داخل ہوا۔ رشیدہ اس پر جھپٹ پڑی۔

”ہاں تھے... کہاں گئے تھے۔“  
”تم یہاں کیا کر رہی تھی۔ جاؤ اپنے کرے میں...“ انور کوٹ اتار کر کری پر ڈالتا ہوا بولا۔  
”نہیں جاؤں گی۔“

”اوہ... اور اگر میں نے کان پکڑ کر نکال دیا تو۔“  
”میں تم سے کمزور ہوں کیا۔“ رشیدہ بھٹا کر بولی۔  
انور کوئی جواب دیے بغیر آرام کری پر گر گیا۔ رشیدہ اسے گھوڑی تھی۔  
”میں نے ابھی سک کھانا نہیں کھایا۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔  
”تو میں نے کب کھایا ہے۔“ انور نے کہا۔ ”آخر تم میرا منتظر کیوں کرتی ہو۔“  
”میری خوشی۔“

”دیکھو تمہارا سستہ اوہر ہے۔“ انور دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔  
دفعہ داردازے میں ایک صورت دکھائی دی۔ ایسی صورت جسے دیکھ کر دونوں چونک پہنچے یہ دیکھا جو کچھلی رات کو انور سے ملا تھا اور جس کی تصویر آصف نے دکھائی تھی۔ وہ اتنے پر سکون طریقے سے کرے میں داخل ہوا جیسے وہ اس کا اپنا ہی کرہ ہو۔ قل اس کے کہ انور کوئی ایک کری پر بیٹھ کر مسکانے لگا۔

”تم اپنے کرے میں جاؤ۔“ انور نے رشیدہ سے کہا۔ رشیدہ انور کو گھوڑتی ہوئی ایک کری پر بیٹھ گئی۔  
”جاواؤ پہنچ کرے میں۔“ انور نے پھر کہا۔  
”بکومت....!“ رشیدہ نے کہا اور اجنبی کو ممنی خیز انداز میں دیکھنے لگی۔  
”تم کل رات میری ڈاڑھی کیوں اٹھا لے گئے تھے۔“ انور نے اجنبی سے پوچھا۔  
”تمہیں ایک معمولی سائبین دینے کے لئے۔“ اجنبی نے مسکرا کر کہا۔  
”وہ یکھو! خواہ گواہ مجھ سے الجھنے کی کوشش نہ کرو۔“ انور نے کہا۔  
”میں پھر تھیں چاہوں گا کہ تم داراب سے سمجھوئے کرلو۔“  
”کس بات کا سمجھووتے۔“  
”بھی کہ تم اس کے معاملات میں دغل نہ دو گے۔“ اجنبی نے کہا۔  
”اب یہ چیز میرے امکان سے باہر ہو گئی ہے۔“ انور نے کہا۔ ”اگر تم نے میری ڈاڑھی چاکر مجھ پھنسوانے کی کوشش نہ کی ہوتی تو شاید اس کی ضرورت ہی نہ سمجھتا۔“  
”دیکھو انور! تمہیں داراب سے سمجھوٹہ کرنا ہی پڑے گا۔ کیا تم نے اس وقت تھیز میں رفقاء کی موت نہیں دیکھی۔“  
انور خاموشی سے اسے گھوڑ رہا تھا۔ رشیدہ اٹھ کر کرے سے جانے لگی۔  
”آپ یہیں تشریف رکھئے محترمہ....!“ اجنبی بولا۔  
”کیوں....؟“ رشیدہ اسے قہر آلوں ناظروں سے گھوڑتی ہوئی بولی۔  
”میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔“ اجنبی مسکرا کر بولا۔  
”میں پولیس کو فون کروں گی۔“  
”نہیں....!“ انور اسے تیز ناظروں سے گھوڑتا ہوا بولا۔ ”چپ چاپ اپنے کرے میں بوجاؤ۔“  
رشیدہ پھر بیٹھ گئی۔  
”تمہارا نام کیا ہے؟“ انور نے اجنبی سے پوچھا۔  
”میرا نام دسو تیرہ ہے۔“ اجنبی مسکرا کر بولا۔  
”اوہ تو مجھ پر اپنے گروہ کا رب ڈالنا چاہتے ہو۔ یعنی تم اپنے گروہ کے دسو تیر ہویں ممبر ہو۔“  
”یعنی بجھ لو۔“

دوں قریب ہی کے ایک ریسٹوران کی طرف روانہ ہو گئے۔  
کھانے کے دوران میں رشیدہ اس اجنبی کا تذکرہ چھیڑ بیٹھی۔ انور نے اسے پلازا تھیز کے  
محلے کے متعلق بتایا۔ رشیدہ تھیر آمیز انداز میں انور کی طرف دیکھنے لگی۔  
”شیلار اپنی کو دارا ب سے کیا تعلق۔“ رشیدہ تھوڑی دیر بعد یوں۔  
”بھی تو دیکھنا ہے۔“ انور نے کہا۔

”شیلار اپنی کون تھی۔“ دفتر رشیدہ نے کہا۔

”ایک رقصہ.....!“ انور نے جواب دیا۔

”وہ تو تھی ہی لیکن کس خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔“

”یہ میں نہیں جانتا۔“

”میں جانتی ہوں۔“

”تو پھر پہلیاں بھجوانے سے کیا فائدہ۔“ انور نے جھنجھلا کر کہا۔

”میں دراصل یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ مشہور کرامم روپور کتنے پانی میں ہے۔“ رشیدہ نے ہنس

انور اسے گھورنے لگا۔ رشیدہ کی ہدی میں اضافہ ہو گیا۔

”بل اب چپ بھی رہو ورنہ شور بے کی پلیٹ تمہارے منہ پر مار دوں گا۔“

رشیدہ اور زور سے ہٹنے لگی۔ انور ہاتھ سے فواں رکھ کر دوسرا طرف دیکھنے لگا۔

”تو بھی اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔“ رشیدہ سمجھی گی سے بولی۔ ”کھاؤ نا۔“

انور نے سکریٹ سلکی اس کے چہرے پر بیزاری پھیل گئی۔ رشیدہ کچھ اور کہنے والی تھی کہ

لہ دکھائی دیا۔

”اوہ تو تم یہاں ہو۔ میں واپس جا رہا تھا۔“

”اچھا اچھا.....!“ انور اٹھتا ہوا بولا۔ ”ویسے چلو.....!“

رشیدہ بھی کھانا کھا چکی تھی۔ انور نے مل ادا کیا اور وہ قیکٹ کی طرف لوٹ آئے۔

”آنور آخڑ تم مجھے تھک کیوں کر رہے ہو۔“ آصف نے کہا۔ ان کے لمحے میں عاجزی تھی۔

”بیٹھو..... بیٹھو.....!“ انور بے صبری سے ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔

”تمہارا خیال بالکل صحیح نکلا۔ گوئی اسی سائبان سے چلی تھی۔“ آصف نے کہا۔

”آن لوہے کی سلاخوں میں ایک را تھل کی تھی۔“ انور مسکرا کر بولا۔

”تم نے کل ایک آدمی کو قتل کر کے اس کی شکل اپنی جیسی بنا دی تھی۔“ انور نے کہا۔ تم سمجھتے تھے کہ شاید میں اس وقت تمہیں دیکھ کر گھبرا جاؤں گا۔“

”نہیں تمہیں محض یہ دکھانا تھا کہ تم نے دارا ب کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا ہے۔“ اجنبی بولا۔

”مردے گھینٹے والے گیدڑوں کو میں طاقت ور نہیں سمجھتا۔“ انور نے منہ بنا کر کہا۔“

”غصہ ہرگز بہادر نہیں ہو سکتا جو عورتوں کو قتل کرتا پھرے۔“

”تو یکھو میں پھر تمہیں سمجھاتا ہوں۔“ اجنبی نے کہا۔

”میں کچھ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہماری آخری گفتگو ہے۔“

”قطی.....!“ انور نے کہا اور میز پر سے کتاب اٹھا کر اس کے ورق التے لگا۔

”خیر.....!“ اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں پھر تمہیں وقت دیتا ہوں۔“

انور نے کتاب میز پر ٹھیٹھی دی اور تن کر کھڑا ہو گیا وہ اس پر اسرار اجنبی کو عجیب نظر دیا۔

”میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ میری اور تمہاری آخری ملاقات ہے۔“ انور اس کی آنکھوں میں کہا۔

”دیکھتا ہوا بولا۔“

”ضد اچھی نہیں ہوتی۔“

”تم جاسکتے ہو۔“ انور نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”اجنبی اسے گھوڑا ہوا چلا گیا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔“

”اور تم سنتی ہو رشیدہ۔“ انور نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”تم بھی یہاں سے چلی جاؤ۔“

رشیدہ نے اسے گھوڑا کر دیکھا اور پیر پیٹھی ہوئی کر کے سے چلی گئی۔ لیکن اس کے جانے کے

بعد ہی انور کو خیال آگیا کہ اس نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔ وہ اٹھ کر رشیدہ کے کر کے سامنے

آیا۔ رشیدہ دروازہ بند کر پکی تھی۔ انور آہستہ آہستہ دستک دیتے لگا۔

رشیدہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

”اب کیا ہے؟“ وہ جھلا کر یوں۔

”چلو کھانا کھائیں گے۔“

رشیدہ ہونٹ بھینچے اسے گھوڑا رہی تھی۔

”میری لیلی.....!“ انور پیار بھرے لمحے میں بولا اور رشیدہ پکھل گئی۔

”تمہیں یہ تصویری طی کہاں سے۔“

”فیجر نے دی ہے۔“

”بیرت....!“ انور آہستہ سے بڑھ لیا۔

”اور میں اسی لئے تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان حادثات سے تمہارا کیا تعلق ہے۔“ آصف نے بتابی سے کہا۔

”اور یہی تمہاری زبردست حادثت ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔  
”ویکھو انور باتوں میں نہ تالو۔“

انور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آصف سے مخاطب ہوا۔

”اگر میں یہ کہوں کہ یہ داراب کی حرکت ہے تو تم کس حد تک یقین کرو گے۔“

”داراب....!“ آصف اس طرح اچھا جیسے یک بیک کریں نے اچھاں دیا ہو۔

”ہاں داراب....!“

”میں کس طرح یقین کرلوں۔“

”یقین نہ کرنے کی وجہ....!“ انور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”ابھی تک اس نے یعنی بھی وارداتیں کی ہیں ان میں خود کو ظاہر کر دیا ہے۔“ آصف نے

ایک ہفتہ قبل اس نے اس ڈائریکٹر کو ملازم رکھا تھا اور یہ نیاڑ رامہ اسی کا لکھا ہوا تھا۔ اسی نے اسے ڈائریکٹ بھی کیا تھا۔

”اور اس کے باوجود بھی پولیس اس کا کپڑے لگانے میں ناکام رہی۔“

”یا اچھکے سراغ رسانی کے پاس داراب کا کوئی ریکارڈ ہے۔“ انور نے پوچھا۔

”نہیں....!“ آصف موضوع بدل کر بولا۔ ”آخر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ان حادثات کا

نقش داراب سے ہے۔“

”اس نے مجھے چیختن کیا ہے۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

”وہ مجھے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔“ انور نے کہا۔

”آخر کیوں؟“

”یہ میں نہیں جانتا۔“

”بھلا تھیں راستے سے ہٹانے اور ان وارداتوں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔“

”یا آصف تمہاری عقل آج کل اتنی یقین کیوں ہو گئی ہے۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”اس لاش کا ساتھ میری ڈائری کا پایا جانا کیا معنی رکھتا ہے اور پھر تم لوگوں کے ساتھ مجھے بھی تھیز کے

”ہاں اور فیجر اس دریافت پر قریب قریب بیووش ہو گیا تھا۔“ آصف نے کہا۔  
راںقل کا کندہ اس لکڑی کی موٹی سی دیوار کے اندر چھپا ہوا تھا اور نال دوسری طرف فل ہوئی تھی جس پر چند اور سلاخوں کے ساتھ ساتھ انہیں لٹکا ہوا تھا۔ اسچ کے دوسرے حصے میں سرزاں کر کے ایک پتلی سی ڈوری راںقل کی لمبی نال تک پہنچائی گئی تھی۔ راںقل بھری ہوئی تھی۔ جس شیلار انی راںقل کی زد پر آگئی تو کسی نامعلوم آدمی نے وہ ڈوری کھینچ لی اور راںقل چل گئی۔  
”اس دریافت کے بعد تم نے کیا کیا....؟“

”فیجر کو حرast میں لے لیا گیا ہے۔“ آصف نے کہا۔

”اس ایکٹر کا کیا ہوا جس نے ڈاکو کی اداکاری کی تھی۔“

”وہ بھی حرast میں ہے اور وہ بھی جس نے اسچ کے پیچے پانچ دنago دا گا تھا۔“

”اور ڈائریکٹر کا کیا ہوا۔“ انور نے پوچھا۔

”وہ اس حادثے سے پہلے ہی کہیں چلا گیا تھا۔“ آصف نے کہا۔

”تو وہ نہیں مل سکا۔“ انور نے پوچھا۔

”نہیں، لیکن اس کی ملاش جاری ہے۔“ آصف نے کہا۔ ”فیجر نے اپنے بیان میں بتایا ہے کہ اسے ڈائریکٹر کو ملازم رکھا تھا اور یہ نیاڑ رامہ اسی کا لکھا ہوا تھا۔ اسی نے اسے ڈائریکٹ بھی کیا تھا۔ فیجر نے یہ بھی بتایا کہ آج شام کو جب یہ معلوم ہوا تھا کہ نقلي کار توں ہے۔“ اس کے باوجود بھی پولیس اس کا کپڑے لگانے میں ناکام رہی۔

”ہو گئے تو اس نے مصنوعی دھماکے کی رائے دی تھی اور اس کے لئے ایک زیادہ آواز والے پلان اس تھا۔ حلا لکھ کر اس سے کہا تھا کہ اتنی زیادہ آواز والا پانچ پستول کی آواز پیدا کر کے لئے بے کلام تابت ہو گا۔“ مگر اس نے کوئی وھیان نہیں دیا اور دیتا بھی کیسے جب کرتا دھماکے میں ساتھیان والی راںقل کی آواز پچھانی تھی۔“

”ڈائریکٹر کا حلیہ۔“

”حلیہ پوچھتے ہو۔“ آصف نے کہا۔ ”اگر میرے سر پر اس وقت ہم گر پڑتا تو بھی مجھے اس جھٹت نہ ہوتی تھی کہ اس کا حلیہ معلوم کر کے ہوئی۔“

”یعنی....؟“ انور نے ہمہ تن سوالیہ شان بن کر پوچھا۔

آصف نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکال کر انور کے سامنے ڈال دی۔

”یہ تو اسی آدمی کی تصویر ہے جس کی لاش تھیں جلی ہوئی کار میں ملی تھی۔“ انور نے کہا ”اور تھیں بھی بتاچکا ہوں کہ مقتول کی ڈاڑھی مصنوعی تھی۔“ آصف بولا۔

بڑات آئیں مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

لئے مدد کیا گیا؟ تم خود بتاؤ! اگر میری بجائے کوئی اور ہوتا تو اس وقت وہ کہاں ہوتا۔  
”ٹھیک ہے!“ آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن تم اب بھی خود کو حفاظت نہ کجھو“  
”اوہ...!“ انور مسکرا کر بولا۔ ”تو کیا تم کچھ ہھکڑیاں لائے ہو۔“

”میں لایا تو نہیں لیکن حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو سراسر تمہارے خلاف ہیں۔“ انور  
نے کہا۔ ”اور تم کسی وقت بھی سر کاری مہمان خانے کی زینت بنائے جاسکتے ہو۔“  
انور ہنسنے لگا اور رشیدہ آصف کو گھوڑنے لگی۔

”کیوں بھی تم مجھے اس طرح کیوں گھور رہی ہو۔“ آصف نے کہا۔  
”میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ کیا واقعی آپ عنقریب ترقی کرنے والے ہیں۔“  
انور نے زور دار قہقہہ لگایا اور آصف ھیچکیا۔

”کیوں بھی شیلارانی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے وہ کون تھی کیوں قتل کی گئی۔“ انور  
”تمایب رقصہ کا نام تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اس کا اصلی نام شاہدہ تھا۔“ رشیدہ  
پوچھا۔

”ابھی اتنی جلدی اس کے متعلق کیا معلوم ہو سکتا ہے۔“ آصف نے کہا۔  
رشیدہ کچھ بولنا چاہتی تھی کہ انور نے اس کی طرف گھور کر دیکھا اور وہ خاموش ہو گئی۔  
”واقعی انور تم خطرے میں ہو۔“ آصف بولا۔

”ٹھیک ایک طرف قانون ٹھکنی کرنے والے قانون کے محافظ ہیں اور ایک طرف ایک الہام رکھتے ہو اسی طرح دوسرے بھی رکھ سکتے ہیں اور پھر تم ایسے کہاں نے لال بھکو نکل پڑے  
خش جو قانون کو کھلونا سمجھتا ہے اور درمیان میں میں۔ لیکن یاد رکھو کہ فتح میری ہی ہو گی۔“  
”خیر...!“ آصف اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں یہ کبھی نہ چاہوں گا کہ تم جیل کی صورت دیکھو۔“  
”شکریہ... شکریہ...!“ انور طنزیہ انداز میں بولا۔

آصف کے پلے جانے کے بعد وہ رشیدہ سے مخاطب ہوا۔  
”شیلارانی کون تھی؟“  
”رقصہ تھی۔“ رشیدہ نے بھولے پن سے کہا۔

”پھر وہی...!“  
”لیتی...!“  
” بتاؤ ناہ کون تھی۔“  
”بھلامیں کیا جانوں۔“  
انور اسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔ رشیدہ نے نظریں جھکالیں۔ اس کے ہونڈا،

”مجھے افسوس ہے کہ میں اس سے بھی واقع نہیں ہوں۔“ انور نے کہا۔ ”لیکن اب میں یہ بھی بغیر نہیں رہ سکتا کہ تم ان لوگوں سے کس طرح واقع ہو۔“  
”جیسے آم کھانے سے غرض ہے یا پڑھنے سے۔“  
”نہیں میں پڑھنک کھا جانا چاہتا ہوں۔“

”پہا ممکن ہے۔“ رشیدہ سبجدی گی سے بولی۔ ”اس سلسلے میں مجھے بہت کچھ بتانا پڑے گا۔ جس لئے میں فی الحال تیار نہیں۔ لیکن وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے۔ جب تم میرے متعلق بھی ہے۔ نانہال والوں نے جب یہ دیکھا کہ شاہدہ ان کیلئے بدنای کا باعث بن رہی ہے تو انہیں نے اسے کرٹل جاوید کے گھر بھجوادی۔ اس دوران میں کرٹل جاوید سرگرم کا تجربہ ہوا جانے کا تعلق نہیں۔“

”خیر.... خراب خود کو اتنا زیادہ پُر اسرار مرتب نہیں۔“ انور بیزاری سے بولا۔

”میں تم سے کبھی یہ نہ پوچھوں گا کہ تم کس وائی ریاست کی صاحب زادی ہو۔“  
رشیدہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ کچھ کہنے ہی وائی تھی کہ سنبل گئی اور اس کے ہونٹوں مکراہت پھیلنے لگی۔

”تم اس طرح تاؤ دلا کر بھی مجھ سے کچھ نہیں معلوم کر سکتے۔“ رشیدہ نہ کر بولی۔

”تم جاوید کے بھتیجے کے متعلق بتاری تھیں۔“ انور نے منہ سکوڑ کر کہا۔

”اس کا نام صابر ہے۔ پچھلے سال پورپ سے انھیں تری کی اعلیٰ سند لے کر واپس آیا ہے۔“  
”وہی صابر تو نہیں جس نے تجویزیں بنانے کا ایک کارخانہ یہاں قائم کیا ہے۔“ انور چک کر بولا۔  
”وہی.... وہی....!“ رشیدہ نے کہا۔ ”اس نے کئی عجیب و غریب قسم کی تجویزیں ایجاد کی  
ہیں اور انہیں یہاں کے سرمایہ داروں کے ہاتھ فروخت بھی کیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ

لہوت انگیز تجویزی وہ ہے جو اس نے اپنے چاکر کرٹل جاوید کو تحفظ پیش کی ہے۔ اس کا ہینڈل گھماتے نہال میں سے گیت سنائی دینے لگتے ہیں۔ خناقت کے خیال سے کرٹل جاوید غالباً اپنے جواہرات ان تجویزی میں رکھتا ہے۔“

رشیدہ خاموش ہو گئی اور انور اٹھ کر ٹھیلنے لگا۔ پھر اس نے اپنی نگاہیں دیوار میں لگے ہوئے لالک پر جاہدیں۔ ایک نج چکا تھا۔ انور نے ادھر اور ہر دیکھا اور کمرے سے نکل گیا۔ رشیدہ اسے پہلی ری ہد چند لمحوں کے بعد نجیگی کر جس سے موڑ سائکل نکال رہا تھا۔

کرٹل جاوید کی کوئی سرکلر روڈ پر واقع تھی۔ اس سڑک پر اس سے عظیم الشان کوئی کوئی نہ تھی۔ یہاں کرٹل جاوید اپنے ملازمین کے ساتھ تباہ رہتا تھا۔ شہر کی متاز شخصیتوں میں اس کا

دوران میں کرتل جاوید مغربی ممالک کی سیر کے لئے یہاں سے چلا گیا اور اس کی واپسی تقریباً سال کے بعد ہوئی۔ شاہدہ کی ماں اس کی پیدائش کے چند روز بعد ہی مرگی تھی۔ اس کی پادری اس کی نانی نے کی، حالانکہ اس کے نانہال والے قدامت پسند تھے لیکن نہ جانے کس طرح نہلہ، پچپن ہی سے رقص و موسيقی کا چکاگ گیا اور وہ انتہائی پابندیوں کے باوجود قاصہ بھی لگدی۔

عوام میں اپنے فن کے مظاہرے کا شوق تھا۔ اسکے نانہال والے کرٹل جاوید سے اس درجہ تک تھے کہ انہوں نے اس سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ شاہدہ اسے اسکی بھی اطلاع نہ تھی کہ اسکے کوئی لازمی ہے۔ نانہال والوں نے جب یہ دیکھا کہ شاہدہ ان کیلئے بدنای کا باعث بن رہی ہے تو انہیں بعد بہت کچھ بدل گیا تھا اور اس کی مشرقتی پھر سے عودہ کر آئی تھی۔ اسے جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ وہ صاحب اولاد ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے دلکش بھی ہوا۔ وہ شاہدہ کی فن پر تکمیل کیا تھا۔ شاہدہ نے جب اسی شیخ پر جانے کا خیال ظاہر کیا تو کرٹل جاوید کا ناپ اٹھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی لڑکی مجھے عام میں اپنے فن کا مظاہرہ کرنے۔ وہ ایک ضدی آدمی تھا۔ آخر کار دو نوں میں سمجھوتہ ہو گیا۔ کرٹل جاوید طوعاً و کہا اس بات پر رضا مند ہو گیا کہ وہ اسے مغربی ممالک کا داد کرنے کیلئے مالی امداد دے گا۔ نہیں تو وہ باقاعدہ کسی مقامی تھیزی میں شاہدہ جاوید کے نام سے نوکری کر لے گی اور اس چیز کا خاص طور سے پروپرٹیزڈ کرائے گی کہ وہ کرٹل جاوید کی لڑکی ہے۔ ال طرح وہ شاہدہ سے شیارانی بن گئی۔ آج کل وہ مغربی ممالک سے واپس آنے کے بعد پالاز میں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی اور پھر ایسی حالت میں تم اس قتل کے بارے میں کیا سوچ گے۔“

”کرٹل جاوید تو بہت امیر آدمی ہے۔“

”اور اس کی دولت زیادہ تر جواہر کی شکل میں ہے۔“ رشیدہ بولی۔

”اور اب تم جیرت اگنیز طریقہ پر اس کی مالک بننے والی ہو۔“ انور سبجدی گی سے بولا۔

”کیوں....؟“ رشیدہ تھیر ہو کر بولی۔ ”مجھ سے مطلب....؟“

”خیر خیر....“ انور مسکرا کر بولا۔ ”میں سمجھا شاید تم کسی ناول کی پر اسرار ہیں وئی کی طرح اس قسم میں داخل ہونے والی ہو۔“

”اس کا ایک وارث موجود ہے۔“ رشیدہ انور کی بات پر دھیانند ذہنی ہوئی بولی۔

”کون....؟“

”اس کا بھتیجلا۔“

”مجھے انوس ہے کہ میں نے نادقت آپ کو تکلیف دی۔“

”خیر..... خیر.....“ کرنل جاودہ بے چینی سے پہلو بدل کر استفہامیہ انداز میں بولا۔

”میں شیلارانی کے متعلق کچھ جانا چاہتا تھا۔“ انور بے ساختہ بولا۔

کرنل جاودہ چونکہ کرانے گھورنے لگا۔ لیکن پھر اس نے اپنی اس کیفیت کو مصنوعی استجواب نظر آرہی تھی۔ پھانک پر چوکیدار بیٹھا ونگر رہا تھا۔ انور کی موڑ سائیکل جیسے اس کے قریب رہنے میں چھپانے کی کوشش شروع کر دی۔

”میں اس کو اس کا مطلب نہیں سمجھا۔“ کرنل گرج کر بولا۔ ”شاید تم نئے میں بہک کر ادھر آئے ہو۔“

”میں شراب نہیں پیتا۔“ انور منہ سکوڑ کر بولا۔ ”اگر آپ شیلارانی کے متعلق کچھ نہیں بتاتا پہچے تو شاہد ہی کے متعلق کچھ بتائیے۔“

کرنل اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پہلے وہ خوفزدہ نظرؤں سے انور کو گھورتا رہا پھر دفعٹا اس کی انکھوں سے نفرت جھانکنے لگی۔

”ہاں اب تو تم مجھے بلیک میل کرنے آئے ہو۔“ وہ گرج کر بولا۔ ”خیر میرے پاس کتوں کا منہ بند کرنے کے لئے کافی دولت ہے۔ بولو اسے راز رکھنے کے لئے کتنی قیمت طلب کرتے ہو۔“

”اب آپ نئے میں معلوم ہوتے ہیں۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”میں سوائے پولیس والوں کے لئے کوئی کوئی میل نہیں کرتا۔“

”پھر تم اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔“

”ایک خبر سنانے۔“

کرنل اسے گھورنے لگا۔

”کسی نے شیلارانی کو سچ پر قتل کر دیا۔“

”اُرے....!“ کرنل بے اختیار چوک پڑا۔ اس کے تیکھے خدوخال پر آہستہ آہستہ افراد گیہٹ جا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے سکتے ہو گیا ہو۔ وہ آہستہ سے ایک صوف پر بیٹھ کر چند لمحوں کے بعد ایک او ہیز عمر کا طویل القامت آہی شب خوابی کے لبادے میں بولنے شروع میں تھا کہ اسے کیا تھا کہ اگر پولیس کو یہ اطلاع ہو گئی تو آپ بہت پریشان کئے جائیں گے۔“

”کوئی میں یہ بتانے آیا تھا کہ اگر پولیس کو یہ اطلاع ہو گئی تو آپ بہت پریشان کئے جائیں گے۔“

”پولیس....!“ کرنل چونکہ انور کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد

”میں پولیس کو اس کی اطلاع دے دوں گا۔“

”آپ کے متعلق بہت کچھ سن پکا ہوں۔“ وہ ایک صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”لیکن یہاں اس وقت آپ کی موجودگی باعث حرمت ہے۔“

شمیر تھا۔ لیکن وہ اپنے طبقے میں پسندیدہ نظرؤں سے نہیں دیکھا جاتا تھا اور اس کی وجہ خود انہیں کم نہیں رکھتا تھا۔ لیکن پھر بھی کسی سوسائٹی میں اس کی موجودگی لوگوں کیلئے دردرس بن جاتی تھی اس وقت کوٹ سکوت طاری تھا۔ بعض کروں کی کھڑکیوں سے گھری بزرگ کی روپ نظر آرہی تھی۔ پھانک پر چوکیدار بیٹھا ونگر رہا تھا۔ انور کی موڑ سائیکل جیسے اس کے قریب رہنے میں چھپانے کی کوشش شروع کر دی۔ وہ چوک کر کھڑا ہو گیا۔

”کیا کرنل صاحب گھر پر موجود ہیں۔“ انور نے اس سے پوچھا۔

”آپ کون ہیں؟“ چوکیدار نے تعجب سے پوچھا۔

”جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔“

”میں ہاں وہ غالباً سو گئے ہیں۔“

”انہیں جگا دو....! میں ان سے مٹا چاہتا ہوں۔“

”آپ آخر ہیں کون....؟“

انور نے جیب سے اپنالا قاتی کارڈ نکال کر چوکیدار کو تھا دیا۔

”مگر.... مگر صاحب۔“

”کچھ نہیں....!“ انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”وہ کارڈ دیکھتے ہی مجھے اندر بلا لیں گے۔“

چوکیدار پائیں باغ سے گزرتا ہوا برآمدے میں چلا گیا۔ شاید وہ برآمدے میں کسی نو کو کہا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد برآمدے میں روشنی ہو گئی۔ انور بار بے چینی سے اپنی گھڑی دیکھ رہا تھا

پہنچہ منٹ گزرنے کے پھر نشت کے کمرے میں بھی روشنی ہو گئی اور چوکیدار واپس آیا۔ اس نا

انور کو اندر چلنے کو کہا۔ انور نے موڑ سائیکل وہیں پھانک پر چھوڑ دی اور خود برآمدے سے گزرا

ہوا نشت کے کمرے میں آگیا۔ کمرہ شاندار طریقہ سے جھا ہوا تھا اس میں وہ سب لوازم میں

تھے جو ایک جدید طرز کے ڈرائیگ روم کے لئے ضروری ہیں۔

چند لمحوں کے بعد ایک او ہیز عمر کا طویل القامت آہی شب خوابی کے لبادے میں بولنے

کر کے میں داخل ہوا۔ چہرے پر روشنی کے آثار تھے۔ جنکے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ واقعی

یا مستقل، بہر حال انداز سے یہ ضرور ظاہر ہو رہا تھا کہ انور کی نادقت آمد اسے ناگوار گزرا ہے۔

”میں آپ کے متعلق بہت کچھ سن پکا ہوں۔“ وہ ایک صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”لیکن

یہاں اس وقت آپ کی موجودگی باعث حرمت ہے۔“

"صابر! کیوں؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس قتل میں صابر کا ہاتھ ہے۔"

"یہ سب تو پولیس سمجھے گی۔" انور نے کہا۔ "ویسے شہبہ تو ان پر بھی کیا جاسکتا ہے۔"

"شہبہ کی وجہ...!"

"شاہد کے بعد وہی آپ کی جانیداد کے مالک ہو سکتے ہیں۔"

"بکواس ہے، صابر ایک مہینہ سے شہر میں نہیں ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" انور نے کہا۔ "سازش یہاں سے ہزاروں میل کی درجے سے کی جاسکتی ہے۔"

"خاموش رہو۔" کرتل اٹھتا ہوا بولا۔ "میا تم یہ چاہتے ہو کہ میں دنیا میں بالکل تھا جاؤں۔"

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے کرتل کی بدلتی ہوئی حالتون کا جائزہ لے رہا تھا۔

"تم مجھے قطعی خوفزدہ نہیں کر سکتے۔" کرتل گرج کر بولا۔ "میں شاہد کے اس انجم معموم نہیں ہوں، جو کچھ بھی ہوا ہبہ اچھا ہو۔ میں ابھی پولیس کو فون کرتا ہوں۔"

"کرتل صاحب آپ کو غلط فہمی ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میرا ہرگز یہ مقصد نہیں قدا۔"

"ہو گا.... ہو گا....!" کرتل پیزاری سے بولا۔

"ایک تکلیف اور دوں گا۔" انور نے جیب سے ایک تصویر نکالتے ہوئے کہا۔ "میا آپ۔ کبھی اس شخص کو دیکھا ہے۔"

کرتل تصویر ویکھنے لگا۔ دفتار اس کا چھرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔

"آخر تمہارا مطلب کیا ہے۔" وہ گرج کر بولا۔

"آخر اس میں تاراض ہونے کی کیا بات ہے۔" انور نری سے بولا۔

"یہ میرا جوانی کا فوٹو ہے۔ جب میں ڈاڑھی رکھے ہوئے تھا۔" کرتل اسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ اسی پر اسرار آدمی کی تصویر تھی، جو خود کو داراب کے گروہ کا ایک فرد ظاہر کرتا تھا۔ اس کی تصویر تھی جس کی لاش جلی ہوئی کار میں ملی تھی اور یہی پلازا تھیز میں ڈاڑھیکش کی بیٹت سے داخل ہوا تھا۔"

## حیرت انگیز تجوہ رائی

کرتل جاوید کے بے حد اصرار پر بھی انور نے اُسے یہ نہ بتایا کہ وہ تصویر اسے کہاں سے ملی۔ کرتل جاوید کا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ انور کو دھکے مار کر اپنی کوٹھی سے نکال دے۔ انور خود ہمیں وہاں سے چلا آیا۔ راستہ بھر اس کا ذہن تصویر والے معاملے میں الجھا رہا۔ اب وہ آدمی حد درجہ پر اسرار بنتا جا رہا تھا اور انور صحیح معنوں میں داراب کی حیرت انگیز شخصیت کا قائل ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن اس نے بہت نہیں ہاری۔ اس کے لئے اس سے زیادہ تھی خیر آمیز بات کوئی اور ہوتا جا رہا تھا۔

کھڑک پہنچ کر اس نے کپڑے اتارے اور سو گیا۔ اس کا سوتا بھی عجیب تھا۔ گھرے تھکر کے عالم میں اُسے ہمیشہ گھری نیند آتی تھی۔ خیالات کا تسلسل اسے سونے سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ بہر حال اس نے اپنی پوری زندگی ایک مشینی نظام میں ڈھال کر کھو دی تھی۔

دوسرے دن ٹھنڈے رشیدہ نے جگایا۔ اسکی آصف باہر کے کمرے میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ انور نے اٹھ کر کپڑے تبدیل کئے اور نشست کے کمرے میں آیا۔ اس کے ہونٹوں پر دو ہزار لی مسکراہٹ پچھل رعنی تھی جسے دیکھ کر آصف خواہ مخواہ اپنی توہین محسوس کرنے لگتا تھا۔

"تم کل رات کرتل جاوید کے یہاں گئے تھے۔" آصف نے بے ساختہ پوچھا۔  
"میں کل رات کے سارے واقعات یکسر بھول گیا ہوں۔" انور بیٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے سوچنے کی مہلت دو۔"

کرتل جاوید غائب ہو گیا۔ "آصف نے کہا۔"

"تم نیقین کرو کہ وہ میری جیبوں میں نہیں ہے۔" انور سمجھدی گی سے بولا۔

"تو تم اس کے یہاں گئے تھے۔" آصف نے کہا۔

"ہاں...!"

"کیوں...!"

"یہ پوچھنے کے لئے کہ آئندہ رسم میں اس کا کون سا گھوڑا دوڑے گا۔"

”پھر تم نے بکاں شروع کی۔“

”دیکھو مسٹر آصف میں بد تیزی نہیں پسند کرتا۔“ انور منہ سکوڑ کر بولا۔  
آصف اسے گھورنے لگا لیکن پھر فوراً اسی کے رویے میں تبدیلی واقع ہو گئی۔ اس نے بھر  
پر رکھے ہوئے انور کے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبایا۔ دو تین کش  
لینے کے بعد وہ نیم بازا آنکھوں سے انور کی طرف دیکھنے لگا۔

”انور تم جانتے ہو کر میں تمہیں کیا کہنا چاہتا ہوں۔“ آصف بولا۔

”کیوں رشو کیا خیال ہے۔“ انور نے رشیدہ کی طرف مژ کر کہا۔ ”میں بھی آصف سے محبت  
شروع کر دوں۔“

”محبت کا جواب محبت ہی سے دینا پڑتے۔“ رشیدہ مسکرا کر بولی۔

”اچھا تو سنو میری جان بوڑھے آئندت...!“ انور آصف کو آنکھ مار کر بولا۔ ”میں اسی وقت  
تم پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا ہوں۔ پوچھ کیا پوچھتے ہو؟“

”اب تم دونوں مل کر میرا مٹھکے اڑانا چاہتے ہو۔“ آصف بگڑ کر بولا۔

”ارے نہیں نہیں۔“ رشیدہ جلدی سے بولی۔ ”میں تو آپ کو ہمیشہ چاہیجھتی ہوں۔“  
”میں بھی رشیدہ کا پچھا سمجھتا ہوں۔“ انور نے سجدگی سے کہا۔

”خیر خیر کبھی تم لوگ بھی بوڑھے ہو گے۔“

”تم نے آنے کا مقصد بیان نہیں کیا۔“ انور احتجاجاً ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”کر تل جاوید کہاں غائب ہو گیا۔“

”عجیب آدمی ہو۔ بھلا میں کیا جانوں۔“

”تم اس سے ملتے ہے۔“ آصف نے کہا۔

”تو مجھے اس سے کب انکار ہے۔“

”اس نے تقریباً تین بجے رات کو پولیس کو اطلاع دی کہ شیلارانی اس کی بوکی تھی اور اس  
نے یہ بھی بتایا کہ شیلارا کے قتل کی خبر تم نے اسے دی تھی اور پھر جب پولیس وہاں پہنچی تو وہ وہاں  
موجود نہیں تھا۔ نوکروں نے بتایا کہ ڈیڑھ بجے ایک آدمی موڑ سائکل پر آیا تھا۔ غالباً وہ تم تھے۔  
تمہاری واپسی کے بعد کچھ پولیس والے وہاں پہنچے اور کر تل جاوید کو اپنے ساتھ لے گئے۔“

”تو پھر میں اس مسئلے میں کیا ورشنی ڈال سکتا ہوں۔“ انور نے کہا۔

”تم نہیں سمجھے۔“ آصف دوسرا سگریٹ سکھاتا ہوا بولا۔ ”پولیس والے اسے نہیں لائے۔“

”یہینہ تم اس وقت نئے میں ہو۔“ انور بولا۔

”کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پولیس کے بھیں میں کچھ نامعلوم آدمی اسے لے گئے۔“

”اوه....!“ انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ظاہر ہے کہ ان آدمیوں سے میرا کوئی تعلق نہیں۔“

”میں یہ نہیں کہتا۔“

”پھر....!“

”تم جب کر تل کے راز سے واقف تھے تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا۔“

”اول تو میں اس راز سے تمہارے جانے کے بعد واقف ہو اور اگر فرض کرو کہ پہلے سے  
واقف بھی ہوتا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ تمہیں اس سے مطلع کر دیتا۔“

”تمہیں اس کا علم کس طرح ہوا۔“ آصف نے پوچھا۔

”بس طرح عموماً ہوا کرتا ہے۔“

”آخر کس طرح۔“

”سر کے بل کھڑا ہو گیا تھا۔ اسی حالت میں مراقبہ کیا۔ متنیں مانیں پھر الہام ہونے لگا۔ اس  
کے بعد تین بار مرغ کی بولی بول کر سیدھا کھڑا ہو گیا و اللہ اعلم بالثواب....!“

”تم نہیں بتاتا چاہتے.... خیر....!“ آصف نے کہا۔ ”اب تک جتنی بھی وارداتیں ہوئی  
ہیاں سب سے تمہارا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہوتا ہے۔“

”اور آئندہ بھی جو وارداتیں ہونے والی ہیں ان میں بھی تم یہی محسوس کرو گے۔“

”یعنی....!“

”داراب سے باقاعدہ چھڑ گئی ہے۔“

”پھر تم داراب کو گھیت لائے۔“

”خود دیکھتا....!“ انور نے کہا اور سگریٹ کے گہرے کش لینے لگا۔

”کر تل جاوید کی کوئی نہیں میں پولیس تعینات ہے۔“ آصف نے کہا۔ ”میں اس وقت وہیں  
جائا ہوں۔“

”ٹالاٹی لینے پر کام کی بات معلوم ہوئی۔“ انور نے پوچھا۔

”نہیں میں ان سے کہہ آیا ہوں کیا تم وہاں چل سکو گے۔“

”ہاں.... ہاں کیوں نہیں۔ بھلا میں تمہارے کام نہ آؤں گا تو پھر کون آئے گا۔“ انور امتحا

”والا... پھر وہ رشیدہ کی طرف ٹاٹا ہوا بولا۔“ پولیس والے اسے نہیں لائے۔“

پاہوں کا پہرہ تھا۔ جن سے ایک خوش پوش نوجوان کھڑا بھر رہا تھا۔ آصف کو دیکھ کر دونوں سپاہی  
خاموش ہو گئے اور نوجوان ان کی طرف مڑا۔

”اوہ صابر صاحب....!“ آصف اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

”آخر یہ معاملہ کیا ہے۔“ صابر آصف سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ ”میں کل رات کو باہر سے  
دایپس آیا ہوں۔ کر قل صاحب کہاں ہیں۔“

”یہ ایک افسوس ناک واقعہ ہے۔ صابر صاحب۔“ آصف غم زدہ آواز میں بولا۔ اور انور نے  
نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ وہ صابر کو تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ آصف صابر کو واقعات بتانے  
لگا۔ بار بار صابر کامنہ حرمت سے کھل جاتا تھا۔ خصوصاً شیلارانی والے واقعہ پر تو وہ ہمہ تن استجواب  
بن گیا تھا۔

”یہ میرے لئے ایک بالکل نئی اطلاع ہے۔“ صابر بے چینی سے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ”آخر  
کر قل صاحب کہاں غائب ہو گئے۔“

”عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ شیلارانی کے قتل میں انہیں کا ہاتھ ہے۔ اسی لئے وہ  
روپوش ہو گئے ہیں۔“ آصف نے کہا۔

”نا ممکن قطیعی نا ممکن، میں اس پر یقین نہیں کر سکتا۔ اگر یہی بات تھی تو انہوں نے خود ہی  
شیلارانی کے راز سے پر وہ کیوں اختما۔ آخر اس میں بھی ان کی کوئی چال تھی۔ تب بھی روپوش نہیں  
ہو سکتے تھے۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ پولیس کو اپنی ذات سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے۔“  
”یکن انہوں نے یہ راز ظاہر ہو جانے کے بعد پولیس کو قتل کی اطلاع دی تھی۔“ آصف  
نے کہا۔

”تو پھر انہیں پولیس کو خود اطلاع دیئے بغیر غائب ہو جانا پاچئے تھا۔“ صابر نے کہا۔ پھر  
خود کی دیر چپ رہنے کے بعد بولا۔ ”یہ کوئی بہت بڑی سازش معلوم ہوتی ہے۔ آپ وثوق کے  
ساتھ تو کہہ نہیں سکتے کہ پولیس کو فون پر اس کی اطلاع دینے والے کر قل صاحب ہی تھے کوئی اور  
بھی انکی حرکت کر سکتا ہے۔ شیلارانی کے متعلق پولیس کے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ کر قل  
صاحب کی لڑکی تھی، محض سنی سنائی پا توں پر یقین کر لینا انش مندی نہیں ہے کیا آپ نے اچھی  
لڑکی اٹھیاں کر لیا ہے کر قل صاحب کل رات یہاں کوئی پر موجود تھے۔ ایک بھی اس کے گواہ  
نہیں۔“ آصف انور کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”یہ کل رات کو کر قل صاحب سے ملتے تھے جس  
لاشہدات کوئی کے ملازموں نے بھی دی ہے۔ اس کے جانے کے بعد کچھ نامعلوم اشخاص

”اگر مجھے دیر ہو جائے تو تم آفس چلی جاتا۔ میں سید حادیہ میں آؤں گا۔“  
انور اور آصف کر قل جاودیہ کی کوئی طرف روانہ ہو گئے۔

”ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔“ آصف بولا۔

”ایک کیا کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔“ انور نے کہا۔

”پھر تم نے مجھے غصہ دلانا شروع کیا۔“ آصف بگڑ کر بولا۔

”بگردومت پیارے، میں جھوٹ نہیں کہتا اگر تم چاہتے تو اب تک جاودیہ کوڈھوٹ نہ کلتے۔“

”وہ کس طرح....!“

”یہ بتاؤ کہ شیلارانی کے قتل کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔“ انور نے پوچھا۔

”کئی مقصد ہو سکتے ہیں۔ آصف نے کہا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کسی کی قابض کا نتیجہ ہو۔ ہو سکا  
ہے کہ خود کر قل جاودیہ ہی نے اسے قتل کر دیا ہوا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی کے پیشہ دار اور جدرا  
شکار ہوئی ہو۔“

انور مسکرانے لگا۔

”تم نے اس کے علاوہ کسی دوسرے امکان پر غور نہیں کیا۔“ انور نے کہا۔

”یعنی....؟“

”کر قل جاودیہ کی دولت کا دوسرا حق دار....!“

”اوہ.... لیکن اس کے متعلق ایسا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔“

”کیوں؟“

”تمہاری سردار صابر ہی سے ہے تا....!“

”قطیعی....!“

”لیکن وہ کافی باعزت آدمی ہے اور خود بھی کافی دولت مند ہے۔ میں اس سے ایک بارل پا  
ہوں۔“

”آج کل وہ کہاں ہے۔“ انور نے پوچھا۔

”کہیں باہر گیا ہوا ہے۔“

”اس کا تجویزیوں کا کارخانہ دیکھا ہے۔“

”ہاں....!“

انور خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کر قل جاودیہ کی کوئی میں پہنچ گئے۔ پہنچ۔

”آپ اس تجوری کی طرف دیکھ رہے ہیں۔“ صابر نے کہا۔

آصف نے سر ہلا دیا۔

”یہ تجوری میں نے خاص طور سے اپنی نگرانی میں تیار کرائی تھی۔“ صابر نے کہا۔

”وہ تو سب کچھ ہے۔“ آصف اکتا کر بولا۔ ”ابھی آپ ڈاکے کامنڈ کر رہے تھے۔“

”اس تجوری کو کسی نے غلط طریقے سے کھولا ہے۔“ صابر نے کہا۔ ”کرتل صاحب ایسا نہیں کر سکتے تھے۔“

”مگر تجوری تو بند ہے۔“ آصف نے کہا۔

”یہ سمجھتے اور آئیے یہاں آپ ایک ابھری ہوئی سرخ لکیر دیکھ رہے ہیں تا، یہی اس بات کی

دلیل ہے کہ اس تجوری کو کسی ایسے آدمی نے کھولنے کی کوشش کی ہے جو اس کے صحیح استعمال سے واقعہ نہیں تھا اور ادھر یہ تیر کا نشان یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اس وقت بھی اس کا تالا بند نہیں ہے اور اس کا تالا کسی اوزار کی مدد سے توڑا گیا ہے۔ کنجی سے نہیں کھولا گیا۔ تجوری کا ہندل زیکھے یہ رکھنے کے کارے سے پینٹالیس درج کے زاویے پر ہے۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ تالا بند نہیں ہے، ورنہ یہ نوے درجے کے زاویے پر ہونا۔“

”اگر فرض کیجئے کہ اس میں سے کوئی چیز چراکی گئی ہے تو اس کا علم کس طرح ہو گا۔“ آصف نے کہا۔ ”یہاں آپ کو معلوم ہے کہ اس میں کون کون سی چیزیں رکھی جاتی تھیں۔“

”نہیں میں تو نہیں جانتا۔“

”یہ ایک اور دشواری ہوئی۔“ آصف متذکر انداز میں بولا۔

اس کے بعد مکمل سکوت چھا گیا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر کچھ نہ پہنچ سوچ رہا تھا۔

دفعتاً تجوری کے اندر سے کھر کھڑا ہٹ کی آواز سنائی دی اور صابر چوک پڑا۔

کھر کھڑا ہٹ کی آواز ایک منٹ تک جاری رہی۔ پھر ایک تھقہہ سنائی دیا۔ تجوری کے اندر سے کوئی کہہ رہا تھا۔ ”کیوں؟ انور دیکھ لیا تم نے داراب کے راستے میں آنا بھی کھیل نہیں ہے۔“ مل پھر تھیں مشورہ دیتا ہوں کہ پولیس کو بھکٹنے دو، تم ان معاملات میں دخل نہ دو اور آپ انھیں صاحب، آپ خود کو بہت بڑا نخیز سمجھتے ہیں۔ اب اس طرح منہ کھولے کیوں کھڑے بماناتے یہ ناٹیں کہاں سے بول رہا ہوں۔“

اور پھر ایک تھقہہ سنائی دیا اور آواز آنی بند ہو گئی۔

صابر کے منہ پر ہوا یاں اڑ رہی تھیں۔ انور نے اس طرح ہونٹ بنا رکھے تھے جیسے سیٹ

پولیس کے بھیں میں کرتل صاحب کو کسی نامعلوم جگہ پر لے گئے۔“

”آپ کی تعریف....!“ صابر نے انور کی طرف دیکھ کر کہا۔ جو قطعی بے تعقیٰ کے حالت سکریٹ کا دھواں فضایں منتشر کر رہا تھا۔

”روزنامہ اسٹار کے کرامگر پورٹ مسٹر انور سعید۔“ آصف بولا۔

”ہوں...!“ صابر نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”بھلا آپ ان سے کیوں ملنے آئے تھے، اپنی نئی غزل سنانے کے لئے۔“ انور ابھائی خوش اخلاقی سے بولا۔ ”اس شہر میں بہت ایسے لوگ ملنے میں جو میری شاعری کی قدر کر سکیں۔ موصوف مجھے بے حد چاہتے تھے۔“

آصف کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ انور نے اسے گھوڑ کر دیکھا۔

”بہر حال صابر صاحب، بہت اچھا ہوا کہ آپ تشریف لے آئے۔ آپ کی موجودگی میں اطمینان سے تحقیقات کر سکوں گا۔“ آصف بولا۔

”میں دراصل اس قسم کا کوئی ثبوت مہیا کرنا چاہتا ہوں کہ شیلاریانی کرتل صاحب کی لڑکی وہ تینوں کوٹھی میں آئے۔“

”ضرور مہیا کر سکجئے۔“ صابر نے کہا، ”لیکن مجھے اس کہانی پر یقین نہیں آتا۔“

”کسی کو نہیں آسکتا۔“ انور سخیگی سے بولا۔ ”انہائی بے سر و پابات ہے۔“

آصف پھر حرمت زدہ انداز میں انور کی طرف دیکھنے لگا۔

”شیلاریانی کے متعلق آپ کی اپنی تحقیقات کا نتیجہ کیا تھا۔“ آصف سے صابر نے پوچھا۔

”ابھی تک تو کچھ نہیں۔“ آصف نے کہا۔ ”میں کرتل صاحب کے کاغذات دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”ہاں ہاں.... ضرور.... ضرور....!“ صابر نے کہا۔

آصف اور انور متعدد کروں میں چیزوں اور کاغذات کا جائزہ لیتے رہے تھے۔ صابر بھی لا کے ساتھ تھا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر دفعٹاً صابر اچھلا اور اس کے منہ سے استجواب زدہ آوازیں نکلنے لگیں۔

آور اور آصف اس کی طرف مڑے، صابر کی تحریر آمیز نظریں سامنے رکھی ہوئی ایک قدماً تجوری پر جبی ہوئی تھیں۔

”ڈاکہ.... صریحی ڈاکہ....!“ صابر آہستہ سے بڑا بڑا۔

”کیا مطلب....!“ آصف چوک کر بولا۔

تجوری کا گیت

289

جلد نمبر 4

”می ہاں! یہ بات تو کافی مشہور ہے کہ کرٹل صاحب کے پاس بعض بیش قیمت جواہرات  
ہیں۔“ صابر نے کہا۔

”خود آپ نے کبھی نہیں دیکھا۔“

”نہیں نہ میں نے کبھی دیکھنے کی خواہ نہ ظاہر کی اور نہ کرٹل صاحب نے دکھائے۔“  
”قدرتی بات ہے۔ آصف صاحب۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”ظاہر ہے کہ وہ کرٹل صاحب کے  
بعد صابر صاحب کی ہی ملکیت ہوتے۔ اسلئے صابر صاحب کی سیر چشمی کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔“

صابر انور کو گھوڑنے لگا۔

”تو جناب آصف صاحب یہ معاملہ بالکل صاف ہو گیا کہ ان وارداں توں میں داراب کا ہاتھ  
ہے، انور نے کہا۔“ اب دیکھنا ہے کہ داراب اور کرٹل صاحب میں کیا تعلق ہے۔“

”جب تو پولیس کی جدو جہد بالکل بیکار ہے۔ پولیس نے اس کا لیا بنا بگاڑ لیا ہے۔“

”ایسا نہ کہے صابر صاحب۔“ آصف نے کہا۔ ”کوئی مجرم ہمیشہ آزاد نہیں رہ سکتا۔“

”ایک نہ ایک دن خداوند تعالیٰ اسے پکڑ کر پولیس کے خواں کر ہی دیتا ہے۔“ انور سمجھ گی  
سے بولا اور صابر بے اختیار نہیں پڑا۔ آصف نے منہ سکوڑ لیا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

”اس ٹرانسیمیٹر پر مجرم کی انگلوں کے شناخت ضرور ہوں گے۔“ آصف نے کہا۔

## سکریٹ کیس

”ضرور ہوں گے۔“ انور نے کہا۔ ”اچھا بہ میں چلا۔“

”کیوں....!“

”ابھی تک کوئی ایسی سننی خیز بات نہیں معلوم ہوئی، جو مجھے دلچسپی لینے پر مجبور کر سکے۔“  
”یہ ٹرانسیمیٹر۔“ آصف نے کہا۔

”ہاں ہاں.... ٹرانسیمیٹر میں بھی دیکھ رہا ہوں۔“ یہ کوئی ایسی بات نہیں، اس سے داراب کو  
پلانے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ وہ نہ جانے کہاں سے بولا ہو گا زیادہ سے زیادہ تم اس کے ذریعہ  
”ہست معلوم کر لو گے جدھر سے آواز آئی ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اچھا بہ میں  
اُن جاؤں گا۔“

جانے کا راہہ کر رہا ہو۔ آصف، کبھی صابر کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی انور کی طرف۔ ”خدا کی قسم ایسا جاں  
نہیں ہے۔“ صابر تجویری کی طرف جھشتا ہوا بولاتے دوسرے لمحے میں تجویری کا پینڈل اسکے ہاتھ میں  
تھا۔ ہاتھ کو جنبش ہوئی اور تجویری کا پٹ کھل گیا اور ساتھ ہی تجویری سے ایک گیت بلند ہوا کیلے  
عورت ستار اور طبلہ پر گارہی تھی۔ صابر تجویری کے پاس سے بہت گیا۔ گیت جلد ہی ختم ہو گا۔

”دیکھ رہے ہیں آپ تجویری بالکل خالی ہے۔“ صابر نے آصف سے کہا۔

”قطلی دیکھ رہا ہوں۔“ آصف نے کہا۔ ”مگر یہ آوازیں۔“

”ابھی آپ نے جو گیت سا وہ میری ہی کاری گری ہے۔ مگر چہلی آواز کا میں ذمہ دار نہیں۔“  
قریب آئیے یہ دیکھنے اس پینڈل کا تعلق اندر لگے ہوئے ایک گراموفون سے ہے جیسے یہ یہاں  
گھما یا جاتا ہے یہ چھوٹا ساری کارڈ بجھنے لگتا ہے۔ یہ میں نے اس لئے بنا لیا تھا کہ اگر کوئی چور رات  
کھولنے کی کوشش کرے تو گیت کی آواز سے گھروالے جاگ پڑیں.... لیکن وہ چہل آواز....  
صابر اچھل کر پچھے ہٹ گیا۔

انور کے چہرے پر ایک پُر اسرار مسکراہٹ نیچلیں رہنی تھی۔ وہ ان سب باتوں کو اتنی لاپروا  
سے سن رہا تھا جیسے کوئی ہوش مند آدمی کسی پانچ سے اس کے کھلونے کی آواز سنتا ہے۔ لیکن،  
قطلی خاموش تھل۔

”آصف صاحب....!“ صابر مڑ کر بولا۔ ”شاید میرا دماغ خراب ہو جائے گا۔ میری کم  
میں نہیں آتا کہ میں کیا سمجھوں۔“

آصف سوال یہ نہ گاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”اس تجویری میں ایک چھوٹا سا ٹرائنسیمیٹر رکھا ہوا ہے۔“ صابر نے کہا۔ ”جس کا میری ذاں  
سے کوئی تعلق نہیں اور وہ چہلی آوازیں شاید اسی ٹرانسیمیٹر سے آئی تھیں.... تجویری کو!  
والے نے شاید یہ ٹرانسیمیٹر بیہاں رکھا ہے۔“

”یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔“ انور نے کہا۔ ”ممکن ہے کہ کرٹل صاحب ہی نے رکھا ہے۔“

”یہ بھی ہو سکتا ہے۔“ صابر بے چینی سے بولا۔ ”لیکن تجویری غالباً کیوں ہے۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ یہ جانتے ہیں کہ اس تجویری میں کیا رکھا جاتا تھا۔“ انور نے کہا۔

”میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔“ صابر بولا۔ ”لیکن جہاں تک میرا خیال ہے۔“

”میں اپنے جواہرات رکھتے تھے۔“

”جواہرات!“ آصف چونکہ کر بولا۔

انور انہیں دیں چھوڑ کر آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اسے خیال آیا کہ اس نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔ اس نے ایک ریستوران کے سامنے موڑ روک دی۔ چائے کی چمکی لیتے وقت اس نے سگریٹ کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا پھر دوسرا سے جب میں۔ پتلون کی جیسیں بھی دیکھیں، لیکن سگریٹ کیس نہ ملا۔ انور نے مسکرا کر ایک طویل سانس لایا اور کسی نئے حادثے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس کی ڈائری ایک بار مصیبت کا باعث ہن جوکی تھی۔“ سوچنے لگا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سگریٹ کیس کس حادثے کی اطلاع ہے۔ لیکن اسے کوئی پریشانی نہ تھی۔ وہ زندگی کو ایک جوئے سے زیادہ و قوت نہ دیتا تھا۔ ہاریا جیت اس کے علاوہ کوئی اور تیری چیز نہیں ہو سکتی۔ زندگی کی اس عظیم جدوجہد میں اگر ایک بار وہ پس بھی گیا تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ دنیا بدستور اپنے راستے پر چلتی رہے گی۔ اس کے بعد کوئی دوسری گوشت پوسٹ کی مشین اس کی جگہ لے لے گی۔ پھر پریشانی کس بات کی۔

اس نے ویٹر کو آواز دے کر سگریٹ منگائیں اور ایک سلاک کر کر کسی کی پشت سے تک گلہ کرتا ہے۔ لیکن چٹورا دنیا کی ساری چیزیں ذرا ذرا اسی چاٹ کر چھوڑ دیا چاہتا ہے۔ چاٹ پر مجھے بارہ ریستوران میں کافی بھیز تھی۔ شاید ہی کوئی میز خالی رہی ہو۔

”اوہ تو تم یہاں ہو! کسی نے پیچھے سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ آواز نوسانی تھی۔ انور نے پیچھے مڑے بغیر گھکھیوں سے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا جو اس کے کاندھے پر رکھا ہوا تھا۔ ایک نرم و نازک خوبصورت ہاتھ، انگلیاں خوبصورت اور سبک سی انگوٹھیوں سے مزین تھیں اور پھر ایک نوجوان عورت اس کے برابر کی کری پر بیٹھ گئی۔ انور اس کی طرف مڑا اور وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

”اوہ معاف سمجھے گا مجھے غلط فہمی ہوئی۔“ وہ ندامت آمیز انداز میں یوں کہی۔“ کوئی بات نہیں ہے تشریف رکھئے۔“ انور انہی خوش اخلاقی اور شرافت سے بولا۔ ویہ اس وقت کوئی میز خالی نہیں ہے، مجھے آپ سے مل کر مسرت ہو گی۔“

اور اس کی خوش اخلاقی کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ اس نے ابھی ابھی اپنے کوٹ کے نیچے جیب میں ایک وزن سا محسوس کیا تھا اور اب بھی محسوس کر رہا تھا۔ بظاہر وہ اس کی طرف سے لاپرواںی بر تارہا وہ فوراً ہی یہ نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اس کا سگریٹ کیس ابھی ابھی حرث اگینڈا طریقے پر اس کی جیب میں واپس آگیا ہے۔

انور نے اپنے چہرے پر اور زیادہ شرافت کے آثار پیدا کئے اور وہ کسی دیوتا کی طرح مضمون نظر آنے لگا۔

عورت بیٹھ گئی۔“ میں کیا تاؤں کہ آپ میرے دوست سے کتنی مشابہت رکھتے ہیں۔“ عورت مسکرا کر یوں۔“ انشا پاک بڑی شان اور قدرت والا ہے۔“ انور نیھت مولویانہ انداز میں بولا۔“ آپ چائے پیں گی یا کافی۔“

”اوہ شکریہ۔ اس کی زحمت نہ کجھے۔“ عورت نے کہا۔“ میں خود منگو الوں گی۔““ آپ میرا دل توڑ رہی ہیں۔ فرض کجھے میں آپ سے دوستی پیدا کرنا چاہتا ہوں تو....!“ اور مسکرا کر بولا۔“ اس کے بعد آپ یقیناً مجھے اپنے گھر پر بلا کر چائے پلا میں گی۔ اس کے بعد میں آپ کو مد عوگروں گا۔ اسی طرح زندگی بھر ہم دونوں ایک دوسرے کو دعویٰ میں دیتے رہیں گے اور پڑے گا۔ دنیا بدستور اپنے راستے پر چلتی رہے گی۔ اس کے بعد کوئی دوسری گوشت پوسٹ کی مشین اس کی جگہ لے لے گی۔ پھر پریشانی کس بات کی۔

”اوہ تو تم یہاں ہو! کسی نے پیچھے سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ آواز نوسانی تھی۔“ اپ واقعی دلچسپ معلوم ہوتے ہیں.... ایک اچھے دوست ثابت ہوں گے۔“ عورت نے اپنے پیٹھی بیگ میز کے نیچے رکھ کر آرام سے بیٹھتے ہوئے کہا۔“ انور نے پیرے کو آواز دے کر چائے اور پیش روں کا آرڈر دیا۔ پھر عورت کی طرف جھک کر رازدار نہ لجھے میں کہنے لگا۔

”اس ریستوران کے سارے ویٹر مجھے یو تو ف سمجھتے ہیں۔ اچھا آپ ہی ایمانداری سے تائیے کہ میں صورت سے بھی یو تو ف معلوم ہوتا ہوں۔“

”قطیعی نہیں....!“ عورت شرات آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”کچھ ہم اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔“ انور اور بھی رازدار نہ انداز میں بولا۔“ میرا خیال ہے کہ میں کافی خوبصورت آدمی ہوں۔ لیکن لوگوں نے یو تو ف مشہور کر دیا۔ جس کا انعام یہ ہوا کہ کوئی لڑکی مجھ سے شادی کرنے پر رضامند نہیں ہوتی۔ غیر میں نے بھی تہیہ کر لیا کہ تمام گھر خادی نہ کروں گا۔ ویسے بہتری لڑکیاں میری دوست ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ بے وقوف کے انوں گال خود بخوبی پھر کرتے رہتے ہیں۔ ذرا دیکھئے کیا اس وقت میرا بیاں گال پھر کر رہا ہے یا نہیں،

”نہیں قطعی نہیں۔“

”اگر آپ مجھے یو وقف نہ سمجھیں تو میں آپ کا نام پوچھنے کی جرأت کروں۔“

”میرا نام بخوبی ہے۔“

”آپ بچ مجھ بخوبی ہیں۔ جنم معنی ستارہ آپ کی آنکھیں ستاروں کی طرح پچدار ہیں۔۔۔ مگر آپ دمار ستارہ نہیں، میں نہ سنا ہے کہ دمار ستارہ منحوس ہوتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔“

”آپ شیک کرتے ہیں۔“ عورت مسکرا کر بولی۔

”میرا نام انور سعید ہے“ انور مسکرا کر بولا۔ ”لوگ مجھے کروڑ پی سمجھتے ہیں، لیکن مجھے تو یقین نہیں آتا۔“

”تو پھر آپ بچ کر کروڑ پی ہیں۔“

”پتہ نہیں! مکن ہے افواہ ہو۔“

”آپ واقعی بہت دلچسپ آدمی ہیں۔“ عورت گھڑی دیکھ کر اپنا ہینڈ بیگ میز کے نیچے سے اٹھا ہوئی بولی۔

”تو کیا چل دیں۔ میں بہت اداں ہو جاؤں گا۔“

”مجھے جلدی ہے گیارہ بجے میرے ایک عزیز باہر سے آ رہے ہیں۔ انہیں لینے کے لئے اٹھیں جاؤں گی۔“

”خیر....!“ انور اداسی سے بولا۔ ”پھر کب ملیں گے۔“

”کل کسی وقت ہمارے گھر آئیے۔“ عورت نے کہا اور انور سے ہاتھ ملا کر ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے باہر چل گئی۔

انور اٹھ کر گھر کی کے قریب آیا وہ باہر ایک چھوٹی سی خویصورت کار میں بیٹھ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے کار اسٹارٹ ہو گئی اور انور اپنی میز پر لوٹ آیا۔ بیرے کو بلا کر جلدی جلدی بل ادا کیا اور باہر نکل آیا۔

اور پھر جس طرف کار اگئی تھی اسی طرف اس کی موڑ سائکل بھی جا رہی تھی۔ انور کی آنکھیں شرارٹ آمیز انداز میں چک رہی تھیں، لیکن پھر جلد ہی اس کے چہرے پر معموں میں پہنچ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ابھی ابھی کسی عبادت گاہ سے لوٹا ہو۔

ابھی تک وہ کار سے نہیں دکھائی دی تھی۔ غالباً بہت زیادہ رفتار سے روانہ ہوئی تھی لیکن انور اپنی جوابی کار والی کی طرف سے مطمئن تھا۔

ذرالاور قریب سے دیکھئے۔“

عورت جھک کر دیکھنے لگی۔ بچ جو انور کا بیان گال خود بخود پھر کر رہا تھا۔ عورت ہنسنے لگی

”یہ دیکھئے... یہ دیکھئے... داہنا بھی پیڑ کرنے لگا۔“

عورت جھک کر دیکھنے لگی۔ اس دوران میں انور نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور اسے بکھر کر دیکھنے لگا۔ میں ڈال دیا۔ عورت کو خبر نک نہ ہوئی۔ وہ بدستور انور کے گال کی پھر کن دیکھ دیکھ کر ہنسنی رہی۔

”ہاں تو یہ ہے میری دکھ بھری داستان۔“ انور سیدھا ہو کر بولان ”اب بتائیے آپ کو میں بے وقوف لگتا ہوں یا نہیں۔“

”قطعی نہیں۔“ عورت سنبھدہ بننے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

”خدا آپ کو خوش رکھے آپ پہلی عورت ہیں جس نے مجھے یو وقف نہیں سمجھا۔ چائے بیجئے۔“ انور نے اس کے کپ میں چائے انھیلیتے ہوئے کہا۔

عورت اس دوران میں بار بار اپنی گھڑی کی طرف دیکھتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس وقت کا برا اخیال ہے۔

”اب ہم دونوں اس طرح ملے رہیں گے۔“ انور نے بچکانے انداز میں کہا۔

”ضرور ضرور...!“ عورت مسکرا کر بولی۔ ”واقعی آپ بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔“

”میں شاعر بھی ہوں۔“ انور آگے کی طرف جھک کر بولا۔

”اوہ... اچھا...؟ تب تو آپ سے مل کر اور بھی خوشی ہوئی۔“

”میرے والد صاحب بھی شاعر تھے۔“

”اچھا...!“

”دوا صاحب بھی اور پرودا بھی۔“

”تب تو آپ واقعی بہت اچھے شاعر ہوں گے۔“ عورت نے مسکرا کر کہا۔ ”بھی ہاردا طرف بھی آئیے گا۔ ایک سو میں آسکر سٹریٹ میں رہتی ہوں۔“

”اور آپ کے...!“

”میں ابھی پڑھ رہی ہوں۔“ عورت جلدی سے بولی۔

”اوہ ہو ہو۔“ انور بچوں کی طرح ہستا ہوا بولا۔ ”تب تو میں ضرور آؤں گا۔ تو آپ والد بھی یو وقف نہیں سمجھتیں۔“

”اور آپ نے اس پر یقین کر لیا۔“

”کیوں؟ یقین کیوں نہ کیا جائے۔“

”اگر فرض کیجئے خود اسی کے پاس بم رہا ہو تو۔“

”یہ بھی ہو سکتا ہے۔“

”وہ ہے کون؟“

”ایک معور آدمی کی بیوی ہے۔“

”یعنی....!“

”بیشش آڑن ورکس کے نیجر کی بیوی ہے۔“

”اوہ.... اچھا....!“ انور نے کہا اور اس کے ذہن میں پہ درپے کئی سوال گونج اٹھے۔

”میں نے اسے فون کر دیا ہے وہ آہی رہا ہو گا۔“ سب انپکٹر نے کہا اور دوسرا طرف چلا گیا۔

انور تھوڑی دیر تک کھڑا سگریٹ پیتا رہا پھر دفعتا ہپتال کی کپاؤٹ سے باہر چلا گیا۔ چھانک کے

زیر ہتھیار کی ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ انور وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ چائے کیلئے کہہ کر دروازے کے

زیر کری گھسیٹ لایا۔ یہاں سے ہپتال کے اندر جانے والے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ایک کار چھانک میں داخل ہوئی۔ انور نے مخفی خیر انداز میں سرہلا یا۔ دوسرے

لئے میں وہ ایک کاغذ کے ٹکڑے پر بائیں ہاتھ سے لکھ رہا تھا۔

داراب کے لئے دوسرا چوت، لیکن مجھے اپنے قیمتی سگریٹ کیس کے

ضائع ہونے کا افسوس ہے۔ آئندہ کسی ملاقات میں اس کی قیمت وصول

کر لی جائے گی۔

انور وہ کاغذ مٹھی میں دبائے ہوئے ہپتال کی کپاؤٹ میں آیا۔ تھوڑی دیر قبل جو کار اندر

اٹھ ہوئی تھی پوری ٹکڑوں میں کھڑی نظر آئی۔ انور نے وہ پرچہ اس کی اگلی سیٹ پر ڈال دیا اور پھر اسی

کی پر آکر بیٹھ گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد کار اندر سے واپس آئی اور مشرق کی طرف مزگئی۔ انور کی موڑ

ساٹلیں کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ کار شہر کے باروں سے گزرتی ہوئی

ایک دیران راستے پر ہوئی۔ انور کو مجبوراً اپنی موڑ سائکل کی رفتار کم کر دینی پڑی۔ وہ تقریباً چار

ٹالکیں پہنچے جا رہا تھا۔ دھنٹائے خیال آیا کہ وہ سڑک آگے جا کر ختم ہو گئی ہے۔ پھر اس کے بعد

ایک دیا ہے۔ وہ اکثر اس طرف تقریباً نکل آیا کہتا تھا۔ ایک خیال تیزی سے اس کی ہن میں

وہ تھوڑی ہی دور گیا ہو گا کہ سامنے سڑک پر بھیڑ دکھائی دی۔ شاید کوئی حادثہ ہو گیا تاہم پھر اس انبوہ میں اسے وہ کار دکھائی دی جس کے تعاقب میں وہ روانہ ہوا تھا۔ انور کے ہوتولی میں مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس مسکراہٹ سے درندگی اور سفاقی جھلک رہی تھی۔ اس کی نظر میں وہی آسودگی تھی جو ایک درندے کی نظر میں پائی جاتی ہے۔ اس وقت جب کہ اس کا شاذر شکار بالکل اس کے قابو میں آگیا ہو۔

انور نے موڑ سائکل فٹ پا تھک کے قریب کھڑی کر دی اور خود بھیڑ میں آگیا۔ نجمہ کار کی اگلی سیٹ پر پڑی کراہ رہی تھی۔ اس کی بائیں ران کے پرچے اڑ گئے تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے قیصر کر کے رکھ دیا ہو۔ پینڈ بیک کے چھپڑے سڑک پر پڑے گئے رہے تھے اور کار کے اندر بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

پولیس آگئی تھی۔ سب انپکٹر نے کہیں سے ایک ایبو لیشن گلوائی اور زخمی عورت کو اس پر ڈال کر ہپتال کی طرف لے جانے لگا۔ کاز سڑک کے کنارے کھڑی کر دی گئی۔ انور نے کی آدمیوں سے اس حادثے کے متعلق پوچھنے کی کوشش کی لیکن کسی کسی نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ کسی کو ٹھیک سے یہ نہ معلوم ہوا کہ حادثے کی نوعیت کیا تھی۔ پھر انور چورا ہے کہ سپاہی کی طرف متوجہ ہو۔

”کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔“ سپاہی بولا۔ ”کار یہاں سے گزر رہی تھی کہ دھنٹا ایک دھماکہ نال دیا اور پھر ایک چین۔ کار رک گئی اور عورت اس حال میں نظر آئی۔ میرا خیال ہے کہ شاید اس کے پاس کسی قسم کا مٹھا جو پھٹ گیا۔“

”اس نے کچھ بتایا بھی....!“ انور نے پوچھا۔

”کچھ نہیں، بہر حال ایک ٹانگ تو بے کار ہی ہو گئی یا شاید مر جائے۔“

انور موڑ سائکل لے کر سیدھا ہپتال کی طرف روانہ ہو گیا اور اس کرے میں نہیں گا جس میں وہ رکھی گئی تھی۔ اندر شاید پولیس اس کا بیان لے رہی تھی۔ انور باہر ہی ٹھہر ا رہا۔ ”اذا بھی جا سکتا تھا لیکن اس نے مناسب نہیں سمجھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک سب انپکٹر اندر سے آیا۔ انور اسے اچھی طرح بیچاتا تھا۔

”کیوں جتاب آخر آپ پہنچی گے۔“ اس نے انور سے کہا۔

”ہاں جتاب اسی کی روٹی کھاتا ہوں۔“ انور بولا۔

”اس نے بیان دیا ہے کہ کسی نے اس کی کار پر بم پھینکا تھا۔“ سب انپکٹر نے کہا۔

میری نی غرل نا مکمل رہ جاتی۔“  
”تمہارا دوسرا قدم کیا ہو گا۔“

”میرا دوسرا قدم، دوسرا قدم ہو گا۔ ظاہر ہے کہ وہ تیسرا قدم ہرگز نہیں ہو سکتا۔“

”پھر بد حواس ہوئے تم....!“

”تمہاری آنکھیں بہت حسین ہیں۔“

”اتی بلدی سارے سگریٹ پی ڈالے۔“ رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

”مگر اور نہیں آج کچھ آدمی کی توقع ہے۔ میں داراب سے اپنے سگریٹ کیس کی قیمت معا جرمانہ اور بر بادی وقت وصول کروں گا۔“

”کیوں خواہ خواہ جان گنوار ہے ہو۔“ رشیدہ بولی۔

”ڈرپوک نکل جاؤ یہاں سے۔“ انور گزر کر بولا۔

”میں ڈرپوک نہیں ہوں۔ لیکن میں تمہیں تمہاں نہ جانے دوں گی۔“

”بومت.... میں تمہاں جاؤں گا۔ تم بعد میں آسکتی ہو۔ سنو قریب آؤ۔“

رشیدہ اس کے قریب کری کھکھلا لائی اور انور آہستہ اس سے باتمیں کرتا رہا۔

چھر ایک کانخذ پر کچھ لکھ کر اسے دیتا ہوا بولا۔ ”یہ ساری چیزوں کی دوافروش کے یہاں مل جائیں گی۔“

رشیدہ چل گئی۔ انور نے کپوڑی کو بلوا کر جاسوںی ناول کی قطع اسی کے حوالے کی اور اٹھ کر کرے میں ٹھیکنے لگا۔

اس کا ذہن رات کی جنگ کا نقشہ مرتب کر رہا تھا۔ اس کے دل میں ذرہ برابر بھی چکچاہت نہیں تھی۔ اسے اپنی کامیابی پر اس طرح ناز تھا جیسے وہ اپنے ساتھ ایک بہت بڑی فوج لے جانے کا ارادہ رکھتا ہو اور پھر چند لمحوں کے بعد اس نے یہ سارے خیالات اپنے ذہن سے نکال چکے اور ان سگریٹوں کے متعلق سوچنے لگا جو رشیدہ اس کے لئے خریدنے گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ واپس آگئی۔ سگریٹوں اور سگریٹ کیس کے ساتھ اس نے چھوٹا سا پکٹ بھی میز پر رکھ دیا۔

گونجا اور اس نے موڑ سائکل روک کر ایک طرف کھڑی کر دی۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک اوپرے درخت پر بندر کی سی پھرتی کے ساتھ چڑھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب سے اوپری شاخ پر چک گیا۔ اس کے گرد و پیش میلوں تک گھنی جھونپڑیاں اور سر سبز میدان پھیلے ہوئے تھے۔ دریا کے کنارے ایک طرف چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں تھیں جن سے تقریباً ڈیڑھ یادو فرلانگ کے فاصلے ایک بڑی سی پختہ عمارت تھی۔ جنگ کے زمانے میں اس میں کوئی سر کاری کارخانہ تھا اور جنگ کے خاتمه پر اسے کسی نے کرانے پر لے لیا تھا۔ انور کی نظریں اس کار پر بھی ہوئی تھیں۔ دفعتاں نے ایک گہر انسان لیا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ کار اسی عمارت کی کپاڑوں میں داخل ہو رہی تھی۔

اور درخت سے اتر آیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا پیکٹ نکالا لیکن دوسرے ہی لمحے میں جھنگلا کر اسے سڑک پر ٹھیک کیوں نکلہ وہ نہ جانے کب کا خالی ہو چکا تھا اور پھر اس کی مہر سائکل شہر کی طرف واپس جا رہی تھی۔ وہ اس وقت صرف سگریٹوں کے متعلق ہوتی رہا تو جیب میں اتنے پیسے بھی نہ تھے کہ شہر پہنچنے تک سگریٹ خرید لے جاتے۔ بہر حال دفتر پہنچنے سے قبل اسے سگریٹ نہیں مل سکتے تھے۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ دفتر میں بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔ آج کی بھریں مکمل ہو جانے کے بعد اس نے مسودہ ایڈیشن کے کمرے میں بھجوادیا اور ہم روزانہ چھپنے والے جاسوںی ناول کی قطع لکھنے لگا۔ آج کے کارناموں تک کی اطلاع اس نے رشیدہ دفتر میں آتے ہی دے دی تھی۔ رشیدہ نے اس پر کچھ تبصرہ بھی کرنا چاہا تھا لیکن انور نے یہ کہہ کر اسے روک دیا تھا کہ وہ اپنا کام مکمل کئے بغیر کسی قسم کی گفتگو کرنا پسند نہ کرے گا۔

جاسوںی ناول کی قطع لکھنے کے بعد اس نے ایک طویل انگوٹھی ای اور سگریٹ سلاکر کر کی پشت سے نک گیا۔ رشیدہ اس دوران میں کئی بار اس کے کمرے میں جھانک کر واپس جائی تھی۔ وہ جاتی تھی کہ اگر کام کرتے وقت وہ اس کے پاس گئی تو وہ اسے بڑی بے مردوں کے سامنے کر کے سے نکال دے گا۔

وہ بھر آئی اور یہ دیکھ کر انور کام ختم کر چکا ہے کر کے میں چلی آئی۔

”تم بچھے بہت خطرناک ہوتے جا رہے ہو۔“

”میں فرشتوں سے زیادہ معصوم ہوں۔“ انور کے چہرے پر معصومت پھیل گئی۔

”اُس بے چاری کا نہ جانے کیا حشر ہوا ہو گا۔“

”بہر حال... مر نہیں سکتی۔“ انور نے کہا۔ ”البتہ وہ سگریٹ کیس میرے جیب میں پھینا۔“

”بعض اوقات بہت پیاری لگتی ہو۔“

”پھر تم نے کھن کاڑہ کھولا۔ اب کیا بات ہے۔ سگریٹ بھی تو لادیے۔“

”تم کیا یہ سمجھتی ہو کہ میں فقیر ہوں۔“ انور نے بھنا کر اپنا پرس میز پر الٹ دیا۔ اس میں ایک دوپنی گرفتاری۔  
رشیدہ بے اختیار بنس پڑی۔

”آج رات کو میں کافی امیر ہو جاؤں گا۔“ انور سنجیدگی سے بولا۔

”یہ لیجئے۔“ رشیدہ نے دس دس کے دونوں انور کے سامنے ڈال دیے۔

”ٹکری یہ.....ٹکری یہ۔“ انور دونوں سمیت کر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ ”آج رات کو مع سو روپاں کروں گا۔“

”آج تمہیں شام کی چائے بھی یاد نہیں رہی۔“ رشیدہ نے کہا۔

”میں منگواؤ۔“ انور نے کہا۔ ”آج میں یہاں سے نوبجے سے پہلے نہیں نکلوں گا۔“

”کیوں....؟“

”یا تم تجھے یہ چاہتی ہو کہ میری غزل ناکمل رہ جائے گی۔“

رشیدہ نے چڑاہی کو آواز دے کر چائے لانے کو کہا اور پیار بھری نظروں سے انور کی طرف یکنے گی۔

”یا کاٹ لھانے کا رادہ ہے۔“ انور سہم کر بولا۔

رشیدہ جھنچھلانی اور اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا۔

”تم انسان نہیں ہو۔“ وہ مایوسانہ انداز میں بولی۔ ”تم تجھے مشین بن کر رہ گئے ہو۔“

”اور یہی آدمیت کی معراج ہے کہ آدمی پردکھ اور سکھ کا کوئی اثر نہ ہو، خوشی اور رنج دونوں ال کے لئے بے معنی الفاظ ہو کر رہ جائیں۔ اگر دنیا یہاں کے قدیم... فلسفیوں کے نقشی قدم پر ٹلکھتی تو آج نہ کوئی تپ دق میں بھتلکا ہوتا اور نہ خوشی کی زیادتی کی وجہ سے کسی کا ہدراہ فیل ہوتا۔“

”وپھر آدمی کو آدمی کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“

”مت کہو....!“ انور لاپرواٹی سے بولا۔ ”جودل چاہے کہہ لو۔“

”مگر دکھ سکھ اختیاری چیز نہیں ہیں۔ کسی احساس کو دبایا تو جاسکتا ہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ اسے احساس ہی نہ ہو۔“

## انوکھا پستول

انور نے صفوتوں کی تھوڑی تھوڑی مقدار لے کر انہیں سمجھا کیا اور ان میں ایک بوون پالا زلا کر چھوٹی چھوٹی گولیاں بنائیں۔ پھر چند سگریٹوں کا تمباکو نکال کر میز پر پھیلا دیا۔ تھوڑی دریا مخت کے بعد اس کے چہرے پر آسودگی اور اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔ رشیدہ خاموش بیٹھ یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

”آخر اس کا مطلب....!“ رشیدہ بولی۔

”اس ترکیب سے تمباکو ذرا تیز ہو جاتا ہے۔“

رشیدہ نے اس طرح منہ بٹایا جیسے اسے یقین نہ آیا ہو۔

”اب گھر بھی چلو گے یا نہیں، پانچ نج رو ہے ہیں۔“ رشیدہ نے کہا۔

”میں نے اسکیں بدلتے ہے تم تھا گھر جاؤ، موڑ سائیکل لیتی جاؤ اور پھر بارہ بجے کے بو کیتھیں اختیار ہے۔“

”معلوم ہوتا ہے کہ تم تجھے مجذوبی سے بیزار ہو گئے۔“

”نہیں زندگی سے پیار ہے البتہ اس صورت میں ضرور زندگی سے بیزار ہو سکتا ہوں جب اس میں یکسانیت پیدا ہو جائے۔“

”اگر یہی ہے تو پھر زندگی میں نیا پن پیدا کرنے کے لئے دوسرے طریقے بھی ہیں۔“ رشید مسکرا کر بولی۔

”وہ کیا....؟“

”جب زندگی میں یکسانیت محسوس ہونے لگے تو آنکھیں بھیجن کر گدھے کی بولی بولنا شرعاً کردار ہے۔ اگر کوئی قریب ہو تو دل تیاں بھی جھاڑ سکتے ہو۔ اگر اس سے بھی تنقی نہ ہو تو اپنے پتلوں میں پیچھے کی طرف سرخ رنگ کا ایک لمبا فتحہ نکلوالو۔“

انور نے قہقهہ لگایا اور رشیدہ بھی ہٹنے لگی۔

”یہ بات نہیں رشو! میں نے ایک بار تفریح اجابت کی تھی۔ مگر وہ تفریخ نہ ثابت ہوئی۔ اس لئے میں نے دوسرا کو شش نہیں کی۔“

”میا تمہیں مجھ سے مجت نہیں۔“

”محجھے صرف تمہاری مردگانی سے پیار ہے۔“ انور نے کہا۔ ”اتی حسین ہونے کے باوجود ہمیں نہایت بہت کم ہے۔“

”تم غلط سمجھتے ہو۔ میں سو فیصد عورت ہوں۔“

”صرف جسمانی ساخت کے اعتبار سے۔“

”غیر چھوڑو! تم پھر آہستہ آہستہ فلسفے اور سائنس کی طرف آرہے ہو۔“ رشیدہ اکتا کر بولی۔

”اچھا رہو! اب تم جاؤ۔“ انور گھر کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”آج کی رات میری لئے ایک سین رات ہو گی اور ہاں دیکھو مجھے یقین ہے کہ باہر داراب کا آدمی ضرور ہو گا۔ تم باہر فٹ پا تھے پنکل کر چوکیدار سے میرے متعلق پوچھنا۔ اگر وہ اندر آنے لگے تو اسے روک دینا۔ اس سے کہنا کہ میں اندر نہیں ہوں۔ پھر تم اس سے کہنا کہ تم میری موڑ سا بیکل لئے جا رہی ہو اور وہ مجھے اس کا الٹا عدے دے گا۔“

”یہ ساری گنگوڈر اونچی آواز میں ہوئی چاہئے سمجھیں! اچھا ب جاؤ۔“

”بھی تم پولیس کی مدد کیوں نہیں لیتے۔“ رشیدہ جھنجلا کر بولی۔

”کہہ تو دیا کہ مجھے سگریٹ کیس کی قیمت وصول کرنی ہے۔“

”تمہاری ضد تو بڑی خطرناک ہوتی ہے۔“

”رشواب تم جاؤ ورنہ میں چمچ تھم سے مجت کرنے لگوں گا۔“ انور نے اٹھ کر اسے دروازے کی طرف دھکیلے ہوئے کہا۔

”رشیدہ سمجھ گئی کہ وہ ایک نہیں نہیں سنے گا۔ آخر کار وہ اپنے پرس اٹھا کر چلی گئی۔“ انور نے چپر اسی کو بلایا۔

”دیکھو یہ چائے کے برتن لے جاؤ۔ میں نوبجے تک یہاں بیٹھوں گا لیکن باہر کسی کو اس کا علم نہ ہونے پائے کہ میں یہاں موجود ہوں اور وہاں اس طرف سُکھن کا دروازہ باہر سے بند کر کے تالا ہال دیا تاکہ کوئی اوہر آنے نہ پائے۔ غالباً تم سمجھ گئے ہو گے، میں اوہر کی کھڑکی سے نکل جاؤں۔“

”میں اثر کی بات کر رہا تھا، احساس کی بات نہیں۔ یہ دونوں نوعیت کے اعتبار سے بالکل مختلف ہیں۔ کسی جذبہ کا ہم پر جو اثر ہوتا ہے وہ داخلی نہیں بلکہ صدھا سال کے خارجی تجربات کا نتیجہ ہے اسے یوں سمجھ لو کے.....“

”بس بس ختم کرو فالسہ....!“ رشیدہ اکتا کر بولی۔ ”میں اپنا دماغ چھلنی نہیں کرانا چاہئو میرا اس چلے تو تمہاری کتابوں کے ڈھیر میں آگ لگادوں۔“

انتہے میں چپر اسی چائے لایا۔

”غیر خیر لو چائے پیو۔“ انور نے کہا۔ ”یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایک دن تم بھی میرا ہی طرح سونپنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔“

رشیدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سر جھکائے چائے بنانے لگی۔

”آخر تھم نے یہ پیشہ کیوں اختیار کر کھا ہے کہ یونیورسٹی میں پروفیسری کے لئے کیوں نہ کوشش کرتے۔“

”چائے پیو....!“ انور نے اسامنہ بنا کر بولا اور دوسرا طرف دیکھنے لگا۔

”تم آخر پولیس کو ساتھ لے کر کیوں نہیں حملہ کرتے۔“ رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

”نہیں.... آج میں سگریٹ کیس کی قیمت وصول کروں گا اس کے بعد دیکھا جائے گا۔“

”چمچ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“

”دماغ خراب ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ میری طرف دیکھو.... کتنی رسیلی ہیں تمہار آنکھیں اور تمہارے نیچلے ہونٹ کا درمیانی خم تو قیامت ہے اور یہ سلگتے ہوئے گال معلوم ہے، شعلے نکل پڑیں گے، تم مسکرا رہی ہو۔ اسے کیا شفق پکھو ہے اور یہ موتی جیسے دانت۔“

”میں تارے.... رشو کہیں چمچ تھم سے مجت نہ کرنے لگوں۔ مگر نہیں رشو میں درود لے؟“ گھبرا تا ہوں۔ بعض اوقات ریاحی درود ل بھی ہونے لگتا ہے، جو معدے کی صفائی کے بعد باؤں ٹھیک ہو جاتا ہے۔ درود جگر کا میں قائل نہیں۔ ہاں بعض حالات میں درود گردہ ہو سکتا ہے،“

”درود کوئی بھی اچھا نہیں ہوتا۔ حضن دردوں کی وجہ سے مجھے اردو شاعری سے نفرت ہو گئی۔“ مجھے دردوں سے زیادہ درود را پھاگلاتا ہے۔“

”ہاں ہاں.... حضن اس لئے کہ ایک بار تمہیں تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔“ رشیدہ ہنس کر بولی۔

گا۔ بس جاؤ... انعام کل....!

چپر اسی چائے کے برتن سیست کر باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد انور نے ایک الماری کو کر سہمہرے رنگ کے سرفی مائل بال نکالے اور اپنے گالوں پر کوئی سیال شے لکا کر ان میں وہ چپکانے شروع کر دیئے۔ پھر اسی طرح موچھیں بنائیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ کوئی خوبصورت جانور معلوم ہونے لگا۔ وہ تھوڑی دیر تک آئئے میں اپنی ڈاڑھی کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے بعد وہ نکالی اور بے ترتیب بالوں کو برابر کرنے لگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد اس نے آئینے پر الوداعی نظر ڈالی اور اسے پھر الماری میں رکھا۔ وہ اب ایک معمر انگریز پادری معلوم ہو رہا تھا۔ گھری نے آئندہ بجائے اور انور آرام کر سی پر گھر اونٹھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی گھری نیند سو جائے گا۔ ایک گھنٹے تک وہ اس طرح حس و حرکت پڑا رہا جیسے اس میں ہاتھ پیرہلانے کی بھی سخت نہ رہ گئی ہو۔ جیسے ہی کلاک بجائے وہ اٹھ بیٹھا لیکن اب اس میں چہلی سی توائی نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ برسوں سے بیمار ہو۔ آنکھیں دھنڈ لائی تھیں۔ چہرے پر مردنی چھاگلی تھی۔ اس نے آس سے کھڑکی کھوئی اور برآمدے میں سناتا تھا۔ یقچے پر لیس کی مشینوں کی گھر گھڑا ہٹ سنائی دے تھی۔ انور نے سوچا کہ کیوں نہ تینیں اپنے اس بھیں کا امتحان کرے۔ اپنی کمر کو قدرے جھانکتے آہستہ چلتا ہوا اسٹنٹ ایٹھیر کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کی سانس اس طرح پھولتی جیسے وہ دمہ کامر یعنی ہو۔ اسٹنٹ ایٹھیر کے کمرے کے سامنے پہنچ کر وہ تین بار کھانا اس کی سانس اور زیادہ پھولنے لگی۔

”کیا میں اندر آسکتا ہوں۔“ وہ دروازے کے پاس پہنچ کر بھرائی ہوئی آواز میں انگر میں بولا۔

”ضرور... ضرور...!“ اسٹنٹ ایٹھیر اپنی کر سی پر سیدھا ہو کر بولا۔ انور ایک کر سی پر بیٹھ گیا اور ہاضم نہیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گفتگو کرنے سے پہلے ابھی ہوئی سانسوں پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

”مسٹر... آن... ہوف... انور... کہاں میں گے۔“ ”اوہ... وہ تو گھر پلے گئے ہیں۔ کیا آپ کو ان کے گھر کا پتہ معلوم ہے۔“

انور نے نہیں میں۔ بلایا۔ اسٹنٹ ایٹھیر نے ایک کاغذ پر انور کا پتہ لکھ کر دے دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک بینہ بانپتا رہا پھر ایٹھیر کا شکریہ ادا کر تاہو اوس کے کمرے سے نکل گیا۔ برآمدے سے نکل کر وہ زینے طے کر تاہو اف پاٹھ پر آگیا۔ اس کا خیال صحیح نکلا۔ ایک بیکل کے کھبے کے پاس کھڑا آفس کے صدر دروازے کی طرف تاک رہا تھا اور وہ اسی کے پیسے کھڑا ہو کر کھانتے لگا۔ اس آدمی نے دو تین بار اسے گھور کر دیکھا پھر جیب سے سگریٹ لی کر سلگانے لگا۔ ”اب کوئی نیکی بھی نہ دکھائی دے گی۔“ انور جھلاہٹ میں بڑھانے لگا۔ ”اور میں.... میں ہو جاؤں گا۔“

اس آدمی نے اسے پھر ایک بار گھور کر دیکھا اور اس کی زہریلی اور جراشیم آمیز سانسوں سے پتے کے لئے دوسری طرف کھک گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک نیکی دکھائی دی۔ انور نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکایا۔ ”میںے پول ہو ٹھیں...!“ وہ نیکی میں بیٹھتا ہوا زور سے بولا۔ نیکی چل پڑی۔ انور نے باہر اٹھ دیکھا۔ وہ آدمی بدستور وہیں کھڑا تھا۔

”اچھا صاحب...!“ ڈرائیور نے کہا۔ ”کیا واپسی بھی ہو گی۔“ ”نہیں۔“

”تو صاحب کرایہ دیگنا پڑے گا کیونکہ واپسی میں وہاں سے خالی آتا پڑے گا۔“ ”پوادھ مت کرو...!“ انور نے جھلا کر کہا۔

”کیا دیر ان راستے پر ہوئی۔ سیتا گھاٹ سے تقریباً ایک میل اور ہر ہی انور نے نیکی روکائی۔“ کرایہ ادا کر کے نیچے اتر گیا۔ ڈرائیور دیر انے میں اترنے کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ وہ کچھ خوف زدہ مانظر آنے لگا تھا۔ کرایہ ملے ہی اس نے نیکی شہر کی طرف موڑ دی اور کافی تیز قدری سے چل پڑا۔ انور نے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی اور تیز قدموں سے گھاٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ پہلوں طرف گھر ادا نہ ہی رہا تھا۔ سانٹے میں اس کے قدموں کی آہٹ دوڑک گون خرہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دریا کے کنارے نی ہوئی عمارت کے کپاؤنڈ میں داخل ہو رہا تھا۔ باہر کوئی

بلند نمبر 4

”اس کی ضرورت نہیں ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔“ انور نے آہستہ سے کہا۔  
”تم کون ہو....!“ وہ ہاتھ اوپر اٹھاتا ہوا بولا۔

”کوئی غیر نہیں ہوں۔“ انور نے مسکرا کر کہا۔ ”میں بھی چھرے پر نقشی ڈاڑھی لگانا جانتا ہوں۔ میں تم سے جھوٹا کرنے نہیں آیا۔ میں اپنے سگریٹ کیس کی قیمت چاہتا ہوں۔“  
”ہو.... انور....!“ وہ مسکرا کر بولا۔ ”آخر کار تم نے میرے ٹھکانے کا پتہ لگا ہی لیا اور اپنے  
ہاتھ پولیس بھی لائے ہو گے۔ لیکن تم بیہاں تک کیسے پہنچ۔ کیا میرے سب آدمی گرفتار ہو گئے۔“  
”نہیں۔ نقشی نہیں۔ وہ سب نیچے گل چھڑے اڑا رہے ہیں۔ میرے لئے کوئی چیز ناممکن  
ہے۔ تمہارا خیال غلط ہے میں بالکل تباہ ہوں۔ اگر مجھے سگریٹ کیس کی قیمت نہ وصول کرنی ہوتی  
ہے۔“

”اگر یہ بات ہے تو پستول جیب میں رکھ لو۔ میں اب بھی تم سے سمجھوتہ کرنا پسند کروں گا۔“  
”حالانکہ آج تمہاری وجہ سے ایک عورت زخمی ہو گئی ہے جسے میں بے حد چاہتا ہوں۔ لیکن  
میں اس کے خلاف پولیس کو کوئی بیان نہیں دیا۔“

”اکی سے تم میری نیت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”مجھے صرف اپنے سگریٹ  
بیکن کی قیمت چاہئے۔“

”کتنی قیمت چاہئے ہو۔“

”صرف تین سوروپے۔“

”بس....!“ وہ مسکرا کر بولا۔

”میں تم سے کوئی سودا کرنے نہیں آیا اور نہ تم ان تین سوروپیوں میں مجھے خرید سکتے ہو۔  
میری قیمت تم نہیں ادا کر سکتے اور پھر اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر مجھے یہی کرنا ہو گا تو جب  
پاپوں کا خمیں نیچے بازار میں لوٹ لوں گا۔“ انور سمجھدی گئی سے بولا۔

”خیر.... خیر....!“ وہ میز کی دراز کھول کر نوثوں کا بذل لگاتا ہوا بولا۔ ”یہ لو! میں تم سے  
بڑا کرنا نہیں چاہتا۔“

اُس نے کچھ نوٹ گن کر انور کی طرف بڑھا دیئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں انور کو ایک  
اس صندے سے کام منا کرنا پڑا۔ نوٹ تو اس کے ہاتھ میں آگئے لیکن پستول اس کے ہاتھ سے نکل  
جیب کی طرف گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں انور کا پستول جیب سے نکل آیا تھا۔

نہیں دکھائی دیا۔ اس نے بے آسانی چھانک کھولا اور احاطے میں گھس گیا۔ اب بوڑھوں اور مریضوں  
کی طرح نہیں چل رہا تھا۔ برآمدے پر پہنچ کر اس نے دروازے پر دستک دی۔ ایک آدمی نے  
دروازہ کھول کر باہر سر نکالا۔

”کون ہے۔“

”بے وقوف یہ رکی باتوں کا وقت نہیں ہے۔“ انور اسے دھکا دے کر اندر گھستا ہوا بولا۔

”سردار کہاں ہیں۔“

”اوپر.... لیکن.... لیکن....!“

”اوہ وقت مت بر باد کرو۔“ انور جھپٹلا کر بولا۔ ”مجھے راستہ بتاؤ آگے چلو.... آگے چلو!“

انور نے اُسے جلدی جلدی کہہ کر آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ وہ اس کے آگے چلنے لگا۔

”جو کام ہوتا ہے، گڑ بڑ ہوتا ہے۔“ انور بڑ بڑانے لگا۔ ”سب سورے ہیں۔ کیا تم خیر نہیں  
چل سکتے۔“

راستے میں دو ایک آدمی اور ملے، جو انور کو تیز نظر والی سے گھور رہے تھے۔

”تم سب اسی طرح سوتے رہتا اچھا۔“ انور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ان سے قبر بھر  
انداز میں کہتا گیا۔

پھر وہ دونوں سیر ہیوں پر چڑھنے لگے۔ اوپر ایک ہی قطار میں کٹی کمرے تھے۔ آخری سر  
پر ایک اور زیبہ تھا، جو تیسری منزل کے لئے تھا۔ ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ اُس آہ  
نے اس طرف اشارہ کیا۔

”اچھا ب تم جاؤ۔“ انور آہستہ سے بولا۔ ”چھانک پر نظر رکھنا جو کوئی بھی اندر داخل ہو۔  
کی کوشش کرے اُسے فوراً کوئی بار دینا۔ اچھا ب جاؤ۔ جلدی کزو۔“ تم سب اُدھر کا خیال رکھنا  
وہ آدمی نیچے اتر گیا۔ انور کے چھرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے

طرف بڑھا۔ دروازے کھلے ہوئے تھے۔ لیکن ایک سیاہ رنگ کا پردہ درمیان میں حائل تھا  
نے جھاک کر دیکھا۔ وہی ڈاڑھی والا جبکی ایک بڑی سی میز پر بیٹھا کچھ کاغذات دیکھ رہا تھا۔

انور پردہ ہٹا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ جبکی چوک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا ہاتھ بے جیب  
کی طرف گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں انور کا پستول جیب سے نکل آیا تھا۔

”تم دیکھا کہ کس بے دردی سے تم مارے جاتے ہو۔“ داراب بڑا بولیا۔

”ایسا نہ کہو پیارے میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔“

”بکواس بند کرو۔“ داراب پھر چینا۔

”مہماں سے ایسا بتاؤ نہیں کیا کرتے اور تم سے بچ کہتا ہوں کہ اس وقت تم سب کی جانیں بھری مٹھی میں ہیں۔ تم اس سے زیادہ احتق ثابت ہوئے ہو جتنا میں تمہیں سمجھتا ہوں۔“

”کیا سمجھتے ہو۔“

”یقین نہ آئے تو اس سگریٹ کے نکلے کی طرف دیکھو۔“ انور جلتے ہوئے سگریٹ کا گولہ

داراب نے جلاہٹ میں پستول انور پر کھینچ مارا جسے اس نے ہاتھوں پر روک کر جیب میں رکھ لیا اور سگار لائٹر سے سگریٹ سلاکنے لگا۔

”دیکھو داراب میں اس قسم کے ہتھیار اپنے پاس نہیں رکھتا جن سے شور نہیں ہو۔ میں مگا گھونٹ کر مارتا ہوں۔“ انور نے ایک حست لگائی اور کمرے سے صاف نکل گیا۔

کو داراب کے ہاتھوں میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے قہقہہ لگایا۔

”داراب سے الجھنا نہیں کھیل نہیں انور۔ اب میں تمہیں چوہے کی موت مار داول گا۔“

”خیر میں مرنے کے لئے تو ہر وقت تیار ہتا ہوں۔“ انور نوٹوں کو کوٹ کے اندر لائی جسے میں رکھتا ہوا بولا اور ایک کری پر بیٹھ گیا۔ داراب اس کی اس لاپرواٹی پر جلا گیا۔ اس نے نہ لے کر پستول کی لبی دیا۔ مگر اس میں سے گولی کے بجائے ایک سگریٹ نکل کر انور کی گوشے اگرا۔ انور نے قہقہہ لگایا۔

”یہ پستول نہیں بلکہ پستول نما سگریٹ کیس ہے پیارے۔“

داراب نے جلاہٹ میں پستول انور پر کھینچ مارا جسے اس نے ہاتھوں پر روک کر جیب میں رکھ لیا اور سگار لائٹر سے سگریٹ سلاکنے لگا۔

”دیکھو داراب میں اس قسم کے ہتھیار اپنے پاس نہیں رکھتا جن سے شور نہیں ہو۔ میں مگا گھونٹ کر مارتا ہوں۔“ انور نے سگریٹ کا گنجان دھوان لٹاتا ہوا بولا۔

”لیکن اب تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ میں تمہیں بہت اذیت دے کر مار دوں گا۔“

داراب گرج کر بولا اور ساتھ تھی اس کا ہاتھ میز پر لگے ہوئے ایک ہٹ پر چڑا۔

سارے مکان میں بے شمار گھنیاں بجھنے لگیں۔ لیکن انور کے اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا۔

بدستور بیٹھا سگریٹ پیتا رہا۔

باہر کئی قدموں کی آہیں سنائی دیں اور تین چار آدمی کرنے میں گھس آئے۔

”بیٹھ جاؤ۔۔۔ داراب اب مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔“ انور پر اطمینان لجھ میں بولا۔

”مت کو۔۔۔!“ داراب چینا۔

”تم نے خیال رانی کو کیوں قتل کیا۔“

”میری خوشی۔۔۔!“

”تم کرتی جاوید کو کیوں انداز کرائے۔“

”تم سے مطلب۔۔۔!“

”مطلب یہ کہ تم مجھے قتل نہیں کر سکتے اور ہاں صابر کو کب ختم کر رہے ہو۔ اس کے نیچے بیوی تو تمہاری محبوبہ نکلی۔“

## خوفناک درندہ

اور باہر نکل کر نیچے کی طرف جھپٹا مگر کچھ اور آدمی اوپر آرہے تھے۔ وہ اوپری منزل کے

نزوں کی طرف پلٹ پڑا۔ اوپری منزل بالکل دیران تھی۔ یہاں کمرے نہیں تھے۔ جھپٹت بالکل پاٹ تھی۔ ایک طرف لکڑی اور لوہے کا انبار تھا۔ کچھ بڑے بڑے پیپے بھی رکھے ہوئے تھے۔

”اوپر گیا ہے۔۔۔ اوپر ۔۔۔!“ کچھ آوازیں سنائی دیں اور انور خالی بیپوں کی آڑ میں وک گیا۔

مانثے ایک بڑا سا پتھر پڑا ہوا تھا۔ انور کے ذہن میں ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ اس نے نیچے جھاک کر دیکھا۔ دریا یا ہریس لے رہا تھا۔ زینوں پر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور انور نے وہ پتھر اٹھا کر دریا میں

چھک دیا۔ ایک زبردست چھپا کے کی آواز آئی۔

”کوڈ گیا۔۔۔ کوڈ گیا۔۔۔!“ کسی نے کہا۔ کئی تار چوپ کی روشنیاں دریا کی سطح پر پڑی تھیں۔

”چلو۔۔۔ چلو۔۔۔ بچ کر جانے نہ پائے۔۔۔ نیچے کشٹی موجود ہے۔“

وہ پھر اٹھے پاؤں جھاگتے ہوئے نیچے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد انور نے پتھر جھاک کر نیچے

”مطمئن رہو۔ اُس کے پاس پستول نہیں ہے۔“

”تو کیا وہ نہ تھا ہم لوگوں میں تھس آیا ہے۔“ ایک آدمی متjurانہ انداز میں بولا۔

”میرا خیال ہے کہ اس کا دامغ خراب ہے، بہر حال اس کا زندہ رہنا ٹھیک نہیں.... کم جنت جوک کی طرح لپٹ جاتا ہے۔“

انور الماری کے پیچھے بینجا مسکرا رہا تھا۔ لیکن اچاک ایک تنی مصیبت نازل ہوئی۔ یہ کجنت اس وقت تاک میں سر را ہٹ کھاں سے؟ اس نے لاکھ کوشش کی.... مگر چھینک آئی گئی.... اور چھینک بھی ایسی قلک شکاف کہ کرہ گونخ کر رہا گیا۔ انور کو ایسا محسوس ہوا چیز وہ چھینک نہیں بلکہ را نقل کی گولی تھی، جو اس کے سینے سے پار ہو گئی۔ اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے اور دوسرے یہ لمحے میں داراب پستول نے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

”باہر نکلو....!“ داراب گرج کر بولا۔

انور چپ چاپ ہاتھ اٹھائے ہوئے باہر آگئی حالا لکھ اس اچاک حادثے کی وجہ سے جس کے لئے وہ قطعی تیار نہیں تھا اس کی بہت جواب دے گئی تھی۔ مگر وہ برابر مسکراتے جا رہا تھا۔

داراب نے اس کا گریبان پکڑ کر اپنے گروہ کے آدمیوں کی طرف ہکھیل دیا۔ انور جیسے ان پر گرانہوں نے اپنے بازوؤں میں چکڑ لیا۔

”آجھی بنجے ہو۔“ داراب طریقہ انداز میں قبھہ لگا کر بولا۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ لیکن اب کوئی گنجائش نہ ہگئی تھی۔ اگر وہ ان دونوں کی گرفت سے آزاد ہو بھی جاتا تو داراب کے پستول کی گولی اُسے کب پھوڑتی۔

”لے چلو....!“ داراب دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ”کمرہ نمبر چار میں جہاں انور ہی کی نسل کا ایک فرد اس کا خیر مقدم کرے گا۔“

وہ دونوں انور کو کھینچتے ہوئے لے چلے۔ ان کے پیچھے داراب پستول تانے چل رہا تھا۔

”تمہاری ذرا سی حرکت تمہیں جنم میں پہنچا دے گی۔“ داراب نے کہا۔

انور بدستور خاموش رہا۔ وہ بغیر کسی جدوجہد کے چل رہا تھا۔ اس نے بھاگنے کی ذرا بھی کوشش نہ کی وہ بظاہر پر سکون نظر آرہا تھا لیکن ذہن میں انتشار برپا تھا۔

دیکھا۔ چار پانچ آدمی ایک کشی پر بیٹھے دریا میں پچکر لگا رہے تھے۔ اس نے پیوں کی آڑ سے ٹکر ایک طویل اگلوائی لی اور خود بخود مسکرانے لگا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر پیٹ کے مل جھٹ پر لیٹ گیا۔ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا چھٹت کے دوسرا بے کنارے پر نکل گیا۔ تھوڑی دور ہٹ کر دوڑنے طرف ایک چھوٹا سا پاپ نیچے تک چلا گیا تھا اور تقریباً دس فٹ نیچے دیوار میں کافی چوڑی کا نفر تھی۔ انور پاپ کے سہارے کارنس پر اتر آیا اور دیوار سے چپکا ہوا اس درخت کی طرف بڑھنے لئے جس کی شاخیں دیوار کو چھوڑ رہی تھیں۔ وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ اُسے پھر رک جانا پڑا۔ آگے اس کمرے کی کھڑکی تھی جس میں داراب سے وہ ملا تھا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ انور نے آگے بڑھ کر اندر جھانک کرہ خالی تھا۔ دفعتاں اس کے ذہن میں کچھ نئے قسم کے کیڑے کلبلائے اور وہ آہنگ سے کمرے میں اتر گیا۔

وہ میز کی طرف گیا اور پہلی اٹھا کر کچھ لکھنے لگا۔ اچاک باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔ ان چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میز کے پیچھے بڑی سی لکڑی کی الماری رکھی ہوئی تھی۔ دوسرے لمحے میں وہ اس الماری کے پیچھے تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور داراب دو آدمیوں کے ساتھ مل داخل ہوا۔

”تم لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ڈوب گیا۔“ داراب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے ان آدمیوں کے کہا۔ اس کی نظر کاغذ پر پڑی جس پر انور نے کچھ لکھا تھا۔

”اڑے....!“ وہ بے اختیار اچھل پڑا۔ چند لمحے تک لکھنی لگائے کاغذ کی طرف دیکھتا رہا پھر اس آدمیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ ”دیکھا تم نے.... یہ دیکھو.... وہ ابھی اسی کمرے میں تھا۔ وہ ابھی بھی بیٹھیں قریب ہو گا۔“

”ہمارے آدمی اُسے جھاڑیوں میں ملاش کر رہے ہیں۔“ ایک نے کہا۔

”اب اس کا خاتمہ ہی بہتر ہے۔“ داراب بولا۔ ”مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ مجھے پہلے عما۔ ختم کر دینا چاہئے تھا۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ کام کا آدمی ہے اگر کسی طرح اپنے ساتھ مل جائے کیا کہنا۔.... یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر وہ اس وقت نیچے کر نکل گیا تو ہمیں یہ عمارت چھوٹی پڑی گی۔ ابھی پولیس کو ہماری جائے رہائش کا علم نہیں ہوا۔“

”کہیں وہ ہمارے کسی آدمی پر اندر ہیرے میں وارثہ کرے۔“ ایک بولا۔

وہ لوگ زینے طے کر کے نیچے صحن میں آئے۔ ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر دونوں رک گئے۔ داراب نے بڑھ کر کمرے کا دروازہ ہٹولا۔ اندر اندر دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر لیا گیا اور پھر فرما کرے کا بلب روشن ہو گیا۔ سامنے نظر پڑتے ہی انور کے اس اسناخ ہو گئے۔ ایک خوفناک ریچھ ایک جالی دار کٹھرے سے نکلے کی کوشش کر رہا تھا۔ کرہ کافی بڑا تھا جو درمیان میں لوہے کی سلاخوں کو جالی دار کٹھرہ ادا کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ کٹھرہ اچھتے سے ملا ہوا تھا۔ کٹھرے کی چھوٹی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ قبل اس کے کہ ریچھ اس پر حملہ کرنا ہجھت کر کٹھرے پر چڑھنے لگا۔ چھت کے قریب پہنچ کر وہ کٹھرے میں چھپکی کی طرح چک کیا۔ مگر اس طرح جان بخشی مشکل تھی۔ ریچھ پہلے تو اسے تھوڑی دیر تک نیچے سے دیکھتا رہا پھر اس نے بھی کٹھرے پر چڑھنے کی خانی۔ انور کے سارے جسم سے پیسہ چھوٹ پڑا۔ لیکن اس کا ذہن بڑی خیری سے کام کرنے لگا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنی نائی کھول کر گردان سے کھینچ لی اور پھر دب گیا۔

”آف..... ہاؤ..... ہاؤ..... پچاؤ..... باج باج..... باج.....!“

اور پھر اس کی آواز اس طرح ڈھونگی جیسے وہ ختم ہو رہا ہو۔ پھر دفتار بالکل خاموش ہو گیا۔

پھر بدستور غرائے جا رہا تھا۔ انور نے ایک بار پھر سکار لائٹر جلا دیا اور وہ سہم کر ایک کونے میں

”ختم ہو گیا۔“ باہر سے آواز آئی اور قدموں کی آہنیں دور ہوتی گئیں۔

انور کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ فرشتوں جیسی معصوم مسکراہٹ، ایسا معلوم ہو رہا تھا گئی۔ ریچھ نے ایک بھیاک چیخ ماری اور ترپ کر نیچے جا رہا۔ اسی کے ساتھ انور بھی اس طرح پہنچ بھیاگی کچھ دیر قبل وہ اس ریچھ کو تارک الدنیا ہو جانے کا سین دیتا رہا ہو۔ لیکن، چاقی اور ایمان داری کی تلقین کرتا رہا ہو۔

کمرے میں چاروں طرف بڑے بڑے روشنداں تھے۔ وہ بڑھ کٹھرے پر چڑھنے لگا۔ احتیاطاً لائن سکار لائٹر جلا دیا تھا۔ ریچھ دوناگوں پر کھڑا ہو کر دور ہی سے فوں فوں کرتا رہا۔

انور روشنداں میں مکنچ چکا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک آہٹ لیتا پھر دونوں ہاتھ باہر نکال کر

پھٹ پر لیکے اور دوسرا لمحے میں اس کا پورا جسم دائرہ بناتا ہوا چھت پر تھا۔ وہ آہتہ آہتہ سینے کیلی ریجنگے لگا۔ چاروں طرف سناتا تھا۔ وہ آگے بڑھتی رہا تھا کہ اُسے قریب ہی کھیں پڑوں کی

لامگوں ہوئی۔ وہ اسی طرف بڑھنے لگا۔ آگے ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی جس میں دروازہ نہیں قلع غالباً یہاں زمانہ جنگ میں جب کہ یہ عمارت فوج کے قبضے میں تھی یہاں سنتری کھڑا ہوتا رہا

ہو گا۔ انور اس کے قریب جا کر رک گیا۔ پڑوں کی بواسے اندر سے آرہی تھی۔ وہ اس کے اندر گھس گیا۔ یہاں کئی لکنسریوں میں پڑوں رکھا تھا۔ انور کے دماغ میں پھر کٹھرے کلبلائے۔ وہ

پاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایک طرف ایک موٹی سی رسی کا لچھا پڑا ہوا تھا۔ وہ کوٹھری سے نکل کر

داراب برابر ہنے جا رہا تھا۔

”کیوں انور دیکھ لی داراب کی قوت...!“ وہ باہر سے چیخ کر بولا۔

انور اندر سے چینا۔ ”ارے... ارے... بب... خیں... خیں... خیر... اے

بچاؤ... خیر خیں... خیاؤ...“

ریچھ ابھی تک زمین پر لوٹ رہا تھا اور اس کے حلق سے غصیلی آوازیں نکل رہی تھیں۔

انور نے اس دروان میں جیب سے رومال بھی نکال لیا تھا تاکہ دوسرے حملے پر اسے بھی جلد از جلد استعمال کیا جاسکے۔

چھت کے کنارے پر آیا۔ نیچے اندر میرے کی چادر پھیلی ہوئی تھی اور دریا کے بھرے بیچے سtarوں کا عکس ناچ رہا تھا۔ انور نے لوٹ کر رسی کا لچھا کھولا اور اس کا ایک سراکوٹھری کر کر باندھ دیا۔ پھر پڑول کے نتھر نکال نکال کر چھت پر اٹھنے لگا۔ اور رسی کو بھی پڑول میں بھوک اس کا دوسرا سر اپنے چھینک دیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ اسی رسی کے سہارے نیچے اتر رہا تھا۔ زمین پر پیدلتے ہی اس نے رسی سے پہلے دریا میں اپنے ہاتھ دھونے اور پھر تی سے دیوار کی طرف پلان۔ پھر سگریٹ لائز ہوا رسی میں آگ لگادی۔

اب وہ جھاڑیوں میں گھس کر گھنے جنگل کی طرف بھاگ رہا تھا۔ تھوڑی دور جا کر وہ پلاں عمارت سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ پھر شور بھی سنائی دینے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ دفلار کہیں موڑ سائیکل کی آواز سنائی دی اور انور نے بے تحاشہ سڑک کی طرف دوڑنا شروع کردا۔ سڑک تک پہنچنے پہنچنے موڑ سائیکل کی ہیڈ لا بیٹ دکھائی دینے لگی۔ وہ بدستور اسی طرف بھاگنے لگا۔ پھر اچاک سڑک کے نیچے میں آکر دونوں ہاتھ اٹھائے۔ موڑ سائیکل رک گئی اور سوار کا ہاتھ اپنے اختیار جیب کی طرف گیا۔

”رشو... رشو... میں ہوں۔“ انور نے کہا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔

”تم....!“ رشیدہ نہ کریوں۔ ”یہ تم نے اپنے چہرے پر ڈاٹھی کیوں لگا رکھی ہے۔“

”پھر بتاؤ گا....؟“ تم فوراً واپس جاؤ۔ میں نے اس عمارت میں آگ لگادی ہے۔“

”ارے جنگلی....!“ رشیدہ نہ کریوں۔

”پسول لائی ہو تو مجھے دے دو.... اور ہاں یہ روپے رکھو سگریٹ کیس کی قیمت دھول کا گئی۔ اچھا جاؤ۔ جلدی کرو۔“

”نبیں جاتی۔“

”ضد مت کرو۔ یہ لوگ اب یہاں سے کہیں اور بھائیں گے اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل جائے۔ پھر ان کا ہاتھ لگانا مشکل ہے۔“

”تو کیا ہوا ہم دونوں ساتھ رہیں گے۔“

”نبیں بلکہ ساتھ مریں گے۔“ اور جھلا کر بولا۔

”یہ میری ذلی خواہش ہے۔“

”میں چانس اداروں کا گا۔“

”میرے بھی ہاتھ ہیں۔“

”خدا کے لئے جاؤ تم یہاں سے۔“ انور دانت پیس کر بولا۔

بدقت تمام اس نے رشیدہ کو واپس کیا اور پھر جنگل میں گھس کر عمارت کی طرف چل پڑا۔ یہ طرف کچھ لوگ آگ بھانے میں مشغول تھے۔ غالباً یہ وہ ملاج تھے جو دریا کے کنارے سے جھوپڑوں میں رہتے تھے۔ سڑک پر ایک بڑی سی لاری کھڑی تھی جس پر سامان لادا جا رہا تھا۔ یہ آدمی کسی کو پیچھے پر لادے ہوئے باہر آیا۔ اس کے ہاتھ پیر رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ اسے بھی لاری میں ڈال دیا گیا۔ انور نے مخفی خیز انداز میں سر ہلاکیا اور جھاڑیوں میں دبکتا ہوا لاری کی طرف بڑھنے لگا۔ آہستہ آہستہ شور کم ہوتا جا رہا تھا۔ غالباً ان لوگوں نے آگ پر قابو پالیا تھا۔

## معزز لٹیرا

تین بجے رات کو انور اپنے فلیٹ میں بیٹھا رشیدہ کے سامنے اپنے کارنامے دھرا رہا تھا اور رشیدہ بے تحاشہ نہ رہی تھی۔

”اور پھر وہ لاری چل پڑی۔“ انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا اور میں لاری کی چھت پر چٹ لیٹا۔ ہوا تاروں پھرے آسمان سے سر گوشیاں کر رہا تھا۔ نیچے داراب اور اس کے ساتھی میری شان میں رشیدہ پڑھ رہے تھے۔ میرے قتل کے لئے اسکیمیں بنائی جاوی تھیں اور میں ان کے سروں پر لیٹا۔ ہوا تاروں کو آنکھ مار رہا تھا۔ مگر رشو میں تمہاری زندگی کا راز جانتا چاہتا ہوں۔ کیا واقعی تمہاری شخصیت اتنی پُر اسرار ہے جتنی داراب سمجھتا ہے۔“

”ایسا مطلب....!“ رشیدہ چوک کر کریوں۔

”داراب تمہاری گرفتاری کے امکانات پر بھی غور کر رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ اسے تمہارے متعلق ایک گھرے راز کا علم ہو گیا ہے اگر وہ کسی طرح تمہیں پکرنے میں کامیاب ہو جائے تو لاکھوں روپے کمائے گا۔“

”کیا تم حق کہہ رہے ہو۔“ رشیدہ بے اختیار کھڑی ہو کر بولی۔

”قطیٰ میں تم سے جھوٹ نہیں یوتلا۔ اسی لئے میں وہ راز جانتا چاہتا ہوں تاکہ تمہاری حفاظت کی جاسکے۔“

”تم میری حفاظت نہیں کر سکتے۔“ رشیدہ آہستہ سے بڑھا۔ ”میری حفاظت کا دار و دارہ اس شخص کی موت پر ہے جو میرے راز سے واقفیت رکھتا ہے۔ داراب کا خاتمہ چھانی کے تختے سے پہلے ہو جانا چاہئے۔“

”تو تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گی۔“

”میں ابھی مجبور ہوں۔“ رشیدہ فکر مند لمحہ نہیں بولی۔ ”ویسے میرے لئے سب کچھ تم ہی ہو۔“

”مجبوری کیسی؟“

”تم نہیں سمجھتے اور نہ میں ابھی تمہیں کچھ سمجھا سکتی ہوں۔ اب یہاں میرا رہنا ممکن نہیں۔ میں جاہر ہی ہوں۔ تم کم از کم ایک بیٹھتے کی چھٹی کے نئے درخواست دے دینا۔“

”لیکن تم جاؤ گی کہاں۔“

”کہیں اور..... اب میں یہاں قطیٰ غیر محفوظ ہوں۔ داراب کی موت سے پہلے میں تمہیں نہ مل سکوں گی۔ مگر وہ گروہ اب کہاں ہے۔“

”شبہاں پور کے شاہی سرائے میں۔ میرا خیال ہے کہ وہ عمارت بھی پہلے ہی سے ان کے قبیلے میں تھی۔ لیکن رشو! میں تمہیں اس طرح نہ جانے دوں گا۔“

”میں وہاں تباہہ جاؤں گی۔ تم مطمئن رہو۔ لیکن مجھے روکنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔“

”یہاں اس مکان میں تواب میں بھی محفوظ نہیں ہوں۔ مجھے بھی کوئی ناجائزی دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ پھر ہم ساتھ ہی کیوں نہ رہیں۔“

”نہیں....!“ رشیدہ نے سخت لمحہ میں کہا۔ ”تمہیں میرا کہنا مانا ہی پڑے گا۔ تم نے مجھے تین سوروں پر دیئے ہیں ان میں سے سوم اپنے پاس رکھو۔ دوسوں میں رکھوں گی۔“

”تم سب لے جاؤ۔“

”نہیں....!“ رشیدہ نے کہا اور گن کر سوروں پر اسے دیتے ہوئے بولی۔ ”موڑ سائکل ہی کے کوئی داراب ہے۔“

”میں لے جاؤں گی۔“

انور خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔ اس وقت رشیدہ اسے انتہائی پراسرار معلوم ہو رہی تھی۔ اج سے قبل اس نے اس کی آنکھوں میں اتنے پختے ارادوں کی جھلک نہیں دیکھی تھی۔

”میرے ساتھ یچھے تک چلو۔“ رشیدہ نے انور سے کہا۔

دو فون یچھے آئے۔ انور نے گیراج کھول کر موڑ سائکل نکالی۔ دوسرے لمحے میں رشیدہ اکار پہنچی تھی اور موڑ سائکل دیر ان سڑک پر فرانٹ بھر رہی تھی۔

انور پھر اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ ایک گھنٹے بعد جب وہ اپنے کمرے سے برآمد ہوا تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی انور ہے جس کے چہرے کی جاذبیت نہ جانے کتنے دلوں میں گدگدیاں پیدا کر دیا کرتی تھی۔ اس کے چہرے پر پڑی ہوئی مصنوعی پھنسیوں میں مرہم لگا ہوا تھا۔ منہ سے رال بہہ رہی تھی اور آنکھ اس طرح بنائی گئی تھی جیسے وہ کاتا ہو۔ نہرے بالوں میں سیاہ رنگ کے نظافات نے تغیر آمیز گدلا پین پیدا کر دیا تھا جسم پر انتہائی کثیف اور بدبودار کپڑے تھے۔ ہاتھ میں ایک ہدایہ اساؤٹھ اتھا۔

اور دوسری صبح کو وہ اسی بیت میں انپکٹر آصف کے گھر میں بیٹھا ہوا اس سے سرگوشیاں کر رہا تھا۔

”تم نے کچھ مکمل کر دیا۔“ آصف اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”اتا کامیاب بھی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔“

”بلیں استاد کو دعا میں دیتا ہوں۔“ انور نہیں کر بولा۔

”کون استاد....!“ آصف نے پوچھا۔

”انپکٹر فریدی۔“

آصف نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو شاکر وہ انپکٹر فریدی کے اپر گالیاں بکنا شروع کر دیتا۔ مگر اس وقت عقائدی کا یہی تقاضا تھا کہ وہ خاموش رہے۔ وہ ان حالات میں انور سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولتا۔

”داراب کی خصیت پولیس کے لئے انتہائی پراسرار ہے۔ ہم یہ ثبوت کہاں سے ہم پہنچائیں گے کہ وہی داراب ہے۔“

تھوڑی دیر بعد کئی لاریاں اور دو تین جیپ کاریں شہزاد پور کی طرف جا رہی تھیں۔ یہ سب ہزار مونسٹر کی تھیں۔ ان پر مزدور بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ الوں پھاؤڑوں اور دوسرے اوزاروں کا بارہ تھا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ کہیں سڑک بنانے جا رہے ہوں۔ جیپ کاروں پر شامد حکمہ نیترات کے آفیسر تھے۔ ایک لاری پر انور بھی اپنے بدلوے ہوئے بھیں میں موجود تھا۔

شہزاد پور پہنچ کر ان گاڑیوں نے شاہی سڑائے کو اپنے حلے میں لے لیا۔ یہ ایک بہت پرانی عمارت تھی اور شاہی سڑائے کے نام سے مشہور تھی۔ دیے درحقیقت یہ سڑائے نہیں تھی۔ مزدور اپنے ہاتھوں میں راکھلیں لے کر اتنے لگے۔ لیکن شاید اس عمارت کے رہنے والے پہلے عیسے ہوشیار ہو گئے۔ قبل اس کے کہ کوئی عمارت کی طرف پیش قدی کرتا کھڑکیوں اور روشنہ انوں سے گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ دو ایک سپاہی پہلی بار میں مارے گئے۔ آخر کار انہوں نے جلد از جلد لاریوں اور جیپوں کی آڑ لے لی اور اور ہر سے بھی باڑھ ماری گئی۔ عمارت کا صدر دروازہ ابھی تک کھلا ہوا تھا۔ لیکن کسی کی آگے بڑھنے کی ہست نہیں پڑ رہی تھی۔ انور ایک لاری کے پیچے وبا کا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر کہیں یہ دروازہ بند ہو گیا تو پھر نہ جانے کب تک اسی طرح فضول کا رتوس برباد کئے جائیں گے۔ سارے قبصے میں بڑھ گیا تھا۔ لوگ دور ہی سے کمرے شور چاہرے تھے لیکن قریب آنے کی ہست نہیں پڑ رہی تھی۔ شاید ان کی سمجھ میں ہی نہ ایسا ہو کہ یہ بیک یہ کیا ہونے لگا۔ انور نے آؤ دیکھانہ تاذ جھٹ لاری کے اندر گھس کر اسے صدر دروازے پہل ڈرائیور کر لے گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اچھل کر ڈیوڑھی میں پہنچ گیا۔ اس دروازے کی کئی گولیاں لاری کی چھٹ توڑ کر اندر آئیں۔ انور دروازے پر ڈٹ گیا۔ وہ اپر کی گولیوں سے محفوظ ہو گیا تھا۔ دفتار ڈیوڑھی میں دو آدمی وکھائی دیئے۔ انور نے رویا اور بکال کر انہیں ڈھیر کر دیا۔

”اکیلے اندر مت جانا۔“ آصف چینا۔  
”اے اسی لاری کی آڑ لے کر آگے کیوں نہیں بڑھتے۔“ انور دانت پیس کر بولا۔ ”اس کے پیچے پیٹ کے مل رینگ آؤ۔“

پولیس کے دس بارہ جوان لاری کے پیچے ریختے ہوئے دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ ان میں آصف بھی تھا۔ باہر بدستور گولیاں چل رہی تھیں۔ انزوں غیرہ اندر ہی جا رہے تھے کہ دفتارے

”کیا یہ کافی نہیں کہ تم اخواشہ کر ٹل کو اس کے قبصے سے برآمد کر لو گے اور پھر اس کے لیے کے معاملات مجھ پر چھوڑو۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا۔“

”حملہ رات ہی کو مناسب ہو گا۔“ آصف بولا۔

”یہ سب سے بڑی حماقت ہو گی۔“ انور سنجیدگی سے بولا۔ ”دن میں ہم قبصہ والوں کی بھی مدد حاصل کر سکتیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ داراب فتح نکل۔ ورنہ پہلے سے بھی زیادہ خطرہ پر ہو جائے گا۔“ آصف کچھ سوچنے لگا۔ انور پھر بولا۔ ”اکے پاس اسلیخ کافی ذخیرہ ہے اسکا خاص طور پر خیال رکھنا اور تجوری والے ٹرانسپورٹ سے تو تم نے یہ اندازہ لکایا ہو گا کہ وہ گروہ کتنا منظم ہے۔“ ”چھاتم نیشن ٹھہرو۔“ آصف نے کہا۔ ”میں اس سلسلے میں آفیسروں سے مشورہ لینا چاہتا ہوں،“ ”ضرور..... لیکن بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ داراب کے آدمی یقیناً میری طالب میں ہوں گے اور ہاں میری ایک تجویز اور بھی ہے کہ چھاپے مارنے والے والے سپاہی اور دیویوں میں نہیں ہوں گے۔ داراب بہت زیادہ محتاط ہو گیا ہے۔“

آصف تھوڑی دیر کھڑا سوچتا رہا پھر کپڑے پہن کر باہر چلا گیا۔

انور ایک آرام کر کی پر لیٹا ہوا الطیبان سے سکریٹ کا دھووال اڑا رہا تھا۔

انور یونہی لیئے لیئے مسکراتا رہا۔ دفتارے رشیدہ کا خیال آگیا۔ اس کے اس عجیب و غریب روپے پر اُسے حیرت ہو رہی تھی آخراں کی زندگی سے کونسا ایسا راز دایتے ہے جسے واں سے چھپا رہی ہے۔ داراب اسے قابو میں کر لینے کے بعد لاکھوں روپے کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ اسے رشیدہ اتنی پر اسرار کبھی نظر نہ آئی تھی وہ اس وقت معلوم نہیں کہاں اور کس حال میں ہو گی وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ رشیدہ اس راز کے متعلق کبھی کچھ نہ بتائے گی وہ اس کی مدد کا طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے یہ بھی تو کہا تھا کہ داراب کو پھانسی کے تختے سے پہلی مر جانا چاہئے۔ تو کیا وہ اس فکر میں ہے اگر ایسا ہے تو وہ ایک زبردست حالت کرنے جانتا ہے۔ وہ تھا اس کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ انور نہیں سب خیالات میں ڈوبا ہوا آرام کر کی پر سوچا تقریباً بارہ بجے آصف نے آگر چکایا۔

”سارے انتظامات کمل ہو چکے ہیں۔“ آصف نے کہا۔ ”دوسرے آفیسروں کی بھی کمی رائے ہے کہ چھاپے دن ہی میں مار جائے۔“ اس کے بعد وہ انتظامات کے متعلق بتانے لگا۔

جیپ کار اسٹارٹ ہوئی۔ انور چونک کر پلٹا اور بے اختیار چیچ پڑا۔  
”درے لو وہ داراب نکل گیا۔ یہ کم بخت اندر سے نکلا کیسے۔“ جیپ سڑک پر فرائے بھر رعنی تھی  
”تھہرو....!“ آصف اسے روک کر بولا۔ ”بد حواسی اچھی نہیں۔ اب بیہاں سے ٹھانہ مور  
کو دعوت دینا ہے۔ گولیوں کی زد میں آجائے گے۔“  
دفعاتہ سڑک پر ایک موڑ سائکل دکھائی دی جس پر ایک سکھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ موڑ سائکل کا  
ست میں جا رہی تھی جدھر داراب گیا تھا۔

”ہے.... ہے سردار جی۔“ انور زور سے چیخا۔ ”ادھر ایک مجرم جیپ پر گیا ہے۔“  
لیکن یہ اس کا ایک احتمانہ فعل تھا۔ موڑ سائکل والے نے شاید سنائی ہو۔ کیونکہ وہ بھی  
کافی تیز رفتاری کے ساتھ جا رہا تھا۔ عجیب بے بی کا عالم تھا۔ انور کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب  
کیا کرے۔ دفتار وہ دیوانہ دار اندر گھس پڑا۔ اس کے پیچے آصف وغیرہ تھے۔ اندر انہیں بہت من  
جنگ کرنی پڑی۔ بیہاں بھی دو تین سپاہی زخمی ہو گئے تھے۔ اس سے باہر والوں کو بھی اندر گئے  
موقع مل گیا۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد مجرموں نے اسلحے بھیک دیئے اور خود کو گرفتار  
کے لئے پیش کر دیا۔

”آصف جلدی کرو شاند داراب مل ہی جائے۔“ انور دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولتا  
اور وہ دونوں مسلح سپاہیوں کیسا تھا ایک جیپ میں اسی سمت رو انہے ہو گئے جدھر داراب گیا تھا  
دو تین میل کی مسافت طے کرنے کے بعد انہیں گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کہ  
دور چل کر وہی جیپ سڑک پر کھڑی دکھائی دی جس پر داراب فرار ہوا تھا۔ دفتار ایک ہے  
ہو رہے تھے اور دوسرا یہ طرف جہازیوں میں کوئی اس جیپ پر گولیاں بر سارہ تھا۔ دفتار ایک ہے  
سنائی دی اور داراب اچھل کر سڑک پر آ رہا۔ گولی اس کی پیشانی پر گلی تھی۔ اس کے گرتے ہے  
جہازیوں سے ایک موڑ سائکل نکل کر سڑک پر آئی جس پر ایک سکھ بیٹھا ہوا تھا۔ پولیس افراد  
نے پستول نکال لئے اور انور چونک پڑا۔

”خبردار موڑ سائکل روک دو۔“ آصف گرج کر بولا اور موڑ سائکل روک گئی۔  
”میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔“ سکھ مسکرا کر بولا۔ ”میں ان دس بزار روپیوں کا مخفی ہوں  
جو حکومت نے اسے زندہ یا مردہ گرفتار کرنے والے کے لئے وقف کئے تھے۔“

”بڑی سریلی آواز ہے سردار جی تمہاری۔“ انور مسکرا کر بولا۔  
سکھ انور کو گھومنے لگا۔ خود انور نے آگے بڑھ کر اس کی ڈاڑھی نوچ ڈالی اور سر پر بندھی  
ہوئی پکوئی اتار کر ایک طرف ڈال دی۔  
”ارے کون.... رشیدہ....!“ آصف اچھل کر بولا۔  
”جی جتاب۔“ رشیدہ مسکرا کر بولی۔ لیکن پھر فرماں گھبرائے ہوئے مجھے میں پوچھنے لگی۔  
”انور کہاں ہے؟“  
وہ انور کو اس کریبہ بھیں میں پہچان نہ سکی تھی۔ انور جلدی سے داراب کی لاٹ کی طرف  
 متوجہ ہو گیا۔  
”کیوں آصف کیا یہ وہی شخص نہیں ہے۔“ انور بھرائی ہوئی آواز میں بولا، جو پلازا میں  
ڈاڑھکنے والا اور جس کی لاٹ تمہیں جلی ہوئی کار میں لی تھی۔ اب آؤ اور قریب آ جاؤ۔ کر قل جاوید  
اپنی جوانی کے زمانے میں بالکل ایسا ہی تھا۔ ذرا اس کی ڈاڑھی پر بھی زور آزمائی کرو۔ مگر اس سے  
کام نہ چلے گا۔ اس نے پلاسٹک میک کر رکھا ہے۔“  
انور نے جھک کر اس کی ڈاڑھی کے بال نکالنے شروع کئے۔ پھر چھرے پر متعدد جگہ چکے  
ہوئے پلاسٹک کے نکلے بھی نکالے اور دفعاتہ چیچ کر اچھل پڑا۔  
”ارے یہ تو صابر انجیز تھے۔“  
”آداب عرض....!“ انور جھک کر بولا۔ جو کچھ میں کہہ دیا کروں اسے پھر کی لکیر سمجھا  
کو۔ میں انکلٹر فریڈی کا شاگرد ہوں۔ ”پھر وہ رشیدہ کی طرف متوجہ ہوا، جو حیرت سے آگھیں  
پلاٹے کھڑی تھی۔  
”کیوں رشوٹھیک ہے تا۔“ انور اپنی صحیح آواز میں بولا اور رشیدہ اچھل پڑی۔  
”ارے یہ تم ہو گندے.... بچڑھ...!“ انور ہنسنے لگا۔  
”اور ہاں جناب آصف صاحب کل جو عورت کار میں ایک پورا سارا دھاکے سے زخمی ہوئی  
گی اسے بھی حرast میں لے لیتا۔ اس کا تعلق بھی داراب کے گروہ سے ہے اور اس کے شوہر کو  
بھی... کیا سمجھے۔“  
”وہ کیسے....!“

”اس کا ثبوت میں فراہم کروں گا۔“ انور نے کہا۔ ”کرنل جاوید برآمد ہی ہو گیا ہے۔ اب کوئی خاص مسئلہ باقی نہیں رہا۔ تم ان سب کو لدواو۔۔۔ اور ہم لوگ چلے۔ اگر ہماری ضرورت پڑے تو کوتولی میں بلو سکتے ہو۔ ارہاں کوئی گزبر۔۔۔ نہ ہونے پائے۔ دس ہزار والا انعام رشیدہ ہی کا حق ہے۔ اگر یہ اچاک بیچ میر، نہ آکو دتی تو ہم داراب کی گرد کو بھی نہ پاسکتے۔“  
تحوڑی دیر بعد وہ دونوں موڑ سائکل پر شہر کی جانب واپس جا رہے تھے۔

”تم نے اسے روکا کیسے۔“ انور نے پوچھا۔

”اتفاق۔۔۔ محض اتفاق۔۔۔ اچاک جیپ چلتے چلتے خراب ہو گئی تھی۔“

”رسو اگر مارڈالی جاتیں تو کیا ہوتا۔“ انور غم ناک لمحے میں بولا۔

”تو تمہارا کیا بگزرتا۔“

”بگزرتا تو کچھ نہیں۔۔۔ مگر۔۔۔ رسو۔۔۔!“

”ہاں مگر کیا۔“

”کچھ نہیں۔۔۔!“

”کچھ نہیں۔۔۔ میں سمجھی شاید۔“

”چھوڑو بھی۔۔۔ رسو ارنگ۔۔۔ مجھے بھوک آگ رہی ہے۔“

”جانور۔۔۔!“ رشیدہ نے ہونٹ سکوڑ کر کہا اور کچھ سوچنے لگی۔

# ختم شد